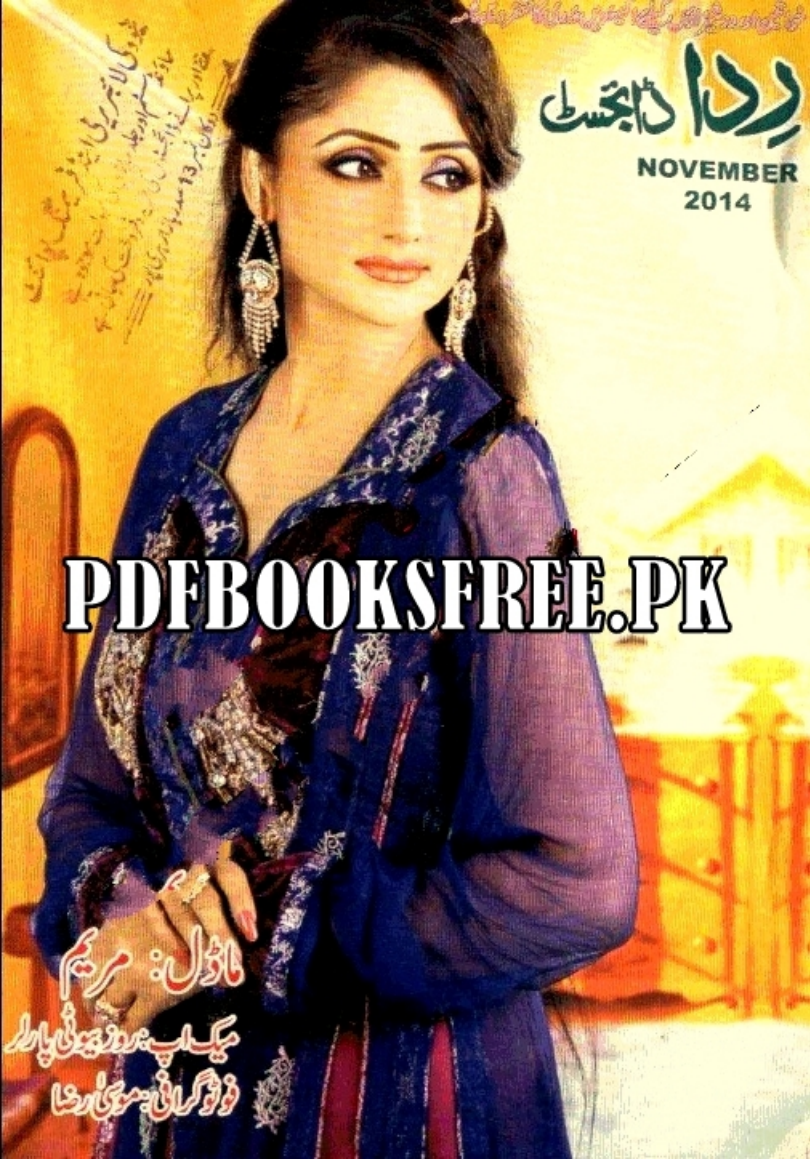
ردا ڈائجسٹ
NOVEMBER
2014
PDFBOOKSFREE.PK
ماڈل: مریم
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

سلسلے وار ناول

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو	شازیہ مصطفیٰ عمران	۱۰
جو عشق میں جیتی وہ عشق ہی جانے	نائلہ طارق	۶۸
تیرے پیار کی خوشبو	فروش شہک	۱۸۶

ناولٹ

میرا پیار کا پہلا شہر	صائمہ محمود	۱۲۲

مکمل ناول

سو جان سے دل ہارے	صائمہ قریشی	۹۶
عشق کا حاصل آنسو کیوں	رابعہ افضال خان	۲۴
مشرق کی شہزادی	روشانے عبدالقیوم	۱۵۴

افسانے

میرا وجود ریزہ ریزہ	افشاں علی	۱۴۴
احساس	فرحین اظفر	۵۴
بلا عنوان	سحر یمین	۶۴
خوب صورت بندھن	صالحہ عزیز صدیقی	۸۴
تاثیر حیا	فریدہ فرید	۱۳۶
زندگی کا مقصد	ہاجرہ امین	۱۷۰
رائٹر	کائنات غزل	۱۷۶
ماں	وش آفریدی	۱۸۰

نومبر 2014ء

جلد نمبر 19 شمارہ نمبر 11

قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

720 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صائمہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

مقام اشاعت: ۱۳۹/۳ ڈی بلاک-2-پی-ای-سی-ایچ-سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-

ماہنامہ "ردا" ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ [illegible]

مستقل سلسلے

ردائے جنت	صائمہ محمود	۷	سندیسے	صائمہ محمود	۲۱۴
ردا کی ڈائری	صدف سعد	۱۹۹	کچن	ثریا اقبال	۲۲۴
ذرا پھر سے کہنا	شہلا مشتاق	۲۰۸	سنگھار	شہلا مشتاق	۲۲۵
خوشبو	نورین ملک	۲۰۵	اشعار	نورین ملک	۲۰۱
اس ماہ میں	نورین ملک	۲۰۲	دوستوں کے نام پیغام	عائشہ حمد	۲۲۰

محمود کی لائبریری اینڈ فوٹو کاپی پوائنٹ

READINGSCORNER http://readingscornerpk.blogspot.com

گوشہ آپی

قارئین! باغ و بہار شب و خون کی باتیں بھی ہوتی رہتی ہیں یہ سب زندگی کے ادوار ہیں جن سے ہم گزر چکے ہیں اور نہ جانے کب تک ہم گزرتے رہیں گے وقت گزر جاتا ہے لیکن سانحات کبھی نہیں گزرتے اور سانحات سے تاریخ رقم ہوتی ہے۔ محرم الحرام واقعہ کربلا کے حوالے سے بہت اہم ہے کیا آپ جانتے ہیں۔ محرم اسلامی کیلنڈر کا سب سے پہلا مہینہ ہے اسلامی مہینے اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے ہی مہینوں کا حساب رکھ دیا گیا تھا۔ محرم حرمت والا مہینہ ہے۔ محرم وہ مقدس مہینہ ہے۔ جس میں زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی، لوح محفوظ، قلم فرشتے، سمندر، پہاڑ سب کچھ بنا، آدم کی تخلیق ہوئی، جبرائیل کو پیدا کیا گیا، حضرت نوحؑ کو طوفان سے نجات ملی، حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور آگ باغ بنی۔ حضرت موسیٰ کو فرعون سے نجات ملی اور وہ دریا میں غرق ہوا۔ حضرت یونس مچھلی کے پیٹ سے نکلے، حضرت ادریس مقام اولیا تک اٹھائے گئے۔ قیامت بھی محرم میں آئے گی۔ عالم اسلام کا اہم معرکہ بھی اسی ماہ مقدس میں رونما ہوا جس میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت ہوئی۔

ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ محرم کتنی حرمت والا مہینہ ہے۔ عاشورہ کا روزہ رمضان کے روزوں کے بعد افضل ترین ہے۔ محرم کا روزہ رکھنے سے ایک سال کے روزے کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم اس ماہ مقدس میں کیا کرتے ہیں؟ جلسے جلوس تو بہت جوش و خروش سے نکالتے ہیں مگر ان کی سنت پر ہم کتنا عمل کرتے ہیں۔

حضرت امام حسینؓ سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ وہ دین کی خاطر اپنا گھر بار شہر خاندان رشتے دار سب چھوڑ کر آئے جو ساتھ آئے وہ سب قربان ہوئے۔

قارئین یہ تو تھیں ہماری طرف سے آپ کے لیے معلومات اور اسی حوالے سے اب ذکر ہے آپ کے ردا کا۔ روز بروز نئی نئی رائٹرز ہمارے ردا میں شمولیت حاصل کر رہی ہیں۔ ردا گائیڈ کارنر میں انہیں پہلی بار موقع ضرور دیا جاتا ہے تا کہ ان کی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آئیں اور میری دلی خواہش ہے کہ اردگرد جدھر نظر اٹھا کر دیکھوں مجھے مصنفات ہی مصنفات نظر آئیں۔ معاشرے میں یوں بھی پڑھے لکھے لوگوں کی کمی ہے اور ہماری نسل کی بقا علم سے وابستہ ہے۔ علم ہوگا تو ہر گھر سے اندھیرا خود ہی دور ہو جائے گا اور ایک نیا معاشرہ اور ایک نیا پاکستان جنم لے گا ہمیں نئے پاکستان کی بے حد ضرورت ہے اگر پڑھی لکھی مائیں ہوں گی تو معاشرہ بھی نکھر کر سامنے آئے گا۔ تو سند یہ ضرور لکھیے نئے لکھنے والے بھی ردا میں لکھ سکتے ہیں۔

آپی

غصب کرنے اور مانگ کر لینے کا بیان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس آدمی نے ایسی بے آباد زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملکیت نہ ہو وہ اسی کی ملکیت ہے۔ کسی کو دوسرے کی زمین میں کسی چیز کی کاشت کرنے کا حق نہیں ہے۔“ (ترمذی۔ عن سعید بن زیدؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”شور و غل کرنا، گھڑ دوڑ میں دوسرا گھوڑا ساتھ لے جانا، ادلا بدلا کی شادی کرنا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ مال لوٹنے والا وہ ہم میں سے نہیں۔“ (ترمذی۔ عن عمران بن حصینؓ)

وضاحت: گھڑ دوڑ میں ایک آدمی جو کہتا ہے کہ فلاں گھوڑا میرے گھوڑے سے سبقت لے جائے گا تو وہ اس کی رکاوٹ کے لیے ایک آدمی میدان میں کسی جگہ کو مقرر کرتا ہے کہ فلاں گھوڑا دوڑتا ہوا وہاں سے گزرے تو تم انہیں زور سے شور و غل کرنا ہوگا اور شور و غل سے متاثر ہو کر وہ گھوڑا اپنی رفتار کو تیز نہیں رکھ سکے گا۔ یا ایک آدمی گھوڑا دوڑاتے وقت گھوڑے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا گھوڑا رکھتا ہے کہ اگر پہلا گھوڑا پیچھے رہتا نظر آئے گا تو اس کو چھوڑ کر وہ ساتھ والے گھوڑے پر سوار ہو جائے گا تا کہ مقابلہ میں کامیابی ہو۔

ادلا بدلا میں یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی لڑکی کا نکاح دوسرے آدمی کے لڑکے سے اس شرط پر کرتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کا نکاح اس کے لڑکے کے ساتھ کرے اور درمیان میں مہر مقرر نہ ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی کی لاٹھی کو نہ لے۔ نہ مذاقاً اور نہ حقیقت میں، پس جو آدمی اپنے بھائی کی لاٹھی لیتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اسے واپس کرے۔“ (ترمذی۔ عن سائب بن یزیدؓ)

(وضاحت: کوئی معمولی شے بھی نہ مذاقاً اور نہ سچ مچ لینی چاہیے اور کسی غلطی سے بھی کوئی چیز لے لیں تو وہ چیز واپس کر دیں۔)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کسی ہاتھ نے جو مال (ظلماً) پکڑا اس کو اس نے واپس کرنا ہے (چاہے اسے دنیا میں دے دے چاہے آخرت میں)“۔ (ترمذی۔ عن سمرةؓ)

براء بن عازبؓ کی اونٹنی ایک باغ میں داخل ہوئی۔ اس نے کھیتی کو خراب کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”باغ والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ دن میں اپنے باغ کی حفاظت کریں اور اگر رات میں چوپائے کھیتی کو خراب کریں تو چوپائے کے مالک اس کے ذمہ دار ہوں گے۔“ (مالک۔ عن حرام بن سعد بن محیصہؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی آدمی جانوروں کے پاس جائے

اگر ان کا مالک موجود ہو تو اس سے اجازت طلب کرے۔ اگر موجود نہ ہو تو 3 بار آواز دے اگر جواب آئے تو اس سے اجازت حاصل کرے اور اگر جواب نہ آئے تو جانوروں کا دودھ پی لے لیکن اٹھا کر نہ لے جائے۔ (ابوداؤد۔ عن سمرہؓ)

(وضاحت: یہ حکم بھوک اور لاچاری کی صورت میں ہے ورنہ کسی مسلمان کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر حاصل کرنا درست نہیں)۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے غزوۂ حنین کے دن چند زرہیں (جنگی لباس) عاریتاً (ادھار) حاصل کیں۔ میں نے پوچھا۔ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ اپنے قبضے میں رکھنے کے لیے لے رہے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "نہیں عاریتاً یہ قابل واپس ہوں گی۔"

(ترمذی ابوداؤد۔ عن امیہ بن صفوانؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عاریتاً لی ہوئی چیز کو واپس کیا جائے اور (دودھ کے لیے حاصل کیا جانے والا) واپس کیا جائے اور قرض ادا کیا جائے اور سرپرست قرض ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔"

(ترمذی۔ عن ابی امامہؓ)

میں (ابھی چھوٹا لڑکا تھا انصار کی کھجوروں پر پتھر پھینکتا تھا۔ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "اے لڑکے! تم کھجور کے درختوں پر پتھر کیوں پھینکتے ہو؟" میں نے جواب دیا۔ "کھجوریں کھانے کے لیے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پتھر مت پھینکو جو نیچے گری ہوئی ہوں انہیں کھالیا کرو پھر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی

(ترجمہ) "اے اللہ اس کے پیٹ کو سیر فرما۔"
(ترمذی۔ عن رافع بن عمرو غفاریؓ)

شفعہ کا بیان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پڑوسی (گھر یا زمین میں) شفعہ کا زیادہ حق دار ہے۔ بشرطیکہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔ اگر پڑوسی موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کیا جائے۔" (ابوداؤد۔ ترمذی، ابن ماجہ، عن جابرؓ)

(وضاحت: ایک پڑوسی کو اپنی جائیداد فروخت کرنے سے پہلے اپنے پڑوسی سے پہلے پوچھنا چاہیے کہ آپ یہ خریدنا چاہتے ہیں یا نہیں اگر وہ خریدنا چاہتا ہو تو پہلے اسے فروخت کرنا چاہیے اگر وہ نہ خریدنا چاہے تو کسی اور سے رابطہ کریں اور اگر راستہ الگ الگ ہو تو پھر یہ ضروری نہیں ہے۔)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گھر یا کاروبار میں شریک شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اور شفعہ ہر چیز میں ثابت ہے۔"

(ترمذی۔ عن ابن عباسؓ)

(وضاحت: جب دو آدمی مل کر کوئی کاروبار کریں یا کوئی جائیداد خریدیں پھر ان میں سے کوئی آدمی اپنا حصہ بیچنا چاہے تو اپنے کاروبار میں شریک بھائی کو پہلے بتائے اگر وہ خریدنا چاہے تو اس کا زیادہ حق ہے اور وہ کسی اور کو بیچنے کی اجازت دے تو پھر کسی اور کو بیچ سکتا ہے۔)

اجرت دینے کا بیان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔" (ابن ماجہ۔ عن عبداللہ بن عمرؓ)

☆

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 13

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو

سب لوگ تھک ہار کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ رفعت حسنٰی کو گھر لے جانا چاہ رہی تھیں۔ مگر نسرین نے یہ کہہ کر منع کر دیا کل آ جائے گی۔

"بیا بھابی! سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔ چائے مل جائے گی۔" وہ کپڑے چینج کرنے جا رہی تھی کچھ دیر ستانے کے لیے صوفے پر لیٹ گئی تھی۔

"حباب چائے بناؤ شہریار بھی ادھر ہی آ رہا ہے۔" بیا چینج کر کے آ گئی تھیں۔

"وہ کیوں ادھر آ رہے ہیں؟" حسنٰی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔

"بھئی ان کی بہن کا گھر ہے اس لیے آ رہے ہیں۔" رومہ اس کا خوب صورت سراپا مسکرا کے دیکھنے لگی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

”شہریار ماموں نے آپ کو اس روپ میں دیکھا کب ہے۔ جب اتنی تیاری کی ہے تو یہ تو ان کا حق بنتا ہے۔ وہ آپ کو دل کھول کے سراہیں۔“ حباب کو کوئی بھی شرارت سوجھ رہی تھی۔

”بینا باجی! یہ بالکل بھی نہیں ہوگا آپ انہیں جانتی ہیں۔ ایسی دل جلانے والی باتیں کرتے ہیں کہ مجھے رلا دیتے ہیں۔“ وہ روہانسی ہوگئی۔

”کوئی بات نہیں، آج ان کے گلے لگ کے رو لیجیے گا۔“ حباب اسے چھیڑے جا رہی تھی۔

”بدتمیز تمہیں مزے آرہے ہیں۔“

”واہ کیا سین ہوگا جب آپ دونوں آمنے سامنے ہوں گے۔“ حباب شادی کے روز سے کچھ شوخ مزاج ہوگئی تھی۔

”ارے کچھ نہیں ہوگا میں نے شہریار کو سختی سے منع کیا ہے۔ کوئی الٹی سیدھی بکواس نہیں ہوگی۔“ بینا نے اسے اطمینان دلایا۔

”آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔“ رومہ نے اس کے گلے میں بازو حمائل کرکے مسکرا کے کہا۔

حباب چائے بنانے چلی گئی تھی حسنیٰ اپنا بھاری ورژنی لہنگا سنبھال کے صوفے سے اٹھنے لگی۔ شہریار ایزی سے قمیض شلوار میں نکھرا نکھرا چلا آیا حسنیٰ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ رومہ نے کھانسنا شروع کر دیا بینا ہنسنے لگیں۔ حسنیٰ کے عارضوں پر حیاء کی لالی آگئی۔

”یہ تم مجھے دیکھ کر شرمائی ہو یا کسی اور بات پر۔“ وہ معنی خیز اور شرارتی لہجے میں گویا ہوا۔

”اونہہ۔“ وہ ہنکار کے اپنا لہنگا سنبھالتی جانے لگی تھی۔ شہریار اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا۔

”بینا باجی! انہیں راستے سے ہٹائیے۔“ وہ نگاہ تک نہیں ملا رہی تھی۔

رومہ، حباب دونوں کو دیکھ کر مزے لے رہی تھیں۔ بینا نے تو مسکرا کے شانے اچکائے۔

”آج تمہیں مجھ سے بینا باجی تو کیا ناہید آپا بھی نہیں بچا سکتی ہیں۔“ وہ قہقہہ لگانے لگا۔

”شہریار! ناہید کیا ارکی ہوئی ہے؟“ بینا نے یکدم ہی حیرانگی سے پوچھا۔

”ہاں میں نے ہی زبردستی روکا ہے ورنہ تو وہ غیر ہی بنی رہتی ہیں۔“ شہریار کسی کو نہیں چھوڑتا تھا۔ حسنیٰ، حباب اور رومہ کے مشترکہ کمرے میں جا رہی تھی۔ شہریار نے اس کا بازو پکڑ کے جالیا۔

”شہریار! کیا اس کے بچے بھی رکے ہیں؟“ بینا کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

”ظاہر ہے۔“ اس کی نگاہ حسنیٰ پر تھی۔

”میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔“ وہ بھی اندر غائب ہو چکا تھا۔

حسنیٰ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ آج اسے شہریار سے جانے کیوں اتنی شرم آرہی تھی جب کہ وہ اسے دیکھ کر شرمانا بھی نہیں چاہتی تھی۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے کچھ تو لحاظ کریں۔“ وہ برہم ہونے لگی۔ بھاری ورژنی دوپٹہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے سنبھالا ہوا تھا جو ڈھلک کے گرے جا رہا تھا۔

”یہ کوئی بدتمیزی نہیں ہے میرا پورا حق بنتا ہے تم سے ملنے کا میں تو ویسے بھی یہ دیکھنے آیا ہوں تم پر یہ سب سج

بھی رہا ہے یا نہیں کیوں کہ گوری چمڑی کے لوگ اس ڈریس میں زیادہ اچھے نہیں لگتے ہیں۔“ شہریار کی گہری نگاہیں اس کے وجود میں الجھی ہوئی تھیں۔ وہ واقعی کوئی اپسرا ہی لگ رہی تھی۔ دلہن بن کے تو پہچانی ہی نہیں جا رہی تھی۔

”میری بے عزتی کرنے کے لیے مجھ سے شادی کی ہے۔“ وہ تنک ہی گئی۔

”کیوں بے عزتی کرنے کا اختیار تمہیں ہے۔“ اس نے گہری نگاہوں کا زاویہ اسی طرف مرکوز رکھا اور طنزیہ انداز میں بول رہا تھا۔

”ہاں تو کیسے راضی ہو گئیں میں گوارا لگتا ہوں مجھ سے شادی کرنے سے پہلے خودکشی کر لو گی کیوں وہ سب باتیں کہاں گئیں۔“ وہ حسنیٰ سے طنز کرنے سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔

”میں راضی کب تھی زبردستی مجھ سے ہاں کروائی ہے۔“ وہ شہریار کی نگاہوں سے الجھ رہی تھی۔

”لالچ دماغ میں آگیا ہوگا اسی طرح ہی کینیڈا چلی جاؤں گی۔“ وہ آگے بڑھا وہ دو قدم پیچھے ہوئی شہریار اس سے لگاوٹ بھی نہیں دکھا رہا تھا مگر استحقاق پورا رکھ رہا تھا۔

”ابھی بھی خاصی موٹی ہو چھ مہینے ہیں رخصتی میں کم کر لو۔“ وہ پھر سلگا کے رہ گیا اور حسنیٰ غصے سے مٹھیاں بھینچنے لگی۔

☆......☆

خوشنما کو کچھ ہوش نہیں تھا۔ وہ گزشتہ تین دن سے آفس نہیں جا رہی تھی جاوید احمد اسپتال میں ایڈمٹ تھے انہیں دل کی تکلیف ہوئی تھی۔ وہ تو بروقت اسپتال لے آئے ورنہ اٹیک ہو سکتا تھا۔ ہیثم کے گھر سے اس کے دونوں ماموں اور ممانی بھی دیکھنے آئے تھے مگر ہیثم کا جاوید احمد کو انتظار تھا۔

رمنا اور ایمن گھر پر تھیں۔ وہ امی کے ساتھ ہوسپٹل میں رکی ہوئی تھی۔

”بینا یہ دوائیاں پھر لکھ دی ہیں پہلے ہی اتنی پڑی ہیں۔“ امی کو دوائیاں دیکھ کر گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

”امی جب تک ابو یہاں ہیں ٹریٹمنٹ تو ہوگا میں دوائیاں لے کے آتی ہوں آپ یہاں بیٹھ جائیں۔“ اس نے انہیں چیئر پر بٹھایا اور خود پرچے لے کے چلی گئی۔ ابھی وہ لفٹ رکنے کا انتظار کر رہی تھی جیسے ہی لفٹ کھلی اشعر اور ہیثم کو دیکھ کر بوکھلا گئی۔

”ارے خوشنما آپ یہیں مل گئیں کیسے ہیں آپ کے والد صاحب؟“ اشعر نے اسے کال کرکے غیر حاضری کی وجہ پوچھ لی تھی۔

ہیثم بلیک ڈریس پینٹ پر گرے شرٹ میں ڈیسنٹ اور خاموش لگ رہا تھا۔

”جج...... جی وہ پہلے سے بہتر ہیں۔ میں دوائیاں لے آؤں۔“ وہ خود کو فان کلر کی چادر میں سمیٹے شپٹائی ہوئی تھی کیوں کہ ہیثم جو سامنے تھا اگر سارا یا کچھ اسے پتہ چل گیا تو سارا کھیل خراب ہو جاتا اور پھر اس نے شادی کا جو دھماکہ کیا تھا وہ اسی شاک میں تھی کہ ابو کی اسی رات طبیعت خراب ہو گئی وہ انہیں ہوسپٹل لے آئی تھی۔

”لائیں میں لے کے آتا ہوں۔“ اشعر نے پرچہ لینا چاہا۔

READING CORNER http://readingscornerpk.blogspot.com/

"تو ٹھیک ہے آپ ادھر لاؤنج میں بیٹھیے میں آتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے ہم بیٹھ جائیں گے اس وقت یہ بیپر مجھے دیں دوا میں لے آتا ہوں۔" اشعر کو اچھا نہیں لگ رہا تھا ان کے ہوتے ہوئے وہ جائے۔

"ارے میڈیکل ہوسپٹل میں ہی ہے۔ کوئی دور نہیں میں چلی جاؤں گی۔" اسے بھی ضد تھی۔

"تم بہت ضدی ہوتی جا رہی ہو۔" ہیثم نے ڈپٹ کے کہا۔

"آپ سے کم۔" وہ زیرلب گویا ہوئی۔

"میرے خیال میں آپ بھی چلیے میں بھی چلتی ہوں نیچے ہی بات کر لیتے ہیں۔" خوشنما کی پوری کوشش تھی اشعر ابو کو نہیں دیکھے کیوں کہ اس کے دیکھتے ہی ہیثم بھی جائے گا اور ساری حقیقت اس کے سامنے آ جائے گی۔

"یہاں ہم دکھڑے نمٹانے نہیں آئے ہیں جو نیچے چل کے بات کر لیں گے۔" ہیثم تو چپ گیا۔

"آپ تو بات ہی نہیں کریں میرے ساتھ پہلے ہی کون سا اچھا سلوک تھا جو یہ کمی باقی کی وہ بھی پوری کر دی۔" خوشنما کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"کون سی کمی؟" اشعر جیسے سمجھا نہیں۔ ہیثم سے پوچھا وہ لب بھینچے ہوئے تھا۔

"آپ نے انہیں اپنا کارنامہ بتایا نہیں؟" وہ گہری طنزیہ نگاہ ڈال کے گویا ہوئی۔

"کارنامہ۔"

"یار اس کا دماغ خراب ہے۔" ہیثم گڑبڑایا۔ کیوں کہ اشعر کو اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

"تم دونوں آفس میں بھی اسی طرح لڑتے ہو۔"

وہ دونوں کے چہرے تفتیشی انداز میں جانچ رہا تھا۔

"مجھے دوائیاں جلدی لانی ہیں اگر آپ لوگوں کو جانا ہے تو چلے جائیں۔" بے مروتی کی تو اس نے انتہا کر دی۔

"آپ نہایت اکھڑ اور بددماغ بھی ہیں۔" ہیثم کو اپنی توہین لگی وہ سنگ کے لفٹ میں جانے لگا اشعر بھی پیچھے لپکا۔ خوشنما نے رکا ہوا سانس بحال کیا کیوں کہ وہ دونوں ہی جا رہے تھے۔

وہ سیڑھیوں سے اتر گئی دیکھا تو وہ دونوں کوریڈور میں ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے۔ ہیثم کی خونخوار نگاہ اس پر پڑی وہ آگے بڑھ گئی سامنے ہی میڈیکل تھا۔

"یار یہ آپ کو سمجھتی کیا ہے۔"

"یہ جو سمجھتی ہے چھوڑو مجھے یہ بتاؤ وہ کون سے کارنامے کی بات کر رہی تھی۔" اشعر کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"اشعر صاحب میں واپس آپ کا آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں مجھے ان کے ساتھ کام نہیں کرنا۔" وہ پھر سامنے آ گئی تھی۔

"ایگریمنٹ لیٹر پر سائن کیے ہیں اور میں یا ایسے ہونے نہیں دوں گا آپ کے والد صاحب جیسے ہی ٹھیک

ہوں آفس جوائن کریں اور مجھے دیگر معاملات بھی نمٹانے ہیں۔" وہ رعب و دھونس سے بولا۔

"اور ہاں آپ کے پہلے شوہر سے خلع میں دلواؤں گا۔" ہیثم نے یکدم ہی غیر متوقع بات کر دی۔ اشعر اور خوشنما گنگ تھے۔

"حیران نہیں ہوں یہ بہت ضروری ہے۔" وہ رکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔

☆......☆

جب سے وہ ضمران کے تایا کے گھر سے آئی تھی وہاں سے کوئی نہیں آیا تھا۔ راشدہ پھوپھو کو لگ رہا تھا انہیں بھی اس دفعہ زیادہ برا لگ گیا تھا جو نہیں آ رہی تھیں مگر بقول آدم کے ان کا نہ آنا دوسری پلاننگ کو ترتیب دینا ہے وہ کچھ اور ہی سوچ بیٹھی ہوں گی۔ آج کل ذکر بھی بہت تھا۔ راشدہ بھی جو وہ چلی آئی تھیں۔

"اے بھابھی تم تو اپنی بہو کو ابھی تک میرے گھر لے کر نہیں آئیں۔" وہ آتے ہی شکوے شکایتوں میں لگ گئی تھیں حسب معمول ان کی تینوں بیٹیاں بھی ساتھ آئی تھیں۔ حجاب دوپہر کا کھانا بنا رہی تھی۔ ساری آوازیں لاؤنج سے کچن تک آ رہی تھیں۔

"ضمران جاب سے دیر سے آ رہا ہے ورنہ تو کسی دن بھی یہ دونوں آ ہی جاتے۔" وہ عذر تراشنے لگیں۔

حجاب کو رضوانہ کا یوں اپنے سسرال والوں سے دبنا اور گھبرانا سخت ناگوار گزرتا تھا رضوانہ کو ناحق دبایا ہوا تھا۔

"بھابھی آپ بھی تو لے کر آ سکتی تھیں۔" وہ تو بحث پر اتر آئی تھیں۔

"پھوپھو آپ سے ایک بات پوچھوں؟" حجاب ان سب کے لیے اس دوران آم کا شیک بنا کے لے آئی تھی۔

"ہاں ہاں پوچھو۔" وہ مسکرا کے گویا ہوئیں۔

"ضمران کے ابو آپ کے گھر کیوں رہتے ہیں۔ آپ انہیں کیسے یہاں آ کر ہیں ان کے جوان بیٹوں کا گھر ہے۔" حجاب نے قدرے توقف کے بعد کہا اسے پتہ تھا اس کی اس بات پر بھی نیا جھگڑا کھڑا ہو سکتا ہے۔

"بیٹا میں کیسے کہہ سکتی ہوں بھائی میرا یہ سمجھے گا بہن کو بوجھ لگنے لگا ہوں۔" وہ اس چالاکی سے بات ہی گھما گئیں۔

"خیر یہ کوئی غلط بات بھی نہیں ہے۔" رضوانہ سر جھکائے بیٹھی تھیں وہ جانتی تھیں راشدہ ایک کی چار لگانے والوں میں سے تھیں وہ قصہ احمد کو ضرور لگا کے بھڑکائیں گی۔

"بھابھی ملک شیک تو اچھا بنایا ہے۔" تو ثمین نے دو تین سپ لینے کے بعد کہا۔

حجاب کی توجہ اب اس کی طرف ہوئی راشدہ نے بھی تشکر بھرا سانس لیا۔

"میں کریم ڈال کے بناتی ہوں آدم کو بھی بہت پسند ہے۔" وہ بتانے لگی۔

"اے بھابھی تمہارا کیا تھا اگر تم میری نوشین کو بیاہ کے لے آتیں۔" راشدہ کے دل پر گھونسے پڑتے تھے۔ وہ حجاب کو دیکھ کے خوش ہونے کے بجائے جلتی ہوئی بولیں۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"ایسا ملک ٹھیک نوشین بھی بناتی ہے۔" انہوں نے جھٹ کہا۔ نوشین کو تو لگتا تھا چپکی ہی لگ گئی تھی۔ حباب نے اسے شاکی نگاہوں سے بھی دیکھا۔ اس کا یوں اس گھر میں آنا کسی بھی خطرے سے کم نہیں تھا۔

"ہاں بنا لیتی ہوں۔" سر ہلانے لگی مگر صاف لگ رہا تھا جھوٹ تھا کیوں کہ حباب سے نیچے وہ اپنی بیٹی کو کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

"آپ لوگ شام تک ہیں یا چلی جائیں گی؟"

"لو بھابھی آپ کی بہو تو ہمیں بھگانے پر تلی ہے۔" راشدہ تو برا مان گئیں۔

"ارے پھوپھو ایسی بات نہیں ہے۔ اصل میں رات کے لیے پھر آپ سے پوچھ کے بناؤں گی اس لیے پوچھ رہی تھی۔" حباب ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوئی تھی۔ حباب کی یہ بات رضوانہ کو اچھی نہیں لگی تھی مگر وہ ان سب کے سامنے ٹوکنا نہیں چاہتی تھیں۔

"میں تو رک کے جاؤں گی کل تک جاؤں گی۔" وہ بڑے صوفے پر کشن سر کے نیچے رکھ کے لیٹ گئی تھیں۔ حباب خالی گلاس لے کے کچن میں چلی گئی تھی اس نے دوپہر کے لیے پلاؤ بنایا تھا سلاد رائتہ اور دیگر لوازمات بھی تیار کیے تھے۔

"کہو تو ہاتھ بٹا دوں۔" نوشین جیسے مارے باندھے ہی اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"نہیں شکریہ آپ بیٹھیے۔" اس نے مسکرا کے منع کیا۔

"یہ ہمارے ماموں کا بھی گھر ہے۔"

"مجھے پتہ ہے مگر آپ سب مہمان ہیں تو میزبان کو خاطر مدارات کرنے دیں۔" حباب اس کی حسرت بھری نگاہیں سمجھ رہی تھیں۔

"ویسے تمہاری وہ کزن بہت بدتمیز ہے۔"

"دیکھیے اب ان سب باتوں کا ذکر کرنا بے کار ہے۔ رات گئی بات گئی۔ بات تو وہ بھی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ آپ مجھے بھابھی کیوں نہیں کہتی ہیں۔" فوراً ہی اس نے نوین کو لاجواب بھی کر دیا۔

"وہ تم مجھ سے چھوٹی ہو۔" وہ تو گڑبڑائی۔

"مگر رشتے میں بڑی ہوئی آپ مجھے بھابھی کہیے زیادہ اچھا لگے گا۔" حباب برتن سمیٹ کر کاؤنٹر پر رکھ رہی تھی۔

"ضمیر ان سے میری بہت دوستی ہے اس لیے میں تمہیں بھابھی کیسے کہوں۔"

"جیسے باقی آپ کی بہنیں کہتی ہیں۔" وہ مسکرا کے پلٹی اور کچن سے نکل آئی دسترخوان اس نے لاؤنج میں بچھایا تھا۔ راشدہ حسد بھری نظروں سے حباب کو یوں چلتے پھرتے دیکھ رہی تھیں۔

☆.....☆

جاوید احمد دو دن ہوسپٹل میں رہ کے آ گئے تھے۔ ان کو بہت آرام اور ہر فکر والی بات سے بچنے کا بتایا تھا مگر جاوید احمد کو ہر وقت اپنی بیٹیوں کی فکر رہتی تھی۔ وہ اچھے گھرانوں میں بیاہی جائیں جب سے خوشنما گھر آئی تھی ان کی اولین رات دن کی فکر یہی تھی۔

"ابو کچھ بھی فضول نہیں سوچیں۔" خوشنما ان کو گہری سوچ میں ڈوبا چہرہ دیکھ کے سمجھ گئی تھی۔

"تم مرتضیٰ صاحب سے ملی تھیں؟"

"ابو کیوں آپ اسی فکر میں رہتے ہیں۔" اس نے ناگواری سے کہا اور ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام کے بیٹھ گئی۔

"ابو میں کیا یہاں آپ پر بوجھ ہوں جو آپ ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں۔"

"بیٹیاں ماں باپ کے لیے بوجھ نہیں ہوتی ہیں۔ ایک فرض ہوتی ہیں وہ چاہتے ہیں کہ یہ فرض ادا ہو جائے۔"

"آپ سمجھیے آپ نے فرض ادا کر دیا رمنا اور ایمن کا فرض ہے جو ہم سب کو مل کر ادا کرنا ہے۔" اس نے مسکراتے میڈیسن ان کے ہاتھ پر رکھی اور جگ سے پانی گلاس میں ڈالا۔

"آج دوپہر میں آپ کے لیے کیا بناؤں؟" امی کو کھانے پکانے کی فکر ستائے رکھتی تھی۔

"کچھوری بنا دیں کیوں کہ روز سوپ اور دلیہ سے دل بھر گیا ہوگا ابو کا۔" خوشنما نے ان کا دھیان بٹایا۔

"امی میں ابو کی کچھ میڈیسن ہیں وہ لینے جا رہی ہوں رمنا کو ساتھ لے جا رہی ہوں۔" وہ رمنا کو کہنے چلی گئی اس نے سوچا کل سے پھر وہ کچھ آرام کر لے گی مگر لگتا تھا آرام اس کی قسمت میں ہے ہی نہیں۔ جلدی جلدی تیار ہوتے دونوں نکل آئی تھیں۔ میڈیسن ہوسپٹل کے میڈیکل اسٹور سے لینی تھیں۔ دونوں رکشہ کے لیے اسٹاپ پر کھڑی تھیں دھوپ ڈھل گئی تھی۔

"آپی چنگچی میں بیٹھ جائیں۔" رمنا کو اس سواری میں بیٹھنے کا شوق ہوا۔

"ارے آپ۔" گاڑی سے نکلتا چہرہ دیکھ کر وہ چونک گئیں۔

رمنا نے حیرانگی سے اس نئی صورت کو دیکھا جو باہر آ گیا فرنٹ سیٹ پر کوئی سوبری خاتون بیٹھی تھیں۔

"وہ ہم ابو کی میڈیسن لینے جا رہی تھیں۔" خوشنما نے گڑبڑا کے بتایا۔

اشعر کی دلچسپ نگاہیں رمنا کے چہرے سے الجھ گئیں۔ پنک پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس اس کی رنگت دمک رہی تھی۔

"آئیں میں چھوڑ دیتا ہوں میڈیکل تک۔"

"ابو جس ہوسپٹل میں تھے ادھر سے لیں گے۔ آپ کو دیر ہو جائے گی۔" خوشنما کو اس طرح اس کا رکنا اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا کیوں کہ اندر بیٹھی خاتون ان دونوں کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

"پریشان نہیں ہوں یہ میری امی ہیں آپ سے واقف ہیں۔" اشعر اس کی جھجک اور سوچوں کو پڑھ گیا تھا۔

"آپی کیا کرتی ہیں ہمیں نہیں جانا۔" رمنا نے اس کا ہاتھ دبا کے سرگوشی میں کہا اسے ویسے ہی بنگلے گاڑی والوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ بیشم سے جب سے خوشنما کی شادی ہوئی تھی اشعر اور اس کی امی کی زبردستی انہیں بیٹھنا ہی پڑا۔

☆.....☆

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

شہریار کے جانے میں دو دن باقی تھے۔ شہریار کے روز ہی چکر لگ رہے تھے گویا حسنی کی شامت آئی ہوئی تھی۔ نسرین نے حسین بیگم کے سب گھر والوں کو کھانے پر بلایا ہوا تھا اور سارے کام حسنی کو کرنے پڑ رہے تھے۔ بینا نے اور حباب نے بھی ہاتھ بٹایا مگر نسرین نے انہیں کرنے نہیں دیا۔

"امی کچھ دیر کے لیے اوپر چلی جاؤں؟" وہ بہت تھکی ہوئی اور بے زار لگ رہی تھی۔ کھانے سے سب ہی فارغ ہو چکے تھے۔

"یہ برتن بھی تو دھونے ہیں۔" وہ ڈپٹ کے بولیں حسنی کو ان سب کے سامنے اپنی پوزیشن اکورڈ لگ رہی تھی۔ شہریار کی گہری نگاہیں جیسے کچھ جانچ رہی تھیں۔

"امی کچھ تو میرے حال پر رحم کریں۔" وہ دبی دبی آواز میں بول رہی تھی۔

"اچھا چلی جاؤ تھوڑی دیر میں آجانا نسرین تھوڑا تو بچی کو آرام دو۔" حسین بیگم کو جیسے اس کے حال پر ترس آگیا۔

"اماں یہی وقت کام کا ہوتا ہے مہمان بیٹھے ہیں اور انہیں آرام کی پڑی ہے۔" شہریار نے اپنے رشتے کا فائدہ اٹھایا۔

حسنی دانت پیسنے لگی وہ مزید رکی نہیں اوپر چلی گئی۔ حباب اور ضمران بھی آئے تھے اس لیے نسرین نے کھانے پر بہت اہتمام کیا تھا حالانکہ یہ دعوت ان کے بس کی نہیں تھی وہ تو اکرام کی بیوی نازیہ آگئی تھی کچھ چیزیں اس نے بنائی تھیں۔

"یار کچھ تو ہاتھ ہولا رکھو۔" ضمران نے اس سے سرگوشی میں کہا۔

"مجھے پتہ ہے کیا کرنا ہے۔ بہت کام چور لڑکی ہے۔" وہ گویا ہوا۔

"تم تو ان سے لگتا ہے سارے بدلے لے رہے ہو۔" ضمران اس کی ساری کہانی جانتا تھا۔

"سمجھ لو بازی میرے ہاتھ میں آگئی ہے لڑکیوں کو دبا کے رکھنا چاہیے۔"

"لڑکیوں کو مطلب؟" ضمران جیسے سمجھا نہیں کیوں کہ وہ تو خود بے چارہ حباب کے آگے زیادہ بولتا ہی نہیں تھا۔ اول روز سے وہ اسے اگنور ہی کرتی آرہی تھی۔

"مطلب بیوی کو۔"

"تمہاری بھانجی نے تو الٹا مجھے دبا کے رکھا ہوا ہے۔" وہ بولا۔

"ہیں حباب کیا کرتی ہے؟" شہریار چونک گیا۔

"کچھ نہیں کرتی میں تو مذاق میں کہہ رہا تھا۔" وہ گڑبڑا گیا وہ حباب کے متعلق ایسا کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا تھا۔

"بات کچھ تو ہے۔" شہریار کا لہجہ تفتیشی ہو گیا۔

"شہریار ماموں چائے پئیں گے؟" حباب نے آکر پوچھا دونوں ہی چپ ہو گئے۔ ضمران سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

"کون بنا رہا ہے؟" اس نے سنتے ہی سوال داغا اسے پتا تھا حسنی تو ہے نہیں پھر بنائے گا کون۔

"رفعت آنٹی نے بنا کے بھیجی ہے۔" وہ بتانے لگی۔

"اچھا رفعت آنٹی خود نہیں آئیں۔" اسے حیرانگی بھی تھی۔

"طبیعت خراب ہے حسنی آنٹی بتا رہی تھیں۔" حباب ان دونوں کے لیے چائے لے آئی تھی۔ اتنے میں فراج اور فیضان بھی ان کے درمیان آکر بیٹھ گئے۔ مرد ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے جب کہ خواتین لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔

ضمران نے اسے فیروزی اسٹائلش سے سوٹ میں گہری نگاہوں سے دیکھا وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ میک اپ اور جیولری میں تو وہ اس پر بجلیاں ہی گراتی تھی۔ اسے وہ موقع ہی نہیں دیتی تھی کہ ضمران اسے سراہے۔ کتنا دل چاہتا تھا وہ حباب سے محبت و پیار بھری باتیں کرے۔

"لگتا ہے ضمران بھائی کسی مراقبے میں ہیں۔" فیضان نے اسے ٹوکا۔

"ہاں نہیں تو۔" وہ جھینپ گیا۔

"ایک منٹ میں ابھی آتا ہوں۔" شہریار ڈرائنگ روم سے باہر آیا اور سیڑھیاں چڑھ گیا دیکھیں تو وہ مہارانی کر کیا رہی ہے۔

"مما بہت پاؤں درد کر رہے ہیں۔" حسنی کی روتی بسورتی آواز آئی۔

"چائے اسی لیے میں نے بنا کے بھیج دی۔ بھابھی تمہیں پھر کام پر لگا دیں گی۔"

"اچھا تو بگاڑنے میں ان کا ہاتھ ہے۔" شہریار دروازے پر دستک دیتا ہوا اندر آگیا دونوں ہی بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئیں۔ حسنی کو اندازہ تو تھا وہ ضرور آسکتا ہے۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟" شہریار نے دونوں کا جائزہ لینے کے بعد خیریت دریافت کی۔

"جیتے رہو۔" رفعت نے سر پر ہاتھ پھیرا۔

حسنی جلتی کڑھتی ہوئی اندر جانے لگی تھی۔ شہریار نے پھر چھیڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیا کیوں کہ وہ جانتا تھا وہ بھری ہوئی بیٹھی ہے خوامخواہ فضول کی لڑائی ہو جائے گی۔

☆.....☆

وہ بے خبر پڑی ہوئی ضمران کی پشت سے لگی ہوئی سو رہی تھی۔ ضمران کی آنکھ کھل گئی تھی۔

"کاش یہ لمحے کبھی ختم نہ ہوں تم یونہی میرے اتنے پاس رہو۔" وہ مسکرایا۔

حباب نے اسی وقت کسمسا کے کروٹ لی۔ ضمران میں بھی حرکت ہوئی دونوں آمنے سامنے تھے وہ تو کرنٹ کھاتے پیچھے ہوئی۔

"آپ تو مجھ سے ایسے دور ہوئی ہیں جیسے میں کوئی موذی چیز ہوں۔" اس کا لب و لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" بالوں کو پیٹ کے جوڑے کی طرح لپیٹا اور پاس پڑا دوپٹہ اٹھایا۔

"پھر کیسی بات ہے اس طرح کب تک رہیں گے ہم دونوں۔" وہ کھسیا گیا۔

"رات آپ نے شہریار ماموں سے میری شکایت کی میں آپ کو دبا کے رکھتی ہوں۔" اسے رات سے ہی غصہ آرہا تھا۔

"میں نے شکایت تو کوئی نہیں کی۔" وہ سنبھل گیا۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"جھوٹ نہیں بولیں آپ دونوں چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔"

"ضروری ہے میں آپ کی شکایت کر رہا ہوں۔" ضمران کو اس کی بیوقوفیوں پر کبھی کبھی غصہ بھی آتا تھا۔

"پھر شہریار ماموں نے یہ کیوں کہا؟"

"شہریار کیا دیکھ نہیں رہا تھا تمہارا اور میرا رویہ تم مجھے گھاس تک نہیں ڈالتی ہو۔"

"پلیز مجھے جانے دیں میرے پاس فضول باتوں پر بحث کرنے کا ٹائم نہیں ہے۔" وہ پاؤں بیڈ سے اتارنے لگی۔ اسی وقت ضمران نے بازو پکڑ کے واپس بٹھالیا۔

"بات پوری کر کے جائیں۔" وہ بہت الجھ گیا تھا۔ کب تک وہ اپنے آپ کو روکتا رہے گا۔

"کیا بات پوری کر کے جاؤں، میں وہ سب نہیں کر سکتی جو آپ چاہتے ہیں کیوں کہ میرے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔" اسے یہی احساس مارے ڈالتا تھا۔

"میرے سب گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک میرے ساتھ اتنا تلخ اور کڑوا سلوک کیوں؟" ضمران کو بہت دکھ و افسوس ہوتا تھا۔

"میری زندگی آپ کی وجہ سے خراب ہوئی ہے۔" حباب نے نگاہ چرائی ضمران بہت زیادہ برہم اور بے زار لگ رہا تھا۔

"یہ آپ کی سوچ ہے زندگی اب اور خوب صورت ہو گئی ہے مگر آپ اس کی قدر ہی نہیں کر رہی ہیں۔ ایک شخص آپ کو دیوانوں کی طرح چاہتا ہے۔" وہ حیرت بھرے لہجے میں نرم سی آواز کو مخمور بنا کے بول رہا تھا۔

حباب جھینپ کے نگاہ دوسری طرف کرتے دیکھنے لگی۔ وہ جانتی تھی وہ اسے بہت چاہتا ہے۔

"آپ اسی بات کو لے کے بیٹھی ہیں۔ میں آپ کی زندگی میں ٹکرایا کیوں جب اوپر والے نے ہمارا جوڑ اسی طرح بنایا تھا ہمیں ایسے ہی ملنا تھا آپ کیوں اس بات کو لے کے بیٹھی ہیں لوگ باتیں بنائیں گے۔" وہ اسے سمجھانے لگا۔

"مجھے ناشتہ بنانا ہے۔"

"آج اتوار ہے کوئی اتنی جلدی نہیں اٹھتا۔" وہ اسے جانے نہیں دے رہا تھا۔

حباب نے اسے آج سے پہلے اتنا ضدی اور برہم نہیں دیکھا تھا وہ بھی گھبرا گئی تھی۔ اگر اس نے زبردستی اسے گھیر لیا تو وہ کچھ نہیں کر سکے گی۔

"راشدہ پھوپھو اٹھ جاتی ہیں وہ تو کریں گی۔" اس نے یاد دلایا وہ ابھی تک رکی ہوئی تھیں۔

"ان کی اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ روز کی آنے والی ہیں۔"

"مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی ہے نوشین اور کرن کچن میں فری انداز میں گھسیں۔" حباب نے یہاں آنے کے بعد سے ان کے درمیان ایک حد قائم کر دی تھی۔ انہیں وہ مہمانوں کی طرح ٹریٹ کرتی تھی۔

"ہوں اچھا تو مجھے بھی نہیں لگتا۔" ضمران نے اسے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے دیکھا۔ دوپٹہ پھر شانوں پر ڈالا۔

"ویسے نوشین کے ساتھ آپ نے ظلم ہی کیا ہے وہ آپ کو دیکھ کر آہیں بھرتی ہے۔"

"یہ تو تم اپنی طرف سے اخذ کر رہی ہو۔" وہ جز بز ہو گیا۔

"جی نہیں، میں اسے مسلسل واچ کرتی ہوں اور وہ مجھ سے بھی جلن اور حسد رکھتی ہے۔" حباب کو نوشین کی پہلے کی بدتمیزیاں بھولی ہی کب تھیں مگر پھر بھی وہ بڑی اعلیٰ ظرفی سے وہ سب اگنور کر چکی تھی۔

"تم نے تہیہ کر لیا ہے نوشین کا مجھے طعنہ مارتی رہو گی۔" ضمران کو دکھ و افسوس ہونے لگا۔

"یہ ظلم تو میرے ساتھ بھی ہوا ہے۔"

"حباب صبح صبح کیوں موڈ خراب کرتی ہو۔" اس نے آگے آ کے شانوں سے پکڑا۔

"مجھے جانا ہے۔" وہ واش روم میں گھس گئی۔

ضمران نے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا تھا حباب اس سے بہت زیادہ بدگمان تھی اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ بدگمانی کیسے دور ہو گی۔ وہ فریش ہو کے کچن میں آ چکی تھی جہاں نوشین آٹا گوندھنے میں مصروف تھی۔

"تم نے کیوں تکلیف کی؟"

"تکلیف کی کیا بات ہے میں تو جب بھی یہاں رکنے آتی ہوں اکثر ناشتہ میں ہی تیار کرتی ہوں۔ ضمران کو پوریاں بہت پسند ہیں سوچا یہ بنالوں مامی سے میں نے پوچھ لیا تھا۔" اس نے میدہ اور آٹے کا ڈبہ بند کیا۔

حباب نے گرم گھونٹ اندر اتارا یہ کون ہوتی ہے ضمران کے لیے پوریاں بنانے والی۔

"ضمران تو اب صبح میں پراٹھہ تک نہیں کھاتے پوریاں کہاں کھائیں گے تم نے ناحق تکلیف کی۔" وہ بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔

"اگر تم لوگوں کا کھانے کا موڈ ہے تو میں بنالوں گی تم اندر جاؤ۔" نوشین نے اسے حیرانگی سے دیکھا جیسے حباب نے کوئی انوکھی بات کر دی ہو۔

"یہ کیا بات ہوئی تم اپنی طرف سے ہی اخذ کر رہی ہو۔ یہ میرے ماموں کا گھر ہے میں تو یہاں ایسے ہی رہتی ہوں اور ضمران کے لیے میں کل بھی ناشتہ بناتی تھی آج بھی بنالوں گی تو کیا ہو جائے گا روز تم بناتی ہو آج میں بنالوں گی۔"

ضمران کچن میں ہی آ رہا تھا اس نے نوشین اور حباب کی گفتگو سننے کے بعد سر پیٹ لیا اس کی زندگی پہلے ہی خراب تھی اور نوشین اس پر مزید جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی۔

"اس میں شک نہیں یہ تمہارے ماموں کا گھر ہے مگر یہ میرا بھی گھر ہے اور میں ضمران کی بیوی ہوں مجھے پتا ہے وہ کیا کھاتے ہیں، میں خود بنا کے دیتی ہوں انہیں۔" حباب کے تو پتنگے لگ گئے تھے۔ کیسے ضمران ضمران کہہ کے وہ اپنا حق جتا رہی تھی۔

"ضمران پر تم نے زبردستی قبضہ کیا ہے۔" نوشین کا جلن حسد زبان پر در آیا۔

"دیکھو نوشین میں تم سے کوئی بحث اور جھگڑا نہیں چاہتی ہوں تم مہمان ہو مہمان بن کے رہو۔" وہ بھی آواز اور لہجے کو مضبوط بنائے بولی کیوں کہ اگر اس نے آج بھی یہ اسٹینڈ نہیں لیا تو نوشین اسی طرح کرتی رہے گی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"میں مہمان نہیں تھی ہمیشہ سے اس گھر کے خواب دیکھے تھے تم پتہ نہیں کہاں سے آگئی ہو۔" اندر کی محرومی بولنے لگی۔

"کیا ہو رہا ہے حباب ناشتے میں کیا ہے؟" ضمران نے جب دیکھا گفتگو خاصی سیریس ہوگئی ہے تو اس نے اندر انٹری دی۔

نوشین تو بوکھلا گئی البتہ حباب کا چہرہ غصے کی وجہ سے تن گیا تھا مگر وہ نوشین کے سامنے یہ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی ضمران سے اس کی کوئی ان بن چل رہی ہے۔

"وہ میں سلائس سیک کے لاتی ہوں۔"

"تم کیا بنا رہی ہو؟" اس نے نوشین کا شرمندگی کی وجہ سے زرد پڑتا چہرہ دیکھا۔

"میں..... وہ کچھ نہیں....." وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ وہ بھی چالاک تھی جو حباب کے سامنے اپنی پوزیشن خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ضمران اسے پسند نہیں کرتا۔

"اس کی باتوں پر بالکل دھیان نہیں دو یہ جو کچھ بول رہی تھی سب اس کی سوچ تھی میری اور کسی کی کوئی مرضی نہیں تھی یہ اس گھر میں آئے۔" اس نے حباب کی آنکھوں میں بغور دیکھ کے کہا۔

☆.....☆

"آپی کتنے دن چھٹی کریں گی۔" رمنا کو اس کی چھٹیوں کی فکر ہو رہی تھی۔

"سمجھ نہیں آرہا کیا کروں مگر جانا پڑے گا بہت دن ہوگئے ہیں۔" خوشنما شش و پنج میں مبتلا تھی مگر اشعر نے اسے کال کر کے کہا تھا ہاشم کی فیکٹری میں بہت نقصان ہو رہا ہے اسے جانا ہی پڑے گا۔ مگر ہاشم کے اس نئے شوشے کی وجہ سے وہ سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ کچھ تو ایسا کرنا ہے یہ جاب اسے چھوڑنی ہی پڑے گی۔

"میرے خیال میں چلی جاتی ہوں۔" کسی نتیجے پر پہنچ کے وہ تیار ہونے چلی گئی۔

"آپ کا لنچ بنا دوں؟" رمنا نے قرآن پاک پڑھنے کے بعد اوپر رکھا۔

"ہوں۔" کپڑے اس کے استری ہوئے لٹکے تھے۔ وہ پہن کے تیار ہوئی۔

جاوید احمد خاصے بہتر تھے۔ پھر امی ان کا خیال بھی بہت رکھ رہی تھیں مگر انہیں صرف خوشنما کی فکر تھی۔ وہ ٹائم کے مطابق آفس آگئی تھی پورے دس دن بعد آئی تھی سارا اسٹاف اس کی خیر خیریت پوچھ رہا تھا۔ وہ صرف ہوں ہاں میں جواب دیتی تھی۔ وہ اسٹاف سے فری بھی نہیں تھی اور ہونا بھی نہیں چاہتی تھی۔ کیوں کہ ہاشم کا کیا بھروسہ کبھی اسی بات کا طعنہ دے مارے۔

"شکر ہے آپ آگئیں۔" ہاشم کو جیسے ہی اس کے آنے کی خبر ملی تو اسے اپنے روم میں طلب کر لیا۔

"وہ میرے آنے کی وجہ کچھ اور ہے۔" بلیک پرنٹڈ کپڑوں میں اس کی سرخ و سپید رنگت چمک رہی تھی۔

"میرے مسینڈ آگئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں جاب چھوڑ کے ان کے پاس آجاؤں۔" اس نے جھوٹ گھڑا۔

"آپ بالکل جھوٹ بول رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے کیوں کہ آپ صرف اس نکاح والی بات کی وجہ سے اس جاب سے ہی نہیں مجھ سے بھی فرار حاصل کر رہی ہیں۔" ہاشم کو جیسے اندازہ ہو گیا تھا جانے کیوں اس دن سے وہ خوشنما کی باتوں اور سوچوں سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہا تھا وہ اس کے دل میں ایسا لگ رہا تھا پانی کے قطرے کی طرح ٹپک رہی تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔" اس نے نگاہ اٹھائی آواز کو مضبوط بنایا۔

ہاشم مبہم سی مسکراہٹ لیے بلیک پینٹ پر بلیو شرٹ میں ملبوس خاصا ڈیسنٹ اور اسمارٹ لگ رہا تھا۔ خوشنما کی نگاہ خود ہی جھک گئی۔

"خوشنما ایسے شوہر کا کیا فائدہ جو آپ سے تعلق ہی نہیں رکھے آپ اس سے پیچھا چھڑائیں۔"

"جی۔" وہ تو متحیر زدہ سے چہرے کو دیکھنے لگی کیوں کہ ہاشم کے لب و لہجے میں اسے آج کوئی اور ہی انداز نظر آرہا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" لہجہ فہمائشی اور ناگوار بھی لگا اسے ہاشم کا۔

"میں آپ کو بہتر اور اچھا مستقبل دوں گا۔ آپ اپنے شوہر سے خلع لے لیں۔"

"واٹ..... آپ کا دماغ تو درست ہے آپ ہوتے کون ہیں مجھے یہ کہنے والے میرا شوہر جیسا بھی ہے میرے لیے قابل احترام ہے۔" وہ برا مان گئی۔

"اتنے عرصے سے وہ آپ سے لاتعلق ہے پھر بھی قابل احترام ہے۔" ہاشم نے دیکھا خوشنما کے چہرے کا رنگ یکلخت ہی بدلا تھا۔

"وہ جیسے بھی ہیں میں ان کی عزت کرتی ہوں۔" اس نے نگاہ چرائی۔ کتنا مشکل لگ رہا تھا ضبط کے مرحلوں سے گزرنا اسے دکھ و افسوس بھی ہونے لگا۔ ہاشم کے نزدیک اس رشتے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

"دیکھیے خوشنما میرے نانا جان نے میری شادی زبردستی کر دی تھی مگر مجھے وہ لڑکی ذرا پسند نہیں تھی میں بھی اسے سوچ رہا ہوں آزاد کر دیتا ہوں۔"

"کیا بکواس لگا رکھی ہے۔" وہ تو مشتعل ہی ہوگئی۔

"اتنا بڑا دھوکہ پھر بھی کہتے ہیں میں آپ کے ساتھ زندگی گزاروں۔ ارے آپ نے اس لڑکی سے نبھاہ نہیں کی مجھ سے کیا کریں گے۔ آپ کے نزدیک شادی بیاہ لگتا ہے کھیل تماشا ہے جو اس لڑکی کا بھی تماشا بنا دیا ہوگا۔" خوشنما کو اندر کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

"آپ کو کیوں اس لڑکی کے لیے ہمدردی ہو رہی ہے۔" وہ اس کے بھڑکنے پر حیران تھا۔

"انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے جو مجھ میں موجود ہے اور میں کسی کے جذبات اور احساسات کا بہت خیال رکھتی ہوں۔" وہ ہر بات طنز کے تیروں میں ڈبو کر اس پر وار کر رہی تھی۔

"مسٹر ہاشم احمد لوگوں کے جذبات کی قدر کریں ان کا خیال کریں کیوں کہ اگر وہ لوگ گزر گئے یا وقت گزر گیا سوائے آپ کے پاس پچھتاوے ہوں گے اس لیے میں چاہتی ہوں آپ رسوا ہونے سے بچ جائیں۔" وہ زہر خند ہو رہی تھی۔

"میں یہاں سے جا رہی ہوں مجھے آپ کی نوکری نہیں کرنی سارے اصول توڑ کے جا رہی ہوں۔"

وہ آنکھوں میں نمی اور حسرت لیے تیزی سے نکل گئی۔ ہاشم کی سوچوں نے اسے توڑ دیا تھا اسے ذرا بھی احساس نہیں تھا وہ کیا کہہ رہا ہے۔

(باقی آئندہ ماہ)

http://readingcornerpk.com

رابعہ افضال خان

مکمل ناول (آخری حصہ)

عشق کا حاصل آنسو کیوں

پورے گھر میں ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ آخر کو شاہ ہاؤس میں بڑے عرصے بعد شادی کے ہنگامے جاگے تھے۔ پورے شاہ ہاؤس کو کسی دلہن کی مانند سجایا گیا تھا۔ مایوں کا ارینجمنٹ شاہ ہاؤس کے خوب صورت سے لان میں کیا

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

گیا تھا۔

سارے لان کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ اسٹیج کو پیلے گیندے کے پھولوں سے بڑی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ ارینجمنٹ تو بہت خوب صورت تھا مگر اس چکر میں لڑکوں کی حالت پتلی ہو گئی تھی۔

"کوئی اللہ کا نیک بندہ پانی پلا دے۔" حسن نے دھڑ سے کرسی پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھتے ہوئے پھولی ہوئی سانسوں سے کہا تھا مگر وہاں موجود تمام افراد نے ان سنی کرنے لگے۔

"پانی۔" وہ ان لوگوں کو خونخوار انداز میں گھور رہا تھا۔ آواز پر رخ پھیر کر دیکھا تو نمیرہ پانی کا گلاس لیے کھڑی تھی۔

"جزاک اللہ!" اپنے سامنے نمیرہ کو دیکھتے ہی اس کا موڈ یکدم خوشگوار ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے گلاس تھام کر وہ ایک ہی سانس میں پی گیا۔

"نمیرہ! ایک گلاس مجھے بھی پلاؤ اور ثواب کماؤ۔" پیچھے اسٹول پر چڑھے پھولوں کی لڑیاں سیٹ کرتے باسم نے بھی ہانک لگائی۔

"کم بختو! ابھی تو تم سب کے سب بھرے بیٹھے تھے۔" حسن نے باسم کو گھورا۔

"پلیز نمیرہ! میرا حلق سوکھ رہا ہے۔" حسن کی تیوریوں کو سرے سے نظر انداز کرتا وہ اب بھی نمیرہ سے مخاطب تھا۔

"خبردار! کوئی ضرورت نہیں ہے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی ہمدردی کرنے کی۔" باسم پر اثر نہ ہوتے دیکھ کر حسن نے نمیرہ پر رعب جھاڑا۔

"مگر حسن....." نمیرہ نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"اگر مگر کچھ نہیں، تم جاؤ یہاں سے ورنہ اتنی دھوپ میں تمہارا رنگ کالا ہو جائے گا اور میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تمہاری خوب صورتی گہنانے برابر بھی ماند پڑے۔" حسن کی ڈھٹائی پر وہ لمحے میں سرخ چہرہ لیے تیزی سے اندر کی طرف بھاگی تھی۔

"کیوں نمیرہ صاحبہ کھلے آسمان تلے کھڑی تھیں جو رنگ ماند پڑنے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔" باسم نے حسن کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوئے دانت پیستے کہا۔

وہ کرسی پر بیٹھا مزے سے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے مسکراتا رہا۔

"تم جیسا کافروں کے قبیلے سے تعلق رکھنے والا کزن خدا کسی کو نہ دے۔" باسم نے جل کر اسے کوسا۔

"اور تم جیسا مطلب پرست کزن بھی کسی کو نہ دے۔" حسن نے فوراً بدلہ چکایا تھا۔

"یار کم از کم آج تو لڑنا بند کر دو، ابھی کتنے کام کرنے کو پڑے ہیں اور تم لوگوں کو لڑنے سے ہی فرصت نہیں ہے۔" مرتقوی دونوں ہاتھوں میں کئی شاپرز پکڑے اندر آیا تھا اور ان دونوں کو لڑتے دیکھ کر سنجیدگی سے کہتا ایک نظر ان پر ڈالتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

"باسم! یہ مرتقوی بھائی ایک ہفتے سے کچھ زیادہ ہی سیریس نہیں رہنے لگے۔" حسن نے پرسوچ نظروں سے باسم کو دیکھتے کہا تھا۔

"ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔" باسم بھی پرسوچ انداز میں بولا تھا۔

☆.....☆

مایوں کے پیلے جوڑے میں جھکی پلکوں کے ساتھ چہرے پر حیا کی لالی تھی۔ وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ گلاب جیسے عارضوں پر چمکتا سیاہ تل الگ ہی بہار دیکھا رہا تھا۔ اسٹیج پر وہ ان سب کے درمیان گھری بیٹھی تھی۔ برابر میں وائٹ کرتے شلوار میں گلے میں بیلو اور مہرون پٹکا ڈالے مرتضیٰ بھی کچھ کم نہیں لگ رہا تھا۔ اندر سے آتے مرتقوی کی نگاہ بے ساختہ سامنے اسٹیج کی طرف اٹھی تھی اور پھر پلٹنا بھول گئی تھی مگر اگلے ہی پل وہ سر جھٹکتا ہوا آگے کی طرف بڑھ گیا۔

"ارے مرتقوی بھائی! ادر ایہاں آیئے۔" مہران نے اسٹیج کی طرف قدم بڑھاتے مرتقوی کو آواز دی۔

"جی فرمایئے۔" وہ پلٹ کر ان کی طرف چلا آیا جہاں مہران ہاتھ میں کیمرہ لیے کھٹا کھٹ تصویریں بنانے میں مصروف تھا۔

"میرا ایک کام کر دیں گے۔" اس نے اپنی مصروفیت فی الوقت ترک کر کے بڑے سرگوشیانہ انداز میں تقریباً مرتقوی کے کان میں گھستے ہوئے کہا تھا۔

"کون سا کام؟" مرتقوی نے اس کے رازدارانہ انداز پر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"مرتضیٰ بھائی سے وہ منتر پوچھ کر بتا دیں جو بی بی جان پر فوراً اثر کرتا ہے۔"

"منتر.....! کون سے منتر کی بات کر رہے ہو تم؟" مرتقوی نے حیرانگی کے عالم میں اسے دیکھا۔

"ارے یار! شادی کا منتر جو انہوں نے بی بی جان پر پڑھ کر پھونکا اور وہ فوراً ان کی شادی کے لیے تیار ہو گئیں۔" مہران نے حد درجہ معصومیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مدھر جاؤ مہران۔" مرتقوی کو بے ساختہ زور کی ہنسی آئی تھی۔

"آپ بھی ظالم سماج کی گیدگری میں آ رہے ہیں مرتقوی بھائی۔" مہران نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"تمہارا وقت آئے گا تو تمہارے نام کے شادیانے بھی بج جائیں گے۔ فی الحال دور دور تک ایسے آثار نہیں نظر آ رہے اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" مرتقوی نے تسلی دینے والے انداز میں مہران کی پیٹھ تھپتھپاتے شرارتی انداز میں کہا تھا مگر مہران کا منہ اتر گیا۔

"جلدی آپ نہیں سمجھیں گے اگر آپ نے بھی محبت کی ہوتی تو میری دلی حالت ضرور سمجھتے۔" مہران اس کے چہرے پر لہراتے تاریک سائے سے بے نیاز اپنی ہی جھونک میں بولے گیا۔ مرتقوی نے ایک خاموش نظر اس پر ڈالی اور بنا کچھ کہے آگے کو بڑھ گیا۔

"تم کیا جانو مہران! محبت بھی کی ہے اور ملنے سے پہلے کھو بھی دیا ہے کہ وہ میرا نصیب نہ تھی۔" ایک گہری سانس اس کے لبوں سے خارج ہوئی تھی۔ وہ سر کو جھٹکتا اسٹیج کی طرف بڑھ گیا جہاں مرتضیٰ اسے مسلسل اشاروں سے اپنے پاس آنے کا کہہ رہا تھا۔

☆.....☆

مسلسل بجنے والی موبائل کی بپ سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ نیند کے خمار میں ڈوبی آنکھیں زبردستی کھول کر اس نے موبائل کی اسکرین کو دیکھا جہاں "سلمان کالنگ" کے سنہری حروف جگمگا رہے تھے۔

"کیا ہے یار! اتنی صبح صبح ایسی کون سی آفت آ گئی جو میری نیند خراب کر دی۔" نیند میں ڈوبی آواز سے وہ سلمان پر جھنجلا کر بولا تھا۔

"خدا کو مانو یار! گیارہ بج رہے ہیں اور تمہیں صبح لگ رہی ہے۔" سلمان نے دہائی دی تھی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"جلدی بکو کیوں کال کی ہے؟" وہ اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا۔
"آدھے گھنٹے میں میرے گھر آجانا کوئی بہانہ کیے بنا۔"
"کیوں؟"
"تم آؤ پھر بتاتا ہوں۔"
"او کے میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔" مرتضیٰ نے کہتے ہی لائن ڈسکنٹ کردی اور آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا۔
وہ تیار ہو کر سیدھا کچن میں چلا آیا۔ جہاں عالیہ بیگم ناشتے کا انتظام کرنے میں مصروف تھیں۔ ساتھ میں نوری بھی ہیلپ کروا رہی تھی۔
اس نے کچن میں قدم رکھتے عالیہ کو سلام کیا۔
عالیہ بیگم نے اپنے خوبرو بیٹے کو نظر بھر کر دیکھا تھا۔
"امی! ایک کپ چائے دے دیں۔" کچن میں پڑے اسٹول پر بیٹھتے اس نے چائے دم دیتی عالیہ بیگم سے کہا۔
"کہاں جانے کی تیاری ہے؟" انہوں نے نک سک سے تیار اپنے لاڈلے کو دیکھا تھا۔
"وہ امی! کچھ کام ہے سلمان کے گھر جارہا ہوں۔" اس نے چائے کا کپ تھامتے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ایسا کرو بیٹا! آج مت جاؤ کل چلے جانا۔" انہوں نے چائے پیتے مرتضیٰ پر ایک نظر ڈال کر کہا۔
"کیوں امی! خیریت؟" وہ انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔
"نہیں کچھ خاص نہیں، بس یونہی دل بڑا عجیب سا ہو رہا ہے۔" انہوں نے پریشان سے لہجے میں کہا تھا۔ نہ جانے کیوں ان کا دل بڑا عجیب سا ہو رہا تھا۔ گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ نیند بھی ٹھیک طرح سے نہیں آئی تھی حالانکہ رات کے فنکشن کے ختم ہونے تک اچھی خاصی تھکن ہوگئی تھی مگر نہ جانے کیوں دل بے چین سا تھا۔ جس کی وجہ سے ٹھیک سے نیند بھی نہیں آئی تھی۔
"ارے امی! یہ گھبراہٹ تو یوں ہو رہی ہے کہ میری پیاری سی امی بہت تھک چکی ہیں۔ اب یہ سب چھوڑیں اور جا کر آرام کریں، میں بس یوں گیا اور یوں آیا۔" کپ سلیب پر رکھتا چٹکی بجاتا ان کے گال پر بوسہ دیتا وہ مسکراتا ہوا کچن سے نکل آیا۔ جاتے جاتے نہ جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ وہ سیدھا کائنات کے روم کی طرف چلا آیا۔ ناک کرنے پر اندر سے یس کی آواز آئی تھی۔ وہ دھیرے سے دروازہ کھولتا اندر چلا آیا۔
"تم یہاں کیا کر رہے ہو مرتضیٰ۔" کائنات ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ٹاول سے چہرہ صاف کر رہی تھی۔ شیشے میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھ کر وہ کچھ جھینپے سے مڑی تھی۔
"تمہیں دیکھنے کا دل کر رہا تھا، سو دیکھنے چلا آیا۔" وہ اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے بولا۔
"توبہ ہے مرتضیٰ، دو دن صبر نہیں کر سکتے۔" ٹیلو دوپٹے کے ہالے میں اس کا کتابی چہرہ بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس پر گلاب جیسے عارضوں پر حیا کی لالی خمار بکھیرتی پلکیں گلابی عارضوں پر لرزتی الگ ہی بہار دیکھا رہی تھیں۔
"پلیز مرتضیٰ! بس کرو۔" وہ یک ٹک نگاہ جمائے اسے دیکھے گیا مگر کائنات کی تو اتنی سی دیر میں بس ہوگئی تھی تو وہ یک دم ہی بول پڑی۔
"ارے میں نے کیا کیا ہے؟" وہ حیران ہونے کی بھرپور ایکٹنگ کرتا شرارتی نظروں سے اسے دیکھ کر بھولپن سے پوچھنے لگا۔

"اس طرح سے تو مت دیکھو۔" وہ پلکیں جھکائے سرخ پڑے عارضوں کے ساتھ آہستہ سے بولی تھی مرتضیٰ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔
"کیا یار! میرا دل کرتا ہے ایک سیکنڈ کے لیے بھی تم سے دور نہ ہوں، تم میرے سامنے بیٹھی رہو اور وقت تھم جائے، میں ساری زندگی تمہیں یوں ہی دیکھتا رہوں، تم پل بھر کو بھی میری نظروں سے اوجھل نہ ہو۔" اس کے لہجے میں جذبوں کی بڑی جنونی سی نرم گرم سی حرارت تھی۔ آواز کی گھمبیرتا نے لہجے میں کائنات کے دل کے تاروں کو چھیڑا تھا، اس کی محبت کی آنچ اس کے گالوں پر سرخ رنگ بن کر بکھری ہوئی تھی وہ لمحے میں نگاہ جھکا گئی تھی۔
"اور تم ہو کہ ہر وقت مجھ سے دور بھاگنے کو تیار رہتی ہو۔" سر جھکائے وہ تھوڑے افسردہ سے لہجے میں بولا تھا۔
"ایسا کیوں لگتا ہے آپ کو۔" اسے افسردہ دیکھ کر وہ پل بھر میں ساری شرم و حیا سائیڈ پر رکھ کر فوراً سنجیدہ ہوئی تھی اور نگاہیں اس کے چہرے پر ڈالتے پوچھا تھا۔
"ارے یار مذاق کر رہا تھا، تم تو فوراً سنجیدہ ہو جاتی ہو۔" وہ ہنس کر اس کی چھوٹی سی ناک دباتا ہوا بولا تھا کائنات نے صرف گھورنے پر اکتفا کیا تھا۔
"او کے چلتا ہوں میں۔" وہ کہتے ہوئے پلٹا تھا کہ ہاتھ کائنات کی نازک گرفت میں مقید ہوا تھا۔
"کہاں جا رہے ہیں۔" اس نے ایک بھرپور نگاہ نک سک سے تیار مرتضیٰ پر ڈالی۔
"سلمان کی طرف جا رہا ہوں۔" وہ اپنا موبائل چیک کرتا ہوا بولا جس پر مسلسل سلمان کے میسجز آرہے تھے۔
"یہ کون سا وقت ہے جانے کا مت جائیں ہر وقت سلمان بھائی کے پلو سے بندھے رہتے ہیں۔" وہ پتہ نہیں کیوں ایک دم چڑ کر بولی تھی۔
"تھوڑی دیر کے لیے جا رہا ہوں۔ ہمیشہ کے لیے تھوڑی جا رہا ہوں جو یوں ناراض ہو رہی ہو۔" وہ اس کا گال تھپتھپا کر بولا تھا۔
"خدا نہ کرے مرتضیٰ! کیا اول فول جو منہ میں آتا ہے بول دیتے ہو۔" وہ ایک دم ہی روہانسی ہوگئی تھی۔
"او کے بابا، سوری آئندہ نہیں بولوں گا، چلتا ہوں۔" اس کا گال تھپتھپاتے وہ مڑ کر چلا گیا پھر دروازے تک پہنچ کر وہ ایک مرتبہ پھر مڑا تھا اور خود کو دیکھتی کائنات کو دیکھتے کچھ سنجیدگی سے بولا تھا۔
"تو ویسے ایک بات کہوں کائنات؟" اس نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔
"ہاں بولو۔" بے ساختہ اس کی زبان پھسلی تھی۔
"مایوں کے جوڑے میں بہت خوب صورت لگ رہی ہو کہ نظر ہٹانے کا دل ہی نہیں چاہ رہا۔" کہنے کے ساتھ ہی دروازہ کھول کر وہ نکل گیا تھا۔ جب کہ پیچھے وہ بے ساختہ مسکرائی تھی اس کی دیوانگی پر۔
"ایک دم پاگل ہو مرتضیٰ۔" وہ تصور میں اس سے ہمکلام ہوئی تھی۔

☆.....☆

وہ دن تقریباً بارہ بجے کا گھر سے نکلا تھا اور اب آٹھ بجنے کو آئے تھے مگر اس کا پتہ نہیں تھا اب تو تقریباً سب کو ہی پریشانی نے گھیر لیا تھا۔ مہران، حسن، ہاسم سب ہی نے اس کے سیل پر نہ جانے کتنی دفعہ ٹرائی کیا تھا مگر اس کا سیل مسلسل آف جا رہا تھا۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"سلمان کے نمبر پر کال کر کے پوچھو بیٹا۔" عالیہ بیگم نے آنسو صاف کرتے مہران سے کہا تھا جو مرتضیٰ سے رابطہ کرنے کی مسلسل کوشش کر رہا تھا۔

"جی بڑی امی!" اس نے عالیہ بیگم کو جواب دیتے ایک مرتبہ پھر سلمان کے نمبر پر کال کی تھی مگر اس کا سیل بھی مسلسل آف جا رہا تھا۔ اس نے بے جان ہاتھوں سے موبائل جیب میں ڈال لیا۔

"کیا بات ہے مہران۔" ہاسم نے اس کا کندھا ہلایا۔

"سلمان کا نمبر بھی آف جا رہا ہے۔" اس نے ہاسم کو دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ وہاں موجود تمام لوگوں کے دل لمحے بھر کو ساکن ہوئے تھے، عالیہ بیگم نے تو باقاعدہ ہچکیاں لے کر رونا شروع کر دیا تھا۔

"پلیز بڑی امی! آپ تو اس طرح حوصلہ مت ہاریں۔" ہاسم نے عالیہ بیگم کو تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ سلمی بیگم بھی مسلسل انہیں دلاسے دے رہی تھیں۔

کچھ ہی دیر میں ان لوگوں نے ان دونوں کے تمام دوستوں سے رابطہ کر کے پوچھ لیا تھا مگر ہر طرف سے ناامید ہونا پڑا تھا۔

"میرا خیال ہے ہم تھانے میں رپورٹ لکھوا دیتے ہیں۔" عثمان شاہ نے تھکے تھکے لہجے میں کہا تھا۔ ساری رات ان لوگوں کی دروازے پر نگاہ جمائے گزر گئی تھی مگر اسے ڈھونڈنے جانے والے بھی واپس نہیں آئے تھے۔ یہاں تک کہ فجر کی اذانیں ہونے لگی تھیں۔ وہ لوگ وضو کر کے جائے نماز بچھا کر اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر اس کی خیریت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

تقریباً صبح کے چھ بجے حسن، ہاسم نے گھر میں قدم رکھا تھا مگر خالی ہاتھ ان کے لاؤنج میں آتے ہی سب ان دونوں کی طرف دوڑے تھے مگر ان کے اترے چہرے دیکھ کر وہ سب ایک مرتبہ پھر مایوس ہوئے تھے۔

"مرتضیٰ بھائی آئے؟" حسن نے بنا کسی کی جانب دیکھے آہستہ سے پوچھا تھا۔

"نہیں وہ بھی نہیں آیا ابھی تک۔" سلمی بیگم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

"بیٹا! سلمان سے بات ہوئی تم لوگوں کی۔" عالیہ بیگم نے دل کو تسلی کے لیے ہاسم سے پوچھا۔

"نہیں سلمان کے گھر والے خود بہت پریشان ہیں۔ مرتضیٰ بھائی اور سلمان بھائی دونوں ساتھ نکلے تھے۔ ایک گھنٹے کا کہہ کر گئے تھے اور دونوں کا ہی کچھ پتا نہیں چل رہا اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ اور پوچھتا حسن کے موبائل پر بپ ہونے لگی تھی۔ اس نے اسکرین کو دیکھا جہاں مرتضیٰ کالنگ کے الفاظ جگمگا رہے تھے اس نے فوراً کال پک کی تھی۔

"مرتضیٰ بھائی! کہاں ہیں آپ کچھ پتا چلا مرتضیٰ بھائی اور سلمان بھائی کا؟" وہ بے تابی سے بولا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں بس پہنچ رہا ہوں۔" نہ جانے مرتضیٰ نے کیا کہا تھا کہ وہ موبائل آف کرتا فوراً باہر کی طرف بڑھا تھا۔

"حسن! کیا کہا مرتضیٰ بھائی نے؟" ہاسم نے جلدی جلدی قدم بڑھاتے حسن کو آواز دے کر پوچھا۔

"انہوں نے مجھے بلایا ہے مرتضیٰ بھائی اور سلمان بھائی کا پتہ چل گیا ہے۔ تم گھر میں رکو میں آتا ہوں۔" بنا پلٹے آنکھوں سے پھسلی نمی کو چھپائے وہ آہستہ سے بولا تھا۔

"بیٹا! سب خیریت تو ہے ناں؟ مرتضیٰ ٹھیک تو ہے ناں؟" عالیہ بیگم نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"جی بڑی امی۔" کہتے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ آنکھوں میں مچلتے آنسو

بڑی بے دردی سے اس کے گالوں پر پھسل آئے تھے۔

وہ لوگ مرتضیٰ کو واپس گھر لے آئے تھے مگر جس طرح وہ گھر سے ہنستا مسکراتا اپنے پیروں پر گیا تھا ویسے واپس نہیں آیا تھا بلکہ واپس آنے کے لیے اسے دوسروں کے چار کندھوں کی ضرورت پڑی تھی اس کی ڈیڈ باڈی کو ایمبولینس سے نکال کر جوں ہی اندر لایا گیا۔ عالیہ بیگم تیورا کر گریں اور بے ہوش ہو گئیں۔ شاہ ہاؤس میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ کل تک جس شاہ ہاؤس میں خوشیوں کا بسیرہ تھا، قہقہوں کی گونج تھی آج اسی شاہ ہاؤس میں صف ماتم بچھا تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ شاہ ہاؤس کے در و دیوار بھی اس کی جوان مرگ پر سوگ میں ڈوبے تھے۔ مرتضیٰ اور سلمان جو کسی میٹنگ کے سلسلے میں گئے تھے میٹنگ بھگتا کر وہ لوگ واپس آ رہے تھے کہ راستے میں نظر آتے جدید ترین شاپنگ مال کے آگے مرتضیٰ نے گاڑی روک دی تھی۔

"یہاں کیوں گاڑی روک دی؟" سلمان نے اسے گاڑی لاک کرتے دیکھ کر پوچھا۔

"ارے یار! کائنات کے لیے ابھی تک کوئی گفٹ نہیں خریدا۔ یہاں سے گزر رہے تھے تو سوچا یہ کام نمٹا ہی دوں۔" وہ لوگ باتیں کرتے مال کے اندر داخل ہو گئے تھے۔ جہاں پہلے سے بہت سے خوش باش چہرے اپنی اپنی خریداری میں مصروف تھے۔ وہ دونوں سامنے نظر آتی جیولری شاپ میں داخل ہو گئے۔

مرتضیٰ نے بہت ہی فینسی اسٹائل میں بنے گولڈ کے ایئر رنگ اٹھائے تھے اور سلمان کی طرف بڑھا تھا۔

"یہ ایئر رنگ کیسے لگ رہے ہیں؟" اور اس سے پہلے کہ سلمان کچھ کہتا ایک زوردار آواز آئی تھی اور جدید اسٹائل میں بنا تین منزلہ شاپنگ مال ملبے کے ڈھیر کی صورت زمین پر تھا۔ اس مال میں موجود ہزاروں لوگ اپنی قیمتی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ ایک بم بلاسٹ نے نہ جانے کتنے گھروں کے چراغوں کو گل کر دیا تھا۔ نہ جانے کتنی سہاگنوں کو بیوہ بنا دیا تھا، نہ جانے کتنے ماں باپ سے ان کا سہارا چھین لیا تھا، معصوم بچوں سے باپ کی مضبوط چھاؤں کو چھین کر انہیں یتیم بنا دیا تھا، نہ جانے کتنے لوگوں سے ان کی آنکھوں میں بسے معصوم سپنوں کو نوچ کر پھینک دیا تھا۔

اتنی سفاکیت اتنی بربریت کا مظاہرہ کرتے ان لوگوں کے دل ذرا نہیں کانپے تھے۔ ہزاروں معصوم و بے گناہوں کی جان لیتے ان لوگوں کے دل میں ذرا رحم نہیں آیا تھا۔ آخر یہ کون لوگ ہیں جو اتنی سفاکیت و بربریت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کون ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں خوف خدا نہیں ہے جو اس دن کو بھول بیٹھے ہیں کہ جس دن حساب لینے والا ان سے ان ہزاروں معصوم لوگوں کی جان لینے کا حساب مانگے گا اور اس دن وہ لوگ بچ نہیں سکیں گے جو آج ہزاروں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار کر خود سکون سے کھلے عام عیش سے رہتے ہیں۔ کل کو ان کی بھی پکڑ ہو گی میدان حشر میں وہ لوگ بھی خود کو اس رب کے عتاب سے بچا نہیں سکیں گے کہ اس رب کائنات کے آگے ان کی کوئی جھوٹی صفائی و معافی قابل قبول نہ ہو گی جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کے فرمان کو بھول بیٹھے، جن کے دلوں پر بے حسی و بے ضمیری کی گرد جم چکی ہے۔ جن کے ہاتھ نہ جانے کتنے معصوم بے گناہ لوگوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں ان کی بھی پکڑ ہو گی۔ انہیں بھی حساب دینا پڑے گا اور ایسے بے ضمیر لوگ یقیناً جہنم رسید ہوں گے۔

کائنات وہ تو بس مایوں کے پیلے جوڑے میں بیٹھی اس کے بے جان پڑے بے وجود پر نظریں جمائے یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی، اس کے چہرے پر ایک جامد سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ آنکھیں کسی بھی احساس سے عاری بس اس کے زخمی چہرے پر جمی تھیں، یہ وہی آنکھیں تھیں کل تک جن میں بہت ہی خوب صورت سپنوں کا بسیرا تھا اور

آج ان آنکھوں میں صرف اور صرف ویرانی ڈیرہ جمائے تھی۔ محبت کے اجڑ جانے کا سوگ چھائے تھی، شمع بیگم نے روتے ہوئے اسے جھنجھوڑ کر رلانے کی بہت کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی خالی خالی آنکھوں سے سب کو دیکھتی رہی مرتضیٰ کو اس کی آخری آرام گاہ پہنچانے تک وہ لوگ بالکل نڈھال ہو چکے تھے۔ ان کے دل جانتے تھے کہ کس دل سے انہوں نے اپنے پیارے سے مرتضیٰ کو لحد میں اتارا تھا۔ جس کے بغیر ان لوگوں کا ایک دن نہیں گزرتا تھا۔ اب سے انہیں زندگی بھر اس کے بغیر رہنا تھا۔ مرتضوی تو مہران کے گلے لگ کر دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔ وہ لوگ ہمیشہ سے ہر پل ہر لمحہ ساتھ رہے تھے اور اب اچانک زندگی بھر کی جدائی سہنا تھی، جو چہرہ صبح شام ان کی نظروں کے سامنے رہتا تھا۔ اب سے وہ لوگ اس چہرے کو کبھی نہیں دیکھ پائیں گے یہ سوچ ہی ان کے دل کے ہزاروں ٹکڑے کر گئی تھی۔ وہ لوگ مدفین کر کے قبرستان کے پھاٹک کو پار کر گئے تھے مگر مرتضوی نے اس شہر خاموشاں کے مکینوں میں شامل ہوئے مرتضیٰ کی قبر پر آخری نگاہ ڈالی اور آنسوؤں کو صاف کرتا جھکے سے آگے بڑھا تھا مگر اسے لگا دل کا ایک حصہ وہ مرتضیٰ عثمان شاہ کے پاس ہی چھوڑ آیا ہے۔

☆.....☆

مرتضیٰ کو گئے آج پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا مگر اس کی خاموشی جوں کی توں برقرار تھی لوگوں نے نہ جانے کتنی باتیں بنائی تھیں اس کے متعلق، شمع بیگم نے نہ جانے کس دل سے بیٹی کے بارے میں لوگوں کی گھٹیا باتیں سنی تھیں اور انہیں برداشت بھی کیا تھا۔ آج پورے ہفتے بعد بھی وہ اسی طرح گم صم تھی۔ سب بڑے اس کے کمرے میں آئے تھے۔ وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے بیٹھی تھی۔ اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر بھابی جان کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"کائنات بیٹا! ایسا کب تک چلے گا؟" بی بی جان نے اسے ساتھ لگاتے پوچھا وہ ایک نظر انہیں دیکھ کر سر جھکا گئی۔

"دیکھو بیٹا! ہم تمہارا دکھ سمجھ سکتے ہیں، تمہیں تو خود معلوم ہوگا کہ ہم سب بھی تو اسی دکھ کے حصے دار ہیں جتنی محبت تم مرتضیٰ سے کرتی تھیں اتنی محبت ہم سب بھی کرتے تھے۔ وہ تو ہم سب کو ہی چھوڑ کر چلا گیا۔"

"مگر تمہیں اس طرح دیکھتے ہیں تو مرتضیٰ کی جدائی کا غم پھر سے ہرا ہونے لگتا ہے۔ دل سے ٹیسیں اٹھنے لگتی ہیں تمہاری ایسی حالت ہمیں پھر سے بکھیرنے لگتی ہے خود کو سنبھالو بیٹا ہم سب کے لیے نہ سہی مرتضیٰ کے لیے اس کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔ وہ تو تمہیں کبھی اس طرح دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اب یہ جوڑا تبدیل کر لو بیٹا، جس کے نام کا یہ جوڑا تھا اور تمہارے تن پر سجا تھا وہ اب ہم سب سے بہت دور جا چکا ہے۔ اپنی بوڑھی بی بی جان پر رحم کھاؤ۔" اتنا سب کہتے بی بی جان کی خود اپنی آواز بھرا گئی تھی اور ان کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو بہہ کر ان کے جھریوں زدہ گالوں پر پھسلتے چلے گئے۔

کائنات نے پلکیں جھپک کر انہیں دیکھا تھا باقی سب بھی آنکھوں میں نمی لیے دادی پوتی کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔

"بیٹا! تم سے کچھ بات کرنے آئے ہیں ہم سب، اس یقین کے ساتھ کہ تم ہماری بات کا مان رکھو گی۔" بی بی جان نے اصل بات کی طرف آنے کے لیے بڑی دقتوں سے تمہید باندھی تھی، وہ ان کے پراسرار انداز کو الجھن آمیز انداز میں دیکھنے لگی۔

"بیٹا! ہم سب کی خواہش ہے کہ تمہارا نکاح مرتضوی سے کر دیا جائے۔" بی بی جان نے بالآخر وہ بات کہہ دی تھی جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

"نہیں بی بی جان! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں صرف مرتضیٰ کی تھی اور ہمیشہ اسی کی رہوں گی میں اس کی جگہ کسی اور کو دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، میں اس کے ساتھ بے وفائی ہرگز نہیں کر سکتی۔" وہ جو ایک ہفتے سے چپ کی بکل لیے ہوئے تھی جو مرتضیٰ کے جنازے پر بھی نہ روئی تھی وہ آج بی بی جان کی بات سن کر تڑپ اٹھی تھی، اس کی آنکھوں کے جو سوتے مرتضیٰ کی موت کا سن کر خشک ہو گئے تھے، ان خشک سوتوں میں یک دم نمکین پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا تھا۔

"کائنات بیٹا! اپنی بی بی جان کی بات مان لو، ہم سب کے لیے نہ سہی مگر مرتضیٰ کے لیے تو کر سکتی ہو ناں تمہیں مرتضیٰ کی محبت کا واسطہ ہے بیٹا مان جاؤ۔" انہوں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے اپنے مرحوم پوتے کی محبت کا سہارا لیا تھا۔

"ایسا مت کریں بی بی جان!" وہ ان کے ہاتھوں کو تھام کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی کہ سارا گھر اس کے کمرے میں جمع ہو گیا تھا اور اس کا تڑپ تڑپ کر رونا باقی سب کو بھی رلا گیا تھا۔ مرتضیٰ کی محبت نے اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"میں آپ کی بات ماننے کے لیے تیار ہوں بی بی جان! مگر نکاح کے بعد میں اس گھر میں نہیں رہوں گی، مرتضوی سے کہیں وہ مجھے کہیں اور لے کر جائیں گے ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔" ہچکیوں سے روتے اس نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ بی بی جان اسے اپنے بوڑھے وجود میں بھینچے خود بھی روتی رہیں اور دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا مرتضوی خالی دل لیے واپس پلٹ گیا تھا۔

☆.....☆

اسے کب پارلر سے تیار کر کے لایا گیا۔ لوگوں نے اس کی خوب صورتی پر کیا تبصرے کیے۔ کب اس نے نکاح نامے پر سائن کیے، اسے خبر ہی نہ ہوئی ہاں نکاح نامے پر سائن کرتے وقت لمحے بھر کو اس کا ہاتھ کانپا تھا اور پھر اس نے دل پر پتھر رکھ کر سائن کر دیے تھے اور آنکھ سے ایک گم نام آنسو نکل کر کہیں کھو گیا تھا۔ بالکل اس کی محبت کی طرح نکاح بڑی سادگی سے ہوا تھا۔ خاندان کے لوگ ہی مدعو تھے نکاح کے بعد اسے مرتضوی کے برابر لا کر بٹھایا گیا۔ تو وہ بالکل کسی روبوٹ کی مانند ہر احساس سے عاری دل لیے اس کے برابر میں بیٹھی رہی۔ مرتضوی نے ایک اچٹتی سی نظر اس کے سپاٹ چہرے پر ڈالی اور نگاہ کا زاویہ تبدیل کر لیا، کچھ ہی دیر بعد اس کی رخصتی کا مرحلہ بھی آ گیا تھا۔ سب اسے گلے لگا کر بہت روئے تھے مگر اس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ گرا تھا وہ کسی بے جان گڑیا کی مانند سب کے گلے لگتی رہی اور پھر مرتضوی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی اور اس کے بیٹھتے ہی گاڑی انجان راستوں پر دوڑنے لگی تھی وہ نگاہیں کھڑکی سے باہر جمائے بھاگتے دوڑتے نظاروں کو خالی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

☆.....☆

گاڑی پورٹیکو میں آ کر رکی تھی تو وہ بھی اپنی خود ساختہ سوچوں سے آزاد ہوئی تھی۔ وہ ایک نگاہ غلط اس پر ڈالتی اپنی طرف کا ڈور کھول کر باہر نکلی اور بنا کسی طرف دیکھے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ پیچھے وہ بھی گاڑی کو لاک کرتا کوٹ ہاتھ میں پکڑے لاؤنج میں آیا تو وہ لاؤنج میں پڑے صوفے پر بیٹھی نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ وہ ایک گہری سانس خارج کرتا پہلے قدم بڑھاتا اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا مگر وہ یوں ہی کسی گمنام نقطے پر نگاہیں جمائے رہی۔

"کائنات۔" مرتقویٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے کچھ کہنا چاہا تھا مگر وہ کچھ کہتا اس سے پہلے ہی اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کروالیا تھا۔ اور جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں آگ ہی آگ تھی۔ نفرت کی چنگاری تھی جو مرتقویٰ کا سارا جسم جھلسا گئی تھی۔

"یو ڈونٹ ٹچ می۔ کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے ہاتھ لگانے کی یا مجھ سے کسی بھی طرح کی جھوٹی ہمدردی جتانے کی۔ تم تو چاہتے بھی تھے۔ دیکھو تمہاری تو دلی مراد پوری ہو گئی۔ مرتضیٰ خود بخود تمہارے راستے سے ہٹ گیا۔ ہماری معصوم محبت کو تمہاری کالی نظر نے نگل لیا۔ تمہارے دل سے نکلا کاش کا لفظ میرے مرتضیٰ کو کھا گیا، اسے مجھ سے دور لے گیا اتنا دور کہ چاہ کر بھی میں اب اس کے پاس نہیں جا سکتی۔ میری ہنستی کھیلتی زندگی میں صرف تمہاری وجہ سے سنسانی کے موسم آئے۔ تم نے میرے دل کو برباد کیا ہے، تم میری محبت میرے مرتضیٰ کے قاتل ہو۔ گھن آتی ہے مجھے تم سے۔ میں جب جب تمہیں دیکھتی ہوں میرے دل میں موجود نفرت ہزار گنا بڑھ جاتی ہے۔ مجھ سے نکاح کر کے یہ مت سمجھنا کہ تم نے مجھے جیت لیا ہے، حاصل کر لیا ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم کبھی میرے دل تک رسائی حاصل نہیں کر سکو گے۔ میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک تم سے نفرت کرتی رہوں گی۔ تم میری محبت کو بھی حاصل نہیں کر سکو گے۔ میری محبت کل بھی مرتضیٰ کے لیے تھی، آج بھی اسی کی ہے اور مرتے دم تک اسی کے لیے رہے گی۔ سنا تم نے میں تم سے نفرت کرتی ہوں صرف اور صرف نفرت۔" آنکھوں میں نفرت کی بھڑکتی چنگاریاں لیے ایک تواتر سے بولتی اپنے دل کی بھڑاس نکال کر چہرہ ہاتھوں میں چھپاتی وہ ایک جھٹکے سے مڑ کر بھاگتی ہوئی چلی گئی اور مرتقویٰ جلتے وجود کے ساتھ خالی دل اور ساکت ہوتے وجود کے ساتھ جہاں کھڑا تھا وہیں جوں کا توں کھڑا اس کے آگ برساتے لفظوں کی بازگشت اپنے کانوں میں گونجتی محسوس کر رہا تھا۔

☆......☆

وہ چند گھنٹوں میں ایک مرتبہ پھر اپنا پورا ماضی کھنگال چکی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اب بھی مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ مرتضیٰ کی تصویر کو دونوں ہاتھوں میں بھینچے وہ جیسے نڈھال سی ہو گئی تھی۔ فجر کی اذان کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی تو وہ تصویر کو واپس اس کی جگہ پر رکھتی آنکھوں کو صاف کرتی اس کے روم سے نکل کر اپنے روم میں آ کر وضو کر کے نماز ادا کر کے بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں لیٹ گئی اور نہ جانے کب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوئی تھی اور اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

☆......☆

مسلسل دستک سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی اور دروازہ کھول کر واپس آ کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

"بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے اتنی دیر تک سوتی رہی ہو۔" شمع بیگم نے بیڈ پر اس کے پاس بیٹھتے فکرمندی سے کہا۔

"جی سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔" کائنات نے نیند کے خمار سے بوجھل سرخ ڈوروں سے بھی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا تھا اس کی آواز میں بھی بھاری پن موجود تھا۔

"کائنات! ادھر دیکھو میری طرف۔" شمع بیگم نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر لیا۔

وہ اپنی بھاری ہوتی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے لگی۔

"تم رات بھر روتی رہی ہو۔" انہوں نے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھ کر پریقین لہجے میں اس سے پوچھا۔

"نن...نہیں تو ماما۔" جھوٹ بولتے اس کی زبان لڑکھڑا سی گئی تھی۔

"جھوٹ مت بولو کائنات! میں ماں ہوں تمہاری تم سے زیادہ تمہیں جانتی ہوں، سمجھتی ہوں تم ساری دنیا

سے جھوٹ بول سکتی ہو، مگر مجھ سے نہیں۔" انہوں نے نرمی سے اس کے بال سہلاتے افسردہ لہجے میں کہا تھا۔ وہ کیسے اتنے پریقین لہجے پر نگاہوں کا زاویہ بدل گئی۔ سرخ آنکھوں میں یک دم نمکین پانی بھر آیا تھا۔

"بیٹا! ایسا کب تک چلے گا، تمہاری شادی کو دس مہینے ہو چکے ہیں مگر تم آج بھی اسی مقام پر کھڑی نظر آ رہی ہو جہاں آج سے دس مہینے پہلے تھیں۔ تمہارے اور مرتقویٰ کے بیچ کے فاصلے آج بھی ویسے ہی موجود ہیں بیٹا۔ شوہر ہے تمہارا اتنی بے رخی کیوں برت رہی ہو۔ اس سے پہلے کہ باقی لوگ بھی تم دونوں کے بیچ کی دوریاں دیکھ لیں، جان لیں، خود کو سنبھالو۔" انہوں نے بہت نرمی کے ساتھ اسے بہت بڑی بات باور کروادی تھی وہ کچھ چونک کر انہیں دیکھنے لگی پھر جب بولی تو اس کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے کانچ کی کرچیاں سی بکھری ہوئی تھیں۔

"میں کیا کروں ماما! مرتضیٰ مجھے ایک پل کے لیے بھی نہیں بھولتا۔ اس کی خوشبو آج بھی مجھے آس پاس محسوس ہوتی ہے۔ اس کی باتیں اس کی ہنسی آج بھی مجھے اپنے آس پاس سنائی دیتی ہے۔ میرا دل آج بھی اس کی محبت میں پوری طرح جکڑا ہوا ہے۔ میری آنکھوں میں آج بھی اس کا عکس پوری طرح آباد ہے اسی کی محبت کسی اور کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتی۔ میرا دل کسی اور کو وہ جگہ دینے کو تیار ہی نہیں ہوتا، جو جگہ مرتضیٰ کی تھی آج بھی اسی کے عکس سے آباد ہے۔ میں اسے بھول نہیں پاتی سوتے، جاگتے، چلتے، پھرتے مجھے اس کا خیال بے چین کیے رکھتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں میں کسی دن پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ ان کی نرم گرم آغوش میں چہرہ چھپا کر سسک پڑی۔

"بس کرو میری بچی میں جانتی ہوں کہ تیرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ دل کو سمجھانا آسان نہیں ہوتا، محبت کو بھول جانا بھی ممکن نہیں مگر جو ہوا اسے مشیت ایزدی سمجھ کر سمجھوتہ تو کیا جا سکتا ہے۔ مرتضیٰ کے جانے کا غم آج بھی ہم سب کو بھی تڑپاتا ہے اس کی موت کا یقین آج بھی نہیں آتا مگر اللہ کے کاموں میں ہم بندوں کی کیا دخل اندازی، وہ مالک ہے جو بہتر سمجھتا ہے اپنے بندوں کے لیے وہی کرتا ہے۔ اپنے دل کو سمجھاؤ بیٹا مرتضیٰ تمہارا بیتا ہوا کل ہے اور مرتقویٰ کے ساتھ تمہارا آج اور آنے والا کل جڑا ہے۔ جانے والے تو چلے ہی جاتے ہیں مگر پیچھے رہ جانے والوں کو خود کو سمجھانا پڑتا ہے، وقت اور حالات سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ عورت کے لیے اپنی محبت کو بھول جانا ناممکن ہے مگر بھلانے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے۔ دیکھو بیٹا سلمیٰ بھابی اور مرتقویٰ بہت اچھے ہیں جو آج تک انہوں نے اپنے منہ سے کچھ نہیں کہا۔ ہر طرح سے تمہارا خیال رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں تم آج تک مرتضیٰ کی یادوں کو سینے سے لگائے پھرتی ہو مگر مرتقویٰ نے کبھی تم سے شکایت نہیں کی اور نہ ہی تمہیں طعنے دیے۔ یہ اس کا بڑا پن ہے ورنہ بیٹا کوئی بھی مرد کب تک برداشت کر سکتا ہے کہ اس کی بیوی اسے نظر انداز کرتی رہے اور کسی اور کی یادوں میں گم رہے۔ اس سے پہلے کہ وقت تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے تم وقت کی لگام تھام لو۔ میں نے جو کچھ بھی تم سے کہا ہے تمہارے بھلے کے لیے، ایک بار تو تمہیں اجڑتے دیکھ چکی ہوں مگر خدانخواستہ دوبارہ سے ایسا ویسا کچھ نہیں دیکھ پاؤں گی۔ ہر ماں کی طرح میرا دل بھی تمہیں خوش و آباد دیکھنے کا چاہتا ہے۔" وہ اپنی گود میں سر رکھے گم صم سی کائنات کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیرتی رہیں اور سمجھاتی رہیں اور وہ یوں ہی ان کی گود میں منہ چھپائے روتی رہی پھر خود ہی خاموش ہو گئی تھی۔

"بس جتنا رونا تھا رو لیا اب میں بھی اپنی بچی کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں۔ اب جلدی سے فریش ہو کر نیچے آؤ۔ بی بی جان کب سے تمہارا ناشتے پر انتظار کر رہی ہیں۔" شمع بیگم نے اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے

ہوئے مسکرا کر کہا۔ وہ سر ہلاتی واش روم میں چلی گئی تو شمع بیگم بھی اپنی گیلی آنکھیں صاف کرتی باہر نکل گئیں۔

☆......☆

وہ لاؤنج میں بی بی جان کے ساتھ ان کے تخت پر بیٹھی ان سے باتیں کر رہی تھی۔ ساتھ میں چائے بھی لے رہی تھی کہ اچانک سے اسے سامنے دیکھ کر اس کے چلتے ہوئے لب بے اختیاری سمٹ کر آپس میں پیوست ہو گئے تھے۔

"السلام علیکم!" وہ ایک اچٹتی سی نظر اس کے آپس میں سختی سے بھینچے لبوں پر ڈال کر اپنا سر بی بی جان کے آگے جھکا گیا۔

"وعلیکم السلام! خوش رہو آباد رہو اتنے دنوں بعد آیا ہے میرا بچہ۔" بی بی جان نے اس کے جھکے سر پر ہاتھ پھیرتے اس کی روشن پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور اپنے برابر میں اس کے لیے جگہ بنا لی تھی۔ وہ کاندھے سے سفری بیگ اتار کر زمین پر رکھتا بی بی جان کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند گیا۔

"مرتضیٰ بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے۔" بی بی جان نے اس کی اتری صورت دیکھ کر اس کا چہرہ اپنے بوڑھے ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر کہا تھا۔

"بالکل ٹھیک ہے ایک دم فٹ فاٹ بی بی جان! بس تھک گیا ہوں۔ آپ کی گود میں لیٹنے سے آرام آ جائے گا۔" اس نے اپنی ہلکی سرخ ہوتی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہاں ٹھیک ہے تمہاری طبیعت، یہ دیکھو اتنا سا منہ نکل آیا ہے میرے بچے کا کام کر کر کے تم نے بھی تو مشین بنا لیا ہے خود کو کام کرنے والی۔" بی بی جان نے اسے پیار سے ڈانٹا وہ یونہی خاموش رہا۔

"کائنات بیٹا! مرتضیٰ کے لیے چائے بنا کر لاؤ اور ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی لے آنا۔" بی بی جان نے بات سے لاتعلق بنی کائنات سے کہا جو اپنی چائے پینے میں مگن تھی۔

"جی بی بی جان!" وہ ایک سرسری سی نظر آنکھیں بند کر کے لیٹے بی بی جان کی گود میں مرتضیٰ پر ڈال کر کچن کی طرف چلی گئی اور باقی سب مرتضیٰ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ آخر کو وہ پورے پانچ دن بعد اسلام آباد سے لوٹ کر آیا تھا۔ سب سے ملنے کے بعد وہ مسکان کی طرف آئی تو وہ نگاہ کا زاویہ بدل کر منہ پھیر گئی۔

"پلیز مسکان! ناراض مت ہو، دیکھو میں پانچ دن سے تو یہاں پر ہوں کچھ دن بعد دوبارہ آ جاؤں گی۔ بہت سارے دن کے لیے اب تو مان جاؤ۔" وہ منت آمیز انداز میں بولی تھی۔

"جھوٹ مت بولو کائنات! مجھے پتا ہے وہ کچھ دن جب آئیں گے جب مرتضیٰ بھائی کو دوبارہ کسی کام سے آؤٹ آف سٹی جانا ہوگا۔"

نیرہ نے فوراً اسے پرنشتر جواب دیا تو کائنات لاجواب ہو کر رہ گئی۔

"تم لوگ تو اس طرح مت کرو میرے ساتھ، سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان مت بنو اس گھر کے ایک ایک حصے سے مرتضیٰ کی ہزاروں یادیں وابستہ ہیں جو مجھے اس گھر میں اب ایک پل کے لیے بھی چین سے رہنے نہیں دیتیں۔ ماضی میں مرتضیٰ کے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ مجھے تڑپاتا ہے۔ میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ میری تقدیر نے مجھ سے بڑا بے رحم مذاق کیا ہے مجھ سے اس شخص کو چھین لیا جو میری زندگی تھا۔ جس کے بنا مجھے ایک لمحہ گزارنا مشکل لگتا تھا۔ وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے دور چلا گیا ہے۔ یہ خیال ہی مجھے ہر پل کسی زہریلے ناگ کی طرح ڈستا رہتا ہے تم بتاؤ مسکان میں اس گھر میں اب کیسے رہ سکتی ہوں۔" وہ گھٹنوں کے بل کارپٹ پر بیٹھی گالوں پر بہتے

آنسوؤں کے ساتھ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ مسکان، نیرہ اور نمرہ کی آنکھیں بھی گیلی ہو گئی تھیں۔ اپنی جھونک میں اندر آتا مہران دروازے کی چوکھٹ پر ہی ساکت رہ گیا تھا مرتضیٰ کو گزرے سال ہونے والا تھا مگر وہ لوگ آج بھی اسے بھلا نہیں سکے تھے۔ مہران، محسن، ہاسم سب کو ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ جو وہ لوگ ہر دم ہنگامہ مچائے رکھتے تھے جن کا ایک پل بھی ایک دوسرے سے لڑے بغیر نہیں گزرتا تھا جن کی ہنسی و قہقہوں سے شاہ ہاؤس کے در و دیوار گونجا کرتے تھے۔ وہاں اب صرف خاموشیوں اور اداسیوں کا پہرہ رہنے لگا تھا۔ مہران آہستہ سے قدم بڑھاتا کائنات کے قریب آیا تھا اور پھر خود بھی اس کے برابر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے گالوں پر بہتے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کیے تھے۔

"ایسے مت رویا کرو کائنات! ہم سب کے علاوہ مرتضیٰ کی روح کو بھی بہت تکلیف ہوتی ہوگی۔ وہ تو تمہیں کبھی اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی خاطر خود کو سنبھال لو تمہیں اس طرح اس کی یاد میں تڑپتے بلکتے دیکھ کر ہم سب لوگ بھی کبھی اسے بھلانے میں کامیاب نہیں ہو پائیں گے۔" سرخ انگارہ ہوتی آنکھیں اس کے کڑے ضبط کی گواہ تھیں۔

"آپ لوگ مرتضیٰ کو بھلا دینا چاہتے ہیں؟" کائنات کے بہتے آنسو یک دم ٹھہر گئے تھے۔

"ہاں کائنات! ہم اسے صرف اچھی یاد کی طرح سینے میں چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ آنسو بنا کر اس کی یادوں کو بہانا نہیں چاہتے۔" مہران نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ شاید یہ کائنات کی بہتری کے لیے ضروری تھا۔ مرتضیٰ جو کائنات کو بلانے آیا تھا وہیں دروازے سے ہی خالی دل لیے پلٹ گیا۔ خاموشی کے ساتھ۔

"او کے کوشش کروں گی کہ مرتضیٰ کو پوری طرح سے بھول جاؤں تاکہ آپ لوگوں کو بھی اسے بھلانے میں آسانی ہو جائے۔" وہ یک دم کھڑے ہوتے ہوئے بھیگی آواز میں کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی اور اس کے جانے کے بعد مہران اپنے آنسو گالوں پر بہنے سے روک نہیں پایا تھا۔ مسکان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔

"یہ سب بہت ضروری ہو گیا تھا کہنا، اس لیے کہہ دیا ورنہ کائنات کبھی بھی خود کو اپنے ماضی سے باہر نکالنے میں کامیاب نہیں ہو پائے گی۔ ورنہ کیا ہم سب بھی اسے بھول سکیں گے۔" وہ کہنے کے ساتھ ہی مسکان کا ہاتھ کندھے سے ہٹاتا خود بھی تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔

☆......☆

وہ بے چین دل کے ساتھ مسلسل سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا مگر پھر بھی بے چین دل کو کسی طور آرام نہ تھا۔ رات کے دو بجے ٹیرس پر بے چینی کے عالم میں ٹہلتا وہ دھڑا دھڑ سگریٹ کے ساتھ خود بھی ان دیکھی انجانی آگ میں جل رہا تھا۔

ایسا کیوں کیا تم نے مرتضیٰ! اتنی خاموشی کے ساتھ چلے گئے۔ تم تو لبوں پر چپ کا قفل لیے چلے گئے اور دیکھو تمہارے جانے کے بعد تمہارا یہ دوست کتنا اکیلا ہو گیا ہے۔ بی بی جان نے مجھے اپنی محبت کا واسطہ دے کر مجبور کیا کہ میں کائنات سے نکاح کر لوں۔ میں نے ان کی محبت کی خاطر سر جھکا دیا اور وہ یہ سمجھتی ہے کہ میں نے اسے حاصل کرنے کے لیے تمہیں راستے سے ہٹانے کے لیے بددعائیں دیں اور اسے حاصل کر لیا۔ اس کی نظر میں میں تمہارا مجرم ہوں جب کہ تم جانتے ہو میں ایسا کبھی بھول کر بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ میں نے تو ہر پل تم دونوں کی خوشیوں کے لیے دعا کی مگر دیکھو یار! اس کی نظر میں، میں ایک قاتل ہوں، وہ تو سب کے سامنے رو دھو

کر اپنے دل کا غبار ہلکا کر لیتی ہے، میں تو وہ بھی نہیں کر سکتا یہ کس دوراہے پر زندگی آ گئی ہے، مرتضیٰ دیکھو تم دوست کس عذاب میں گرفتار ہے۔" آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر اس کے گالوں پر چلے آئے تھے۔ جب اس نے کائنات کو وہ سب کہتے سنا تھا اور ان سب کو روتے دیکھا تھا۔ جب سے وہ ایک عذاب میں خود کو گھرا محسوس کر رہا تھا۔ دل میں اس کے گناہ کا احساس بڑھ گیا تھا۔ وہ بھی ایسے گناہ کا عذاب جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

☆.....☆

پھر سے وہی روٹین شروع ہو چکی تھی۔ ان دونوں کی جو پچھلے دس مہینوں سے چلی آ رہی تھی۔ ایک دوسرے سے لاتعلق اپنی ذات کی بے چینیوں میں گم مرتضیٰ صبح کا گیا شام کو لوٹتا دل کرتا تو کھا لیتا ورنہ ایک کپ کافی کا اور اس کا PC ہوتا، رات گئے تک وہ PC پر کام کرتا اور پھر جب بہت زیادہ نیند آتی تو سو جاتا، کائنات کا بھی ایسا ہی کچھ تھا، دل کیا تو کھا لیا ورنہ یوں ہی خالی چائے پر گزارہ کر لیا، مرتضیٰ کی ہر ضرورت کا خیال کرتی چاہتے ہوئے بھی کیونکہ فطرتاً وہ ایک نرم دل رکھنے والی لڑکی تھی مگر منہ سے ایک لفظ نہ نکالتی اگر کبھی وہ غلطی سے کچھ کہہ بھی دیتا تو اس کے لفظوں سے صرف آگ ہی آگ برسا کرتی، جس کی تپش سے مرتضیٰ کا دماغ رواں جھلس جاتا تھا، پھر رفتہ رفتہ وہ بھی خاموشی اختیار کرتا گیا۔ آج وہ خلاف توقع جلدی گھر آ گیا تھا، وہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی، وہ سیدھا کچن میں ہی چلا آیا۔

"پلیز کائنات! ایک کپ چائے کے ساتھ کوئی پین کلر بھی دے دینا، میں بیڈ روم میں جا رہا ہوں۔" آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا، کچن کے دروازے کی چوکھٹ میں وہ کھڑا تھا۔ سرخ ڈورے اس کی آنکھوں میں نمایاں تھے۔ چہرہ بھی سرخی لیے ہوئے تھا۔ آواز میں بھی بھاری پن تھا۔ اپنی بات مکمل کرتا وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا اور وہ خالی چوکھٹ پر نگاہ جمائے کچھ پل یوں ہی کھڑی رہی، پھر سر جھٹک کر چائے بنانے لگی چائے کپ میں ڈال کر ساتھ کچھ اسنیکس رکھ کر ٹرے میں رکھی اور ٹیبلٹ رکھ کر ٹرے لے کر بیڈ روم میں چلی آئی وہ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا۔

"چائے لے لیں۔" بغیر اسے مخاطب کیے کہا تھا۔

"تھینکس۔" چائے کا کپ لبوں سے لگاتا وہ تشکر آمیز انداز میں بولا تھا۔

"خالی چائے مت پئیں اسنیکس کھا لیں، پھر ٹیبلٹ کھائیے گا۔" نہ جانے کیسے اس کے منہ سے یہ چند الفاظ نکل گئے تھے۔ مرتضیٰ کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی اپنے آپ پر حیران سی رہ گئی۔ پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی اور وہ بند دروازے کو یکٹارہ گیا۔ سارے کاموں سے فارغ ہو کر عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ بیڈ روم میں آئی تو اندھیرے نے اس کا استقبال کیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر لائٹس آن کی تھیں۔ کمرہ یک دم سے دودھیا سی روشنی میں نہا گیا۔ اس کی نظر بیڈ پر بانکل بے سدھ پڑے مرتضیٰ پر گئی وہ آنکھیں بند کیے سو رہا تھا۔ سوتے میں بھی اس کا پورا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اسے عجیب سا احساس ندامت ہوا تھا۔

"اٹھ جائیں، کھانا کھا لیں۔" بیڈ کے سرہانے کھڑے ہو کر اس نے مرتضیٰ کو اٹھانے کی سعی کی تھی مگر اس کے دو تین بار آواز دینے کے باوجود بھی وہ جوں کا توں بے سدھ پڑا رہا تھا۔

"مرتضیٰ! انھیں کب سے سور ہے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی تھی مگر ہاتھ پکڑتے ہی اسے لگا اس نے کوئی انگارہ چھو لیا ہو۔ بے اختیار اس کا ہاتھ اس کی پیشانی تک گیا تھا۔ وہ بھی آگ کی طرح جل رہی تھی اور وہ خود بخار کی شدت سے بے سدھ پڑا تھا، اس نے گھڑی پر نظر ڈالی جو دس بجا رہی تھی۔

"یا اللہ! کیا کروں میں شاہ ہاؤس اگر اس وقت فون کروں گی تو پورا گھر پریشان ہو جائے گا اور یہ اس طرح سے بخار میں جل رہے ہیں۔" اچانک اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا تھا۔

"میں ڈاکٹر تنویر کو کال کرتی ہوں۔" اس نے جلدی سے ڈاکٹر تنویر کو کال کی تھی اور خود ٹھنڈے پانی کا باؤل لا کر اس کے پاس بیٹھ کر اس کے سر اور ہاتھوں پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے لگی تھی۔

"کب سے ہے مرتضیٰ کی یہ حالت؟" ڈاکٹر تنویر کچھ ہی دیر میں پہنچ گئے تھے اور اب مرتضیٰ کی نبض چیک کرتے کائنات سے پوچھ رہے تھے۔

"کچھ گھنٹوں پہلے تک تو ٹھیک تھے، معمولی سا سر میں درد تھا۔" وہ جلدی سے گڑبڑا کر بولی تھی۔

"ایک سو دو بخار ہے۔ میں نے انجکشن لگا دیا ہے، کچھ دیر میں بخار اتر جائے گا۔ یہ دوائی انہیں دو دو گھنٹے کے وقفے سے پلاتی رہیے گا۔ انشاء اللہ آرام آ جائے گا۔" انہوں نے اپنا بریف کیس اٹھاتے ہوئے کائنات سے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"تھینک یو ڈاکٹر!" وہ تشکرانہ انداز میں مسکرائی تھی۔

"بیٹا یہ میرا فرض تھا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے اور خدا حافظ کہتے باہر نکل گئے۔ ڈاکٹر تنویر ان کے فیملی ڈاکٹر تھے۔

ان کے جانے کے بعد وہ واپس بیڈ روم میں آئی۔ باؤل کا پانی چینج کر کے ڈاکٹر تنویر کی ہدایت کے مطابق وہ ایک مرتبہ پھر سے اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے لگی تھی۔ رات کے نہ جانے کس پہر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ پیاس کی شدت سے اس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ وہ اپنے بے جان ہوئے وجود کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"آپ کو کچھ چاہیے؟" اسے اٹھتے دیکھ کر کائنات نے پوچھا تھا۔

"پ..... پا..... پانی چاہیے۔" مرتضیٰ نے نیم غنودگی کے عالم میں کہتے سر واپس تکیے پر ڈال دیا۔ اس نے سہارا دے کر اسے اٹھایا اور اپنے ہاتھ سے اسے پانی پلایا۔ پانی کے چند گھونٹ لینے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر آنکھیں موندھ گیا تھا۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھی بے خیالی میں اسے دیکھے گئی۔ بخار کی حدت سے اس کا چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔ بڑی بڑی کالی سیاہ آنکھیں بند تھیں۔ پیشانی پر کالے سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے۔ گھنی مونچھوں تلے اس کے گلابی ہونٹ آپس میں پیوست تھے۔ وہ سوتے میں بہت معصوم لگ رہا تھا۔ اس کی نگاہ مرتضیٰ کے چہرے میں الجھ سی گئی۔

"اگر تمہیں میری زندگی میں آنا تھا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے مرتضیٰ کی محبت کیوں میرے دل میں ڈالی اور اگر اس کی محبت میرے دل میں ڈالی تو پھر تم کیوں میری زندگی میں چلے آئے۔ میری تقدیر نے مجھے ایسے دوراہے پر لا کر کیوں کھڑا کر دیا ہے کہ نہ پیچھے پلٹ سکتی ہوں نہ آگے بڑھ سکتی ہوں۔ ایک بے نام و نشان راستے پر کھڑی ہوں جس کی کوئی منزل نہیں ہے یا اللہ! مجھے اس کشمکش سے نجات دے دے، جو میرے لیے بہتر تھا۔ تیری نظر میں تو مجھے وہ عطا کر دیا تو پھر میرے بے چین دل کو سکون بھی عطا کر دے۔ مجھے اپنے نصیب پر شاکر رہنے کی توفیق عطا کر دے یا اللہ! مجھے اس دوہرے عذاب سے چھٹکارا دلا دے، اے پاک پروردگار! مجھے اس بے نام سی بے چینی سے نجات دے دے۔" بے اختیار اس کے لبوں سے یہ دعا نکلی تھی اور آنکھوں سے آنسو بھی بے اختیار ہی بہہ رہے تھے۔

مرتضیٰ کے جانے کے بعد آج پہلی بار اس نے اپنے رب سے اپنے لیے کچھ مانگا تھا۔

☆.....☆

پورے دو دن بعد آج وہ آفس گیا تھا۔ پچھلے دو دنوں میں اسے لگا تھا وہ کوئی بہت حسین خواب دیکھ رہا ہے۔ جس طرح کائنات نے اس کا خیال رکھا تھا۔ وہ ایک دم سے بالکل پہلے والی کائنات لگنے لگی تھی۔ پچھلے دو دنوں میں اس نے مرتضیٰ کو کوئی کڑوی کسیلی باتیں نہیں سنائی تھیں بلکہ بہت نرمی اور دھیمے لہجے میں اس سے بات کی تھی۔ مرتضیٰ کو لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے جو کسی بھی وقت چھناکے سے ٹوٹ جائے گا اور شاید حقیقت بھی یہی تھی۔

وہ تمام کاموں سے فراغت پانے کے بعد باتھ لے کر نکلی۔ تو سامنے بیڈ پر مرتضیٰ کو آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹے دیکھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی؟" وہ اس کے پاس آ کر کھڑے ہوتے ہوئے متفکر لہجے میں بولی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہوں میں۔" اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر ایک نظر سامنے پریشان سی کھڑی کائنات کو دیکھا اور بلا ارادہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ پنک کلر کے کاٹن کے سوٹ میں ڈھلے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ اسے بہت خوب صورت لگی تھی وہ اسے یک ٹک دیکھے گیا۔

"چائے لاؤں؟" وہ اس کی نظروں کی تپش سے کنفیوژ ہوتے ہوئے بولی۔ اس کی گھنی خمدار پلکیں بے اختیار ہی جھک گئیں۔

"ہاں لے آؤ، جب تک میں فریش ہو جاتا ہوں اور پھر تم تیار ہو جاؤ شاہ ہاؤس چلنا ہے۔" وہ اس کے دلکش سراپے سے نظریں ہٹاتا ہوا بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"کیوں خیریت؟" وہ جاتے جاتے پلٹی تھی۔

"بی بی جان نے بلوایا ہے حسن کی کال آئی تھی۔" وہ وارڈ روب کا پٹ بند کرتے ہوئے بولا۔

"بی بی جان نے کیوں بلوایا ہے؟" اس کے منہ سے بے اختیار ہی سوال پھسل گیا تھا۔

"یہ تو وہاں جا کر ہی پتہ چلے گا، فی الحال تم فٹافٹ تیار ہو جاؤ، میں بس فریش ہو کر آتا ہوں پھر نکلتے ہیں۔" وہ کہنے کے ساتھ ہی واش روم میں گھس گیا۔

"ابھی تین دن پہلے تو آئی ہوں پھر انتا رجنٹ کیوں بلوایا ہے؟" وہ سوچتی ہوئی کچن کی طرف چل دی۔

☆.....☆

"تمہیں خود سے تو توفیق نہیں ہوتی کہ کبھی خود سے آ کر بوڑھی بی بی جان سے مل لوں، شادی کے بعد الگ گھر میں شفٹ کیا ہو گئیں لگتا ہے ہم سب کو بھی خود سے الگ کر دیا ہے۔"

کائنات نے جوں ہی بی بی جان کے آگے سلام کر کے سر کو جھکایا تو وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی فوراً خفگی بھرے انداز میں بولیں تھیں۔

"بی بی جان! میں بھلا آپ سب کو بھول سکتی ہوں۔" کائنات نے ہنستے ہوئے ان کے گلے میں بانہیں ڈالی تھیں۔

"بس..... بس رہنے دو سب پتا ہے مجھے۔" بی بی جان نے اسے مصنوعی خفگی بھرے انداز میں ڈانٹا۔

"اگر آپ دادی، پوتی کے لاڈ پورے ہو گئے ہوں۔ تو ہم بھی کھڑے ہیں راہوں میں۔" مرتضیٰ نے پر مزاح انداز میں کہتے بی بی جان کے آگے سر جھکایا کائنات سائیڈ پر ہو کر بیٹھ گئی۔

"بی بی جان! انتا رجنٹ کیوں بلوایا ہے ہم لوگوں کو آپ نے؟" مرتضیٰ نے پان لگاتی بی بی جان سے کہا۔

"بیٹا! ہم لوگوں نے سوچا ہے کہ اب مہران اور حسن کی بھی شادیاں کر دینی چاہیے تاکہ یہ دونوں بھی کھونٹے سے بندھ جائیں تو کچھ ذمے داری ان دونوں میں بھی آ جائے۔" بی بی جان نے مرتضیٰ کے ساتھ بیٹھے مہران اور حسن کو دیکھتے ہوئے کہا باقی سب دبی دبی مسکان لیے ان دونوں کو دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا بی بی جان! ابھی کیا ہم ذمے دار انسان نہیں ہیں؟" مہران نے بھرپور طریقے سے حیران ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے آنکھیں پٹپٹائیں تھیں۔

"بالکل بھی نہیں ہو۔" عالیہ بیگم نے بی بی جان کو چھالیہ کا ڈبہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ بالکل غلط الزام ہے ہم دو معصوم کنوارے نوجوانوں پر۔" حسن نے اپنے نادیدہ آنسو صاف کیے۔

"تم چپ کرو مسخروں سے فرصت نہیں ملتی۔ آپ لوگ ڈیٹ فکس کریں اور انہیں بھی ٹھکانے سے لگائیں، ان دونوں کی لن ترانیاں تو کبھی ختم نہ ہوں گی۔" کائنات نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

"اگلے ہفتے کی ڈیٹ رکھی ہے ساری تیاری تو ہے پھر کون سا کہیں دور جانا ہے گھر کی تو بات ہے۔" سلمیٰ بیگم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا جو کائنات کے چند جملے سن چکی تھیں۔

"آپ دونوں کان کھول کر سن لیں میری بات۔" مسکان نے چائے کی ٹرالی اندر لاتے ہوئے باآواز بلند کہا تھا۔

"جی محترمہ! آپ بھی فرمائیے۔" مرتضیٰ نے چائے کا کپ تھامتے ہوئے دھیمی سی مسکان کے ساتھ کہا۔

"کل سے آپ دونوں بھی رکنے کے لیے آ رہے ہیں شادی ختم ہونے تک اور کوئی بہانے بازی نہیں چلے گی اور اگر نہیں میری بات مانی تو دوبارہ مجھ سے بات مت کرنا۔" کائنات کو کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتے دیکھ کر مسکان نے ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے کہا۔

"مسکان گڑیا! کل سے تو نہیں مگر شادی شروع ہونے سے پہلے ضرور آ جائیں گے۔ ابھی تو ہفتہ پڑا ہے۔" مرتضیٰ نے پیار سے کہتے ایک سرسری سی نظر کائنات پر بھی ڈالی تھی۔

"پکا۔" وہ کچھ لمحوں تک مرتضیٰ کو نا راضی سے دیکھتی رہی۔ پھر اس کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے بولی۔

"بالکل پکا۔" مرتضیٰ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ کائنات نے ایک ممنونیت بھری نگاہ مرتضیٰ پر ڈالی تھی اور پھر بی بی جان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو شادی کے بارے میں قریب بیٹھی عالیہ بیگم اور شمع بیگم سے تفصیلی گفتگو کر رہی تھیں۔

☆.....☆

شاہ ہاؤس میں ایک مرتبہ پھر شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ مرتضیٰ کے جانے کے بعد آج کتنے عرصے بعد شاہ ہاؤس میں خوشیوں نے قدم رکھا تھا مگر پھر بھی ایک عجیب سی اداسی تھی جس نے ہر کسی کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا جب کہ پورا گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔

"کائنات بیٹا! ذرا اندر سے اپنے بڑے پاپا کو بلا کر لے آؤ۔ باہر عصبان بھائی بلا رہے ہیں انہیں۔" وہ باہر جا رہی تھی کہ عالیہ بیگم عجلت میں اندر آئی تھیں۔ کائنات پر ان کی نظر پڑی تو عثمان شاہ کو باہر بھیجنے کا کہتی وہ جس طرح عجلت میں آئی تھیں۔ ویسی ہی چلی بھی گئیں۔ وہ سر ہلاتی واپس اندر کی طرف بڑھ گئی اور عثمان شاہ کو تلاش کرتی ان کے کمرے تک آ گئی۔

"بڑے پاپا! آپ کو چاچو بلا رہے ہیں۔" وہ کھلے دروازے سے اندر آتی ہوئی بولی کہ اچانک نگاہ ان کے

http://readingcornerpk.blogspot.com/

برابر کھڑے مرتضیٰ پر جا پڑی، اس نے بھی اسی وقت اس کی طرف دیکھا تھا۔ دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا تھا اور بڑا اچانک ہوا تھا۔ وہ فوراً نگاہ پھیر گئی جب کہ مرتضیٰ اس کے حزن ملال میں گھرے دو آشنہ حسن کو دیکھتا رہ گیا۔ یلو شیفون کے سوٹ پر ہم رنگ دوپٹہ شانوں پر ڈالے کانوں میں بیلے کے پھولوں کے بڑے بڑے بالے پہنے، گجرے سے گندھی چوٹی کو آگے ڈالے ہاتھوں میں ہم رنگ چوڑیاں پہنے ہلکے پھلکے میک اپ میں وہ واقعی حسن مجسم لگ رہی تھی اس پر اس کے خوب صورت چہرے پر پھیلتی اداسی نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے وہ ناپلک جھپکائے اسے دیکھے گیا۔

عثمان شاہ تو کب کے جا چکے تھے اور ان کے پیچھے وہ بھی چلی گئی تھی اور مرتضیٰ وہ ابھی تک اسی زاویے پر ساکت کھڑا نگاہ اسی جگہ جمائے کھڑا تھا۔ جہاں کچھ دیر پہلے کائنات کھڑی تھی۔

"تم سپنوں کی کون سی وادی میں گم اسٹیچو بنے کھڑے ہو۔" ہاسم اسے ڈھونڈتا ہوا آیا تھا اور اسے کسی بے جان مجسمے کی مانند ساکت و صامت دیکھ کر قدرے جھنجوڑنے کے سے انداز میں ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"آں..... ہاں..... کیا ہوا؟" وہ کچھ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"چلیے نیچے سب آپ کو بلا رہے ہیں قوی الحال خوابوں کے حسین جزیرے سے باہر نکل آیئے۔" ہاسم کہنے کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا نیچے کی طرف بڑھ گیا۔

اسٹیج پر الگ ہی ہنگامہ برپا تھا پورے اسٹیج پر ینگ جنریشن نے قبضہ جمایا ہوا تھا۔ ساتھ ساتھ فوٹو سیشن بھی ہو رہا تھا۔ ان کے درمیان میں نمیرہ کے ساتھ کھڑی کائنات کے چہرے پر بھی مسکان تھی مگر مرتضیٰ پر نظر پڑتے ہی لمحے میں اس کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی، لب آپس میں بھنچ سے گئے تھے۔ مرتضیٰ اس پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالتا دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"چلیں، ایک فوٹو آپ دونوں بھی ساتھ میں بنوالیں۔" مسکان نے کائنات کا ہاتھ کھینچ کر مرتضیٰ کے برابر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"اتنے سارے تو بنوائے ہیں۔" کائنات نے گڑبڑا کر مرتضیٰ سے ذرا فاصلے پر جاتے کہا تھا۔

"تو جہاں اتنے سارے بنوائے ہیں وہاں ایک اور بنوالیں۔" ہاسم نے بھی شامل گفتگو ہوتے ہوئے کہا۔ اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں مجبوراً کائنات کو خاموش ہونا پڑا تھا کیوں کہ تمام حاضرین کی نظریں ان دونوں پر ہی تھیں وہ دونوں سب کی نظروں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

"پلیز! تھوڑا قریب ہو جائیں۔" فوٹو گرافر نے کیمرے کے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔ وہ جز بز ہوتی تھوڑا سا مرتضیٰ کے قریب ہوئی، فاصلہ بہر حال برقرار تھا۔

"کیا مرتضیٰ بھائی سے جھگڑا ہوا ہے جو یوں دور دور بھاگ رہی ہو۔" نائلہ نے اس کے گریز کو دیکھتے ہوئے شوخ سا فقرہ کسا تھا۔ وہ ایک دم سے سٹپٹا سی گئی اس کے شرارتی سے انداز پر۔

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم دونوں میں اتنا پیار ہے کہ جھگڑے کی نوبت ہی نہیں آئی کزن۔" مرتضیٰ نے فوراً بات سنبھالی تھی اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے بالکل قریب کر لیا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ کائنات نے اس کی اتنی جرأت پر اسے پلٹ کر دیکھا تھا اور اسی وقت بے تحاشا تالیوں اور سیٹیوں کے شور میں فوٹو گرافر نے اس منظر کو اپنے کیمرے کی آنکھ میں قید کر لیا تھا۔ کائنات کو لگا کہ اس کے شانے پر کسی نے جلتا انگارہ رکھ دیا ہو۔ تصویر بنتے ہی وہ اس کا ہاتھ غیر محسوس انداز میں شانے سے جھٹکتی وہاں سے تیزی کے ساتھ نکلتی

چلی گئی۔ مرتضیٰ نے اس کی آنکھوں میں جھلملاتی نمی کو بغور دیکھا اور پھر ویران پڑے دل کے ساتھ دور تک اسے جاتا دیکھتا رہا۔

☆.....☆

"کاش مرتضیٰ! آج تم بھی ہم سب کے درمیان موجود ہوتے تو ان ادھوری خوشیوں کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا۔ میرے دل میں نارسائی کے دکھ رقم نہ ہوتے، میں بھی پورے دل سے ان خوشیوں بھرے لمحوں کو محسوس کرتی میری ویران آنکھیں بھی آباد ہوتیں لیکن دیکھو تم چلے گئے اپنے سارے وعدے توڑ کر اور اس دنیا میں مجھے تنہا چھوڑ کر۔" چھت کے پلر سے ٹیک لگائے آسمان پر نگاہ جمائے مسلسل بہتی آنکھوں کے ساتھ وہ لایعنی سوچوں میں گھری کھڑی تھی۔ چار سو رات کی تاریکی میں چاند کی سنہری روشنی بکھری پڑی تھی۔ سب تھک ہار کے سو گئے تھے مگر تھکن کے باوجود نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، دل بیزار تھا اندر کی گھٹن سے گھبرا کر وہ چھت پر چلی آئی مگر مرتضیٰ کے خیال سے پیچھا نہیں چھڑا سکی تھی وہ جو اسے بھولنے کی کوشش میں اپنا آپ ہلکان کیے ہوئے تھی، آج وہ کوشش لمحے میں پارہ پارہ ہو گئی تھی۔ جب وہ نمیرہ کو رسم کے لیے لینے آئی تو وہ ایک دم سے گڑبڑا کر آنکھیں صاف کرتی نگاہ جھکا گئی۔ اس کے سرخ چہرے اور بھیگی پلکوں کو کائنات نے بڑی توجہ سے دیکھا تھا پھر اس کے برابر بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھامتے اس کا چہرہ ہاتھ سے اوپر اٹھایا تھا۔

"کیا بات ہے نمیرہ؟" اس نے اسے بڑے دھیان سے دیکھتے پوچھا۔

"کچھ بھی تو نہیں تم کیوں آئی ہو۔" وہ بات بدلتے نگاہ چراتے ہوئے بولی۔

"اتنا پرایا تو مت کرو نمیرہ! کہ کچھ بتانے کے قابل بھی نہ سمجھو۔" بے اختیار وہ یاسیت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"تم ایسا کیوں سوچنے لگی ہو کائنات!" نمیرہ نے ایک خاص نگاہ اس کے حزن و ملال میں ڈوبے چہرے پر ڈالی۔

"تو پھر کیا سمجھوں تمہارے اس رویے کو۔" اس نے بھی برجستہ کہا تھا۔

"کائنات! آج مرتضیٰ بھائی بہت یاد آ رہے ہیں۔" نمیرہ سے اور زیادہ ضبط نہ ہو سکا تھا وہ اس کے شانے سے سر ٹکاتے ایک دم سے سسک پڑی اور کائنات اس کا اپنا دل بھی لمحہ بھر کو ساکت رہ گیا تھا۔ آج اسے بھی تو وہ بے پناہ یاد آ رہا تھا۔ کتنی مشکل سے اس نے اپنے آپ پر ضبط کے کڑے پہرے بٹھائے تھے اور نمیرہ کو بھی چپ کروایا تھا مگر اپنے سسکتے دل کو نہیں سمجھا سکی تھی وہ اپنی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ کندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ پیچھے مرتضیٰ کھڑا تھا۔ چہرے پر گہری اداسی لیے وہ سرعت سے آنکھیں صاف کرتی پیچھے کو ہٹی تھی اور نیچے جانے کو قدم بڑھائے تھے کہ ہاتھ مرتضیٰ کے ہاتھ میں قید ہوا تھا۔ اس نے کچھ غصے اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ مرتضیٰ کو دیکھا تھا کیوں کہ آج تک اس نے اس طرح کبھی نہیں کیا تھا تو اس کا حیران ہونا لازمی تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی وہ اس کا ہاتھ تھام کر سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گیا اور اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا مگر وہ یوں ہی کھڑی خالی نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔

"پلیز بیٹھ جاؤ کائنات۔" اس نے بڑے التجائیہ انداز میں کہتے اس کی حیران نظروں کو نظر انداز کرتے کہا تھا اور نہ جانے اس کی آواز میں ایسا کیا تھا کہ آج پہلی بار وہ کوئی بحث کیے بنا خاموشی سے اس کی بات مان گئی تھی۔

کچھ پل یوں ہی خاموشی کی نذر ہو گئے تھے۔

"مرتضیٰ! آج بہت یاد آ رہا ہے ناں تمہیں؟" اس کی نم آلود پلکوں کو دھیان سے دیکھتے مرتضیٰ نے سوال کیا تھا۔ وہ پل بھر کو ساکت سی رہ گئی تھی۔ سوال ایسا تھا کہ وہ جواب میں نہ انکار کر پائی اور نہ اقرار بس یوں ہی خاموش بیٹھی رہی۔

"سچ بتاؤں آج مجھے بھی اس کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوئی ہے۔ اس کی یاد نے آج پھر کمرنٹ زدہ زخموں کو ہرا کیا ہے۔ آج پہلا موقع ایسا ہے کہ ہماری خوشیوں میں وہ شامل نہیں ہے۔ تم جانتی ہو کائنات! گھر کے ہر فرد کی آنکھوں میں اس کی یاد آنسو بن کر ٹھہری ہوئی ہے مگر سب ایک دوسرے سے خود کو چھپاتے پھر رہے ہیں کہ کہیں کسی کی آنکھ میں ٹھہرا آنسو سب کے بکھر جانے کا سبب نہ بن جائے۔ لمحہ لمحہ جمع کیے گئے ضبط کا دامن نہ چھوٹ جائے اگر معلوم ہوتا کہ اس کا گھر سے نکلنا ہمارے دلوں پر ایسا ستم ڈھائے گا تو شاید اسے کبھی نہ جانے دیتے تم جانتی ہو کائنات نہ جانے کیسے پہلی نظر میں تم سے مجھے محبت ہو گئی۔ جب کہ مجھے محبت جیسے جذبے سے کبھی کوئی لگاؤ نہ رہا مگر تمہیں دیکھتے ہی دل ہار بیٹھا مگر باخدا کبھی تمہیں پانے کی خواہش نہیں کی جانتا تھا کہ تم کسی اور کی محبت ہو اور جو شخص تم سے محبت کرتا تھا وہ مجھے بہت عزیز تھا۔ تم سے محبت تو بے اختیاری میں ہو گئی کہ دل پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ مگر میں نے تو بھول کر بھی کبھی تمہیں پانے کا خیال دل میں نہیں آنے دیا مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ قسمت کا لکھا کون ٹال سکتا تھا مگر میں نے کبھی خواب میں بھی تم دونوں کی جدائی کے بارے میں نہ سوچا تھا کیوں کہ محبت کچھ لینے اور دینے کی حد سے بہت اوپر ہوتی ہے۔ تم خوش رہتی میرے خوش رہنے کے لیے یہی بہت تھا۔ تمہاری نفرت کو آج تک بڑے حوصلے سے جھیلتا آیا ہوں مگر اب میرا حوصلہ ٹوٹنے لگا ہے۔ تمہاری نفرت برداشت نہیں ہوتی، میں تھکنے لگا ہوں، تمہاری نفرت و بے رخی سے میرا دل اب مزید کچھ نہیں جھیل پائے گا۔ پلیز کائنات رحم کھاؤ مجھ پر میں بالکل ٹوٹ کر بکھر گیا ہوں مجھے بھی کسی مہربان کندھے کی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے کہ کسی مہربان کندھے کی آغوش میں، میں بھی رو سکوں، دل میں جمع غبار باہر نکال سکوں، میرے دل پر جو ایک انجانا سا بوجھ دھرا ہے اسے ہلکا کر سکوں، تم میری اس بے نام و انجانی سی سزا کو ختم کر دو۔" وہ ایک تواتر سے بولتا چلا گیا۔ برسوں سے دل میں جمع غبار آج باہر نکلا تھا۔ جب اس کی آواز میں نمی گھلنے لگی تو وہ خاموش ہو گیا مگر اگلے ہی لمحے دنگ رہ گیا تھا۔ جب وہ اچانک اس کے شانے سے سر ٹکاتے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"میں اسے بھولنا چاہتی ہوں مگر بھول نہیں پاتی بارہا دل کو باور کروایا ہے کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا، بہت کوشش کرتی ہوں کہ جس رشتے میں بندھ گئی ہوں، اس کے تقاضے ایمانداری سے پورے کر سکوں مگر بہت چاہنے کے باوجود ایسا نہیں کر پاتی، کیا کروں میں؟ مجھے لگتا ہے میں کسی دن پاگل ہو جاؤں گی مرتضیٰ! جانتے ہو میں دو کشتیوں کی سوار ہو گئی ہوں، لگتا ہے کہ کبھی کوئی کنارہ نصیب نہیں ہوگا۔ بیچ سمندر میں ہی کہیں غرق ہو جاؤں گی۔" اس کے شانے سے سر ٹکائے وہ سسک کر بولتی اسے ساکت کر گئی تھی اس کے آنسوؤں سے اس کی شرٹ گیلی ہوتی رہی تھی اور مرتضیٰ کو اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو اپنے دل پر گرتے محسوس ہو رہے تھے مگر وہ چاہنے کے باوجود اسے نہ کوئی تسلی دے سکا تھا نہ چپ کروا سکا تھا۔ آج پہلی بار وہ اس کے سامنے اس طرح بے بس ہو کر بے اختیاری میں اپنی حالت اس پر آشکار کر گئی تھی اور مرتضیٰ کو ساکت کر گئی تھی۔

☆......☆

بارات کا ارینجمنٹ شہر کے مہنگے ترین ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ مہران اور حسن دولہا کے روایتی لباس میں خوب صورت لگ رہے تھے تو دلہن کے روایتی انداز میں سجی سنوری نیرہ اور نمرہ بھی حسین ترین لگ رہی تھیں۔ ہر کسی نے ان لوگوں کی جوڑی کو بہت سراہا تھا۔ نکاح کے فوراً بعد فوٹو سیشن ہوا تھا اور پھر ڈنر کے بعد رخصتی کا عمل دونوں ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں آ گئی تھیں۔ مگر پھر بھی سب کی آنکھیں گیلی ہو گئی تھیں۔ اگلے دن ولیمہ بھی

شاندار طریقے سے ہوا تھا اور ان لوگوں کی شادی بخیر و عافیت کے انجام کو پہنچی تھی۔

☆......☆

شادی کے ہنگامے سرد پڑتے ہی ایک مرتبہ پھر سے سب کی وہی پرانی روٹین شروع ہو چکی تھی۔ مہران، نیرہ حسن نمرہ شمالی علاقہ جات کی طرف سیر کے ارادے سے جا چکے تھے۔ وہ بھی ولیمہ کے دوسرے دن واپس اپنے گھر چلی آئی تھی جب کہ بی بی جان نے بہت روکا تھا مگر وہ انہیں کسی طرح سمجھا بجھا کر چلی آئی تھی۔ اس کی ویران آنکھوں اور بجھے چہرے کو دیکھتے ہوئے بی بی جان نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ لاڈلی پوتی کے دکھ سے وہ بھی اچھی طرح واقف تھیں۔ بے شک انہوں نے کسی بھی طرح اس کا گھر بسا دیا تھا مگر انہوں نے بھی ہمیشہ چشم تصور میں اسے مرتضیٰ کے ساتھ ہی دیکھا تھا۔ دکھ تو انہیں بھی تھا مگر وہ کسی پر ظاہر نہیں کرتی تھیں۔ حسب معمول مرتضیٰ آفس جا چکا تھا۔ وہ اس کے جانے کے بعد گھر کے کاموں سے فراغت کے بعد جی بھر کے بور ہو رہی تھی۔

"ایک تو یہ گھر کے کام بھی اتنی جلدی نمٹ جاتے ہیں۔" اس نے جھنجلا کر ہاتھ میں لیا میگزین سائیڈ پر رکھ دیا۔ پھر ایک نظر گھڑی پر ڈالی جو سات بجا رہی تھی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا کسی چینل سے کوئی فلم آ رہی تھی۔ اس نے بیزار سے انداز میں چینل چینج کر دیا اسے شروع سے ہی فلموں اور ڈراموں سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ تو وہ نیوز چینل لگا کر دیکھنے لگی خبریں شروع ہونے میں ابھی چند منٹ باقی تھے، اس لیے ٹی وی کی اسکرین پر کمرشل بریک کا کوئی ایڈ چل رہا تھا لیکن چند سیکنڈ بعد ہی ٹی وی کی اسکرین پر بریکنگ نیوز کی ہیڈ لائن آنے لگی اور پھر نیوز کاسٹر نے کراچی شہر کے مشہور شاپنگ مال اور پبلک پلیس پر بم دھماکے کی نیوز سنائی تھی۔ ہزاروں لوگ شہید ہو چکے تھے اور جو زخمی تھے ان کی کنڈیشن بے حد سیریس بتائی جا رہی تھی۔

بم دھماکے، تباہیاں، افراتفری، ہڑتالیں ہر طرف گویا قیامت صغریٰ مچی ہوئی تھی، نہ گھر کے اندر رہنے والے محفوظ اور نہ گھر سے باہر جانے والے محفوظ، لوگ اندر سے ٹوٹ رہے ہیں آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے ہیں، مر رہے ہیں، کٹ رہے ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے بے حس و بے ضمیر لوگ حکمرانی کا تاج اپنے سروں پر سجانے والے اپنی ذمے داریوں سے اور حقوق کی ادائیگیوں سے لاپرواہ و لاتعلق بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اپنی غیر ذمہ داریوں، لاپرواہیوں کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں اور سارا الزام ایک دوسرے کے سر پر ڈالتے خود کو بری الذمہ سمجھتے ہیں۔ کیا ہوگا ہمارے اس معاشرے کا۔ جس کو نہ جانے کون لوگ اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہے ہیں۔ گھر تباہ ہو جاتے ہیں معصوم بچے یتیم و بے آسرا ہو جاتے ہیں۔ آخر کب تک لوگ اسی طرح سسک سسک کر جیتے رہیں گے۔ امن و امان کب قائم ہوگا، بربریت و سفاکیت کے مظاہرے کرنے والے کب پکڑ میں آئیں گے اور اس کے آگے ایک بڑا سا سوالیہ نشان تھا۔ وہ یونہی ساکت سی اسکرین پر نگاہ جمائے رہی۔ گالوں پر بے ارادہ ہی آنسو پھسل آئے تھے۔ اس کا ذہن اب سے کچھ عرصے قبل ماضی کے ایسے ہی کسی سانحے میں گم ہونے لگا کہ اچانک سیل پر ہونے والی بیپ نے اس کا دھیان اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ ٹی وی آف کرتی موبائل کی اسکرین پر مرتضیٰ کالنگ کے جگمگاتے حروف دیکھ کر یس کا بٹن پش کرتی کان سے لگا گئی۔

"کائنات! مجھے آنے میں دیر ہو جائے گی تم پریشان مت ہونا، آرام سے کھانا کھا کر سو جانا۔" کال ریسیو ہوتے ہی مرتضیٰ نے جلدی جلدی اسے ہدایت سے نوازا تھا۔

"آپ کیوں دیر سے آئیں گے؟"

"ایک فیملی فارن ڈیلی گیشن سے ارجنٹ میٹنگ ارینج ہو گئی ہے اور مجھے آدھے گھنٹے میں ریسٹورنٹ پہنچنا

ہے میں بس نکل رہا ہوں۔"

وہ یقیناً جلدی میں تھا شاید اسی وجہ سے اس کی آواز کے بھاری پن کو محسوس نہ کر سکا تھا۔

"پلیز کہیں مت جائیں گھر آجائیں جلدی۔" نہ جانے کیوں اس کا دل اس قدر گھبراہٹ کا شکار ہو رہا تھا کچھ دیر ٹی وی پر دیکھے جانے والا منظر اس کی نگاہوں میں گھوم گیا تھا۔

"کیا بات ہے کائنات! سب خیریت تو ہے۔" اس کے لہجے کا غیر معمولی پن اسے فوراً محسوس ہوا تھا۔

"بس آپ جلدی سے گھر آجائیں۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" اس کی آواز میں نمی گھلنے لگی تو اس نے اس کی جواب سنے بنا ہی سیل آف کر دیا تھا اور تقریباً پچیس منٹ بعد اسے پورچ میں گاڑی کے رکنے کی آواز آئی تھی تو جیسے وہ بے دم سی ہو کر وہیں قریبی صوفے پر بیٹھ گئی کچھ لمحوں بعد وہ اس کے سامنے موجود تھا۔

"کیا ہوا خیریت؟" وہ پریشان و متفکر سا اس کے اترے چہرے اور سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور اس کا دل اس وقت اتنا حساس ہو رہا تھا کہ بے اختیار برابر میں بیٹھے مرتضیٰ کے کندھے سے سر ٹکائے گھٹ گھٹ کر سسکیاں لینے لگی تھی وہ اس کے عمل پر دنگ سا بیٹھا رہ گیا۔

"مجھے کچھ بتاؤ گی کائنات! اس طرح کیوں رو رہی ہو۔" اس کا سر تھپکتے وہ نرمی سے کہہ رہا تھا دل الگ کے بے چین تھا۔

"ایسا کب تک چلے گا یہ بم بلاسٹ، فائرنگ، تباہیاں کب تک اسی طرح لوگ اپنے پیاروں کے غم میں تڑپتے، سسکتے رہیں گے، کب تک ہنستے بستے گھر اسی طرح کھنڈر بنتے رہیں گے، کب تک لوگ مر مر کر جیتے رہیں گے، کب تک لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیز از جان لوگوں کو لحد میں اتارتے رہیں گے۔" اس کے کندھے پر سر ٹکائے ایک ہاتھ سے اس کے کوٹ کا کالر پکڑے وہ ایک تواتر سے بولتی چلی گئی تھی اور مرتضیٰ کی جان میں جان آئی تھی۔ فون پر اس کی روئی روئی سی آواز سن کر وہ کس قدر بوکھلا گیا تھا، اتنی اہم میٹنگ کینسل کی تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسے لاکھوں کا نقصان ہو سکتا ہے۔ ایک گھنٹے کا راستہ پورے پچیس منٹ میں طے کر کے وہ گھر پہنچا تھا۔ اس نے آہستگی کے ساتھ اسے خود سے الگ کیا تھا۔ پھر سائیڈ ٹیبل سے گلاس میں پانی ڈال کر اسے دیا تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ پانی پی گئی۔

"اپنے آپ کو سنبھالو کائنات! بم بلاسٹ فائرنگ، لوٹ مار، قتل و غارت یہ سب تو اب بہت عام سی باتیں ہو کر رہ گئی ہیں۔ لوگ اب ان سب باتوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ اب لوگوں نے ان حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے اور بے چارے کر بھی کیا سکتے ہیں۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔ تم بھی ڈرنا چھوڑ دو۔ کیوں کہ ہم لوگ بھی اپنی زندگی کا قیمتی حصہ اسی طرح کے بم بلاسٹ کی نذر کر چکے ہیں۔ ہر چینل پر اسی طرح کے پروگرامز چلتے رہتے ہیں۔ ہر کوئی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تگ و دو میں سرگرداں ہے۔ کوشش کیا کرو اس طرح کے پروگرامز نہ دیکھو، کیا فائدہ اپنا ہی دل جلانے سے۔" نرمی سے سمجھاتا وہ خود بھی اداس سا ہو گیا تھا وہ اسے یک ٹک دیکھتی رہی۔

"ایک نقصان ہو گیا مگر کسی اور نقصان کو سہنے کی سکت نہیں ہے۔" وہ کچھ دیر یوں ہی اسے دیکھتی رہی، پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتی بول کر ایک دم اٹھ کر تیزی سے وہاں سے چلی گئی جب کہ وہ اس کے لفظوں پر غور کرتا دنگ سا بیٹھا رہ گیا۔

☆.....☆

آہستہ آہستہ نہ جانے کیسے اس کے رویے میں تبدیلی رونما ہونے لگی تھی۔ اب مرتضیٰ کو بھوکے آفس نہیں جانا پڑتا تھا بلکہ وہ روز صبح ناشتا تیار کر کے اس کے تیار ہونے تک ٹیبل پر لگا دیتی تھی، اس کے آفس جانے کے کپڑے خود ہی پریس کر دیتی اور کبھی کبھار ہلکی پھلکی بات چیت بھی کر لیا کرتی تھی۔ مرتضیٰ اس کے رویے پر حیران سا رہ جاتا تھا مگر چپ رہتا۔

"اتنی دیر ہو گئی ہے ابھی تک آئے کیوں نہیں؟" اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی جو نو بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ اسے بے چینی ہونے لگی۔ عموماً وہ آٹھ ساڑھے آٹھ تک گھر آجاتا تھا مگر آج ابھی تک نہیں آیا تھا کوئی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی مگر اب وہ یوں ہی گھبرا جاتی تھی۔ وہ اس کے سیل پر کال کرنے کا سوچ رہی تھی کہ مرتضیٰ کی کال آنے لگی۔ وہ یس کا بٹن پش کر کے سیل کان سے لگاتے ہی شروع ہو گئی۔

"کہاں ہیں آپ ابھی تک گھر کیوں نہیں آئے؟" وہ بڑی روانی سے سوال پر سوال کر رہی تھی۔

"اب میں کچھ بولوں؟" اس کے خاموش ہونے پر وہ گہری سانس لیتے بولا تو وہ ایک دم سے جھنجھلا سی گئی۔

"تو بولیے میں نے کب منع کیا ہے۔" کچھ خجل سے لہجے میں بولی تھی۔

"میں 10 بجے کی فلائٹ سے اسلام آباد جا رہا ہوں بہت ضروری کام ہے اس لیے جانا ضروری ہے، گھر آنے کا ٹائم نہیں ہے تم شاہ ہاؤس چلی جانا، باسم کو کال کر دی ہے میں نے، وہ کچھ دیر میں پہنچ جائے گا۔" وہ جلدی جلدی ہدایت دے رہا تھا یقیناً وہ بہت جلدی میں تھا۔

"آپ کی واپسی کب تک ہو گی؟" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میری واپسی کل بھی ہو سکتی ہے اور دو تین دن بھی لگ سکتے ہیں۔"

"بات سنیں میری میں کہیں نہیں جا رہی، سنا آپ نے۔" نہ جانے کیوں اسے غصہ آگیا تھا۔

"پلیز کائنات! اس بار ضد مت کرو، بات مان لو تم اکیلے کیسے رہو گی اور پھر میرا دل بھی تو تمہاری طرف سے پریشان رہے گا۔" اس کے لہجے میں نہ جانے ایسا کیا تھا کہ وہ چپ کی چپ رہ گئی۔

"اپنا بہت خیال رکھنا۔ میں بس نکل رہا ہوں اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ! آپ بھی اپنا خیال رکھنا۔" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکل گیا تھا اور پھر اس نے خود ہی کال ڈسکنکٹ کر دی اس کا جواب سنے بغیر۔

"یہ مجھے کیا ہو گیا ہے کیوں ماننے لگی ہوں میں اس کی باتیں۔" وہ اپنے آپ سے ہی الجھ پڑی۔

☆.....☆

وہ باسم کے ساتھ شاہ ہاؤس چلی آئی تھی اسے آئے ہوئے تقریباً ہفتہ ہو گیا تھا مگر مرتضیٰ کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ نہ جانے ایسا کون سا کام تھا جو ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

بی بی جان اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں، سلمیٰ بیگم اور عالیہ بیگم رشتے داروں میں کسی کی عیادت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ مسکان کی فرینڈ کا برتھ ڈے تھا وہ وہاں گئی ہوئی تھی۔ اس نے کائنات سے بھی کہا تھا مگر اس نے منع کر دیا۔ سر درد کا بہانہ کر کے اسے ٹال دیا تھا اور اب وہ اکیلے بور ہو رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے اس کے دل میں نہ جانے کیا سمائی کہ وہ مرتضیٰ کے کمرے میں چلی آئی۔ آہستہ سے کمرے میں داخل ہو کر اس نے لائٹ آن کی تو کمرہ جگمگا اٹھا۔ وہ سامنے وال پر نصب اس کی پورٹریٹ سائز نما تصویر کے آگے آکر کھڑی ہو گئی۔

"تم بتاؤ مرتضیٰ! میں کیا کروں۔ میرا دل عجیب کیفیت میں مبتلا ہے زندگی نے ایسے دوراہے پر لا کر کھڑا

کر دیا ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کس راستے کا انتخاب کروں جو منزل تک پہنچائے گا سب کہتے ہیں کہ تم اس دنیا سے چلے گئے ہو مگر میرا دل کیوں نہیں مانتا تم دور جا کر بھی پاس ہو اور جو پاس ہے وہ پاس ہو کر بھی دور کیوں محسوس ہوتا ہے، مگر اب دل کی کیفیت میں عجیب تلاطم برپا ہونے لگا ہے۔ اس کی یاد ستانے لگی ہے۔ اسے ٹوٹا ہوا دیکھ کر مجھے تکلیف ہونے لگی ہے۔ نگاہیں اس کا چہرہ دیکھنے کو بے تاب ہونے لگی ہیں، ایسا کیوں ہو رہا ہے میرے ساتھ میری سمجھ میں نہیں آرہا، مرتضیٰ تم ہی کوئی راستہ دکھا دو تم تو میری ہر پریشانی کا حل منٹوں میں ڈھونڈ لیا کرتے تھے، اس مشکل میں میری مدد کر دو، میری الجھن کو کوئی سرا پکڑا دو۔ مجھے لگنے لگا ہے، میں تم سے بے ایمانی کرنے لگی ہوں، میرا دل بے وفائی کا مرتکب ہو رہا ہے، کیا کروں میں؟" وہ ایک تواتر سے بولتی اس کی تصویر پر نگاہیں جمائے کھڑی تھی اور بہت تیز رفتاری کے ساتھ اس کی آنکھوں سے آنسو بھی ٹوٹ ٹوٹ کر گالوں پر بہہ رہے تھے۔

☆......☆

"تم یہاں......!" اس کا لہجہ تک کپکپا رہا تھا، آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

"آؤ میرے ساتھ تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ لیے پیچھے والے باغ کی طرف لے آیا اور جھولے پر بیٹھ گیا۔ ساتھ وہ بھی کسی کٹھ پتلی کی مانند اس کی تقلید کرتی رہی۔

"سنو کائنات! جو میں کہہ رہا ہوں اسے دھیان سے سننا۔" وہ یک ٹک اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ جب مرتضیٰ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا تھا جب کہ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"سنو کائنات! میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو لیکن اب تم کسی اور کی ہو چکی ہو تو اب تمہاری محبت اسی شخص کے لیے ہونی چاہیے۔"

"مرتضیٰ! میں صرف اور صرف تم سے محبت کرتی ہوں اور محبت صرف ایک بار ہوتی ہے، بار بار نہیں یہ ناممکن ہے۔" وہ تڑپ کر بولی تھی۔

"جانتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور محبت ایک بار ہی ہوتی ہے مگر تم گنجائش نکالو گی تو مرتقوٰی سے بھی محبت کرنے لگو گی۔ اپنے دل میں گنجائش پیدا کرو تھوڑا سا دل کو بڑا کرو سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی اب تم مرتقوٰی کی بیوی ہو وہ تمہارا شوہر ہے اور تمہیں صرف اسی سے محبت ہونی چاہیے۔ میں اب تمہارے لیے شجر ممنوع ہو چکا ہوں اور تمہاری دنیا سے بہت دور جا چکا ہوں۔ تم چاہتی ہو میں خوش رہوں سکون سے رہوں تو میری بات مان لو خود سے کیا گیا بے مصرف عہد توڑ دو کائنات۔"

"مگر یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔" وہ سسک کر بولی تھی آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے گالوں پر پھسل رہے تھے۔

"تمہیں یہ کرنا ہو گا مجھے بھولنا ہو گا میری خوشی کی خاطر۔" وہ اسے دیکھے بنا بولا تھا وہ یوں ہی روتی رہی۔ "چلتا ہوں اپنا بہت خیال رکھنا۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑواتا کھڑا ہو گیا تھا۔

"نہیں مرتضیٰ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ میں نہیں جی سکتی تمہارے بنا مجھے چھوڑ کر مت جاؤ میں مر جاؤں گی۔" وہ چیختی رہی مگر وہ چلا گیا بنا اسے دیکھے روتا بلکتا چھوڑ کر وہ بہت زور سے چیخی تھی اور پھر ہڑبڑا کر بستر سے اٹھی تھی اس کا پورا وجود پسینے سے شرابور تھا اوائل نومبر کے دنوں میں اے سی کی ٹھنڈک میں بھی اس کے وجود سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ سانس دھونی کی مانند چل رہی تھی۔ اس نے بستر سے نکل کر لائٹ آن کی اور سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر چند گھونٹ بھرے تھے اس کی نظر وال کلاک پر پڑی تو گھڑی رات کے ساڑھے تین بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔

"تو کیا میں خواب دیکھ رہی تھی؟" گالوں پر بہتے آنسو صاف کرتے اس نے اپنے چاروں طرف خالی خالی نگاہوں سے دیکھتے سوچا تھا۔

"کاش مرتضیٰ تم حقیقت میں یوں ہی اچانک میرے پاس آجاتے۔" وہ بے دم سی بستر پر گری گئی۔ ایک مرتبہ پھر اس کا ذہن کچھ دیر پہلے نظر آنے والے خواب میں الجھ گیا کہ یک دم اس کے ذہن میں کوندا سا ہوا تھا وہ اٹھی اور سیدھی اپنے کمرے سے نکل کر مرتضیٰ کے کمرے میں آکر اس کی تصویر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"تھینکس مرتضیٰ تم بہت بہت اچھے تھے کیوں کہ تم میرے مرتضیٰ تھے اور تمہیں میں بھول جاؤں ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ میرے دل کا وہ خانہ جہاں محبت گھر کرتی ہے ہمیشہ تمہاری اور صرف تمہاری محبت سے آباد رہے گا جہاں کوئی اپنے قدم بھی نہیں جما سکتا۔" وہ اس کی تصویر پر ہاتھ پھیرتی اس سے بول رہی تھی اور آنسو سارے بند توڑ کر بہہ نکلے تھے اور اس نے انہیں روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

☆......☆

شام کا وقت تھا۔ خنک ہوائیں چل رہی تھیں۔ اس کا دل ہر چیز سے بیزار ہو رہا تھا۔ کل رات جب سے اس نے خواب دیکھا تھا اس کا ذہن اسی خواب میں الجھے جا رہا تھا وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے کی کیفیت میں مبتلا تھی۔ لان میں ٹھنڈی نرم سی گھاس پر جب وہ چہل قدمی سے تھک گئی تو وہیں کین کی کرسی پر بیٹھ گئی اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں تو پلکوں پر نمی خود بخود آ گئی۔

وہ تھکا ماندہ سا کندھے پر سفری بیگ لیے جوں ہی گھر میں داخل ہوا پہلی نظر لان میں آنکھیں بند کیے بیٹھی کائنات پر پڑی۔ سرمئی کاٹن کے سوٹ میں بند آنکھیں کیے وہ اسے بہت اداس و مضمحل سی لگی تھی اس کے قدم بے اختیار اس کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

"السلام علیکم!" قریب جا کر اس نے اسے سلام کیا تھا۔

کائنات نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور اسے دیکھ کر بے اختیار کھڑی ہو گئی تھی۔

"وعلیکم السلام، چلیں اندر چلتے ہیں۔" کچھ سیکنڈ کی بے نام خاموشی کے بعد کائنات نے کہنے کے ساتھ ہی اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ پیچھے وہ بھی گہری سانس لیتا اداس دل لیے اس کے ساتھ چل دیا۔ "دیکھو تو کتنا سا منہ نکل آیا ہے میرے بچے کا۔ ان پندرہ دنوں میں۔" بی بی جان نے اپنی گود میں سر رکھ کر لیٹے مرتقوٰی کے سر میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ بی بی جان کے کہنے پر بے اختیار اس کی نظریں بی بی جان کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں بند کیے لیٹے مرتقوٰی پر ٹھہری گئیں۔ ہلکی بڑھی ہوئی شیو اترا ہوا اداس چہرہ پیشانی پر بکھرے بال وہ واقعی میں کچھ کمزور سا ہو گیا تھا۔ پورے پندرہ دن بعد اسے دیکھا تھا اور بے اختیاری میں وہ اسے یک ٹک دیکھتی رہی۔ اس کی نظروں کی تپش کا احساس تھا کہ اس نے ہلکی سرخ ہوتی آنکھوں کو پٹ سے کھول کر دیکھا تھا تو نظریں سیدھی کائنات کی نظروں سے جا ملیں تھیں۔ پل بھر کو دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا تھا کائنات نے سٹپٹا کر نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا۔ دل اچانک بڑے زور سے دھڑکا تھا اور مرتقوٰی سلمیٰ بیگم کی طرف متوجہ ہو چکا تھا جو چائے کے ساتھ کھانے کے ڈھیروں لوازمات لیے چلی آئی تھیں۔

"یہ میرا دل کیوں اس کی طرف کھنچنے لگا ہے؟" اس نے دل کی شور مچاتی لہروں کو نظر انداز کرتے سوچا اور پھر غلطی سے بھی دوبارہ مرتقوٰی کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

☆......☆

آج سنڈے تھا۔ لہٰذا چھٹی ہونے کی وجہ سے وہ گھر میں ہی موجود تھا۔ وہ ٹی وی پر نیوز دیکھنے میں مگن تھا جب کائنات نے زور سے چائے کا کپ اس کے سامنے ٹیبل پر پٹخنے کے سے انداز میں رکھا وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا اور بڑے غور سے اس کے تنے ہوئے تاثرات کو دیکھا تھا جو اپنا کپ لے کر سامنے رکھے کشن پر بیٹھ گئی تھی اور پاس پڑا میگزین اٹھا کر اس کی ورق گردانی شروع کر دی تھی وہ کچھ دیر یوں ہی اس کے ناراض چہرے کو بڑی فرصت سے دیکھتا رہا۔ پھر صوفے سے اٹھ کر خود بھی اس کے برابر میں آ کر بیٹھ گیا۔ وہ انجان بنی اپنے سابقہ کام میں مصروف رہی کہ مرتقویٰ نے اس کے سامنے سے میگزین اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دیا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" وہ اس کے عمل پر کچھ جھنجلا کر اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"کوئی ایک مسئلہ ہو تو بتاؤں یہاں تو پوری لسٹ تیار ہے۔" مرتقویٰ نے کچھ شرارتی سے انداز میں اسے دیکھا۔

"تو میں کیا کروں اپنے مسائل کو خود حل کریں۔" وہ دوبارہ سے میگزین اٹھاتے ہوئے بولی۔

جسے مرتقویٰ نے بڑی پھرتی سے دوبارہ اپنے قبضے میں کیا تھا۔

"کیوں ناراض ہو مجھ سے؟" ڈائریکٹ اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس نے سوال کیا تھا۔

"میں کیوں ناراض ہونے لگی آپ سے۔" وہ کچھ تلخی سے کہتی چائے کا مگ لبوں سے لگا گئی جب سے وہ اسلام آباد سے آیا تھا کائنات نے بات چیت بالکل بند کی ہوئی تھی۔ وہ جواب تھوڑی بہت اس سے بات چیت کر لیا کرتی تھی دوبارہ سے اپنے خول میں سمٹ گئی تھی۔

"پلیز کائنات! اب بس کرو اب اور نہیں سہی جاتی تمہاری یہ لمبے کی بے رخی بہت تھک چکا ہوں ایسا کیا کروں جس سے تمہیں یقین آ جائے کہ میں نے کبھی تمہیں اور مرتضیٰ کو کوئی بددعا نہیں دی۔ محبت ضرور کی تم سے مگر حاصل کرنے کا کبھی خیال تک نہ آیا وہ یوں اچانک ہم سب سے اتنی دور چلا جائے گا کبھی گمان بھی نہیں ہوا تھا۔ شاید تقدیر میں ہمارا ملنا یوں ہی لکھا تھا۔ تو ہم اس طرح مل گئے تم مجھے اس گناہ کی سزا کیوں دے رہی ہو جو مجھ سے سرزد ہوا ہی نہیں۔ اب میرا حوصلہ ختم ہونے لگا ہے۔ میں اندر سے ٹوٹ کر بکھرنے لگا ہوں۔ تمہاری نفرت تمہاری بے رخی مجھے کسی پل بھی چین نہیں لینے دیتی مجھے لگتا ہے تمہاری نفرت مجھ سے میری سانسیں چھین لے گی میں جان سے گزر جاؤں گا۔"

"پلیز مرتقویٰ خاموش ہو جاؤ۔" پہلے ہی اس کے ٹوٹے بکھرے لہجے پر اس کا دل پسیج رہا تھا۔ رہی سہی کسر اس کے ان چند جملوں نے پوری کر دی تھی۔ بے ارادہ ہی اس کا نازک ہاتھ اس کے لبوں پر آ کر ٹھہر سا گیا۔ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بکھرتے چلے گئے۔ دوبارہ میرے سامنے مرنے کی بات مت کرنا میں مرتضیٰ کو کھو چکی ہوں اب اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ تمہیں بھی کھو دوں اتنی مضبوط بھی نہیں ہوں میں۔

وہ خود اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی یک دم ہی اس کے لفظوں پر ضبط کھو بیٹھی تھی۔ انجانے میں وہ اس سے اقرار کر بیٹھی تھی اور وہ اسے یوں ہی دنگ سے انداز میں دیکھتا رہ گیا تھا۔

"او کے تم چپ ہو جاؤ رونا بند کرو، میں کبھی دوبارہ مرنے کی بات نہیں کروں گا۔" وہ لجاجت سے بولا تھا اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ اسے کس طرح چپ کروائے۔

"خود دو سے تین دن کا کہہ کر گئے تھے اور پورے پندرہ دن بعد لوٹے تھے اور اتنا بھی نہ ہوا کہ ایک کال کر کے انعام ہی کر دیتے کہ کتنے دن رکنے کا پروگرام ہے میں پیچھے اتنا پریشان ہوتی رہی مگر میری پرواہ کسے ہے اور میں نے بات نہیں کی تو فوراً مرنے کی باتیں شروع کر کے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔" وہ اس کے بڑھتے

ہاتھ کو پرے کرتی مسلسل اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی اور مرتقویٰ مسلسل حیرانگی کے سمندر میں غوطہ زن تھا اس کا یا پلٹ پر۔

"میں دو سے تین دن کے لیے ہی گیا تھا۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہاں مجھے پندرہ دن لگ جائیں گے اور میں نے چار سے پانچ مرتبہ شاہ ہاؤس فون کیا مگر تم سے ہر بار ہی بات نہ ہو سکی اور تمہارے سیل پر کال اس لیے نہیں کی کہ کہیں پھر سے گولہ باری نہ شروع ہو جائے ویسے بھی تمہیں کون سی میری کمی محسوس ہوتی تھی تمہارے نزدیک تو میرا ہونا نہ ہونا برابر ہی ہے۔" آخر میں وہ کچھ شرارت آمیز انداز میں بولا تھا۔

"ہاں ہاں سارے قصور تو میرے ہی نکلتے ہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں چمکتی شرارت سے انجان یک دم ہی جھنجلاتے ہوئے غصے سے بولی تھی۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" وہ اب بھی آنکھوں میں ہلکی سی شوخی لیے کہہ رہا تھا۔

"نہیں کہا تو کہہ دیں مطلب تو یہی ہے آپ کا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی قدرے غصے سے دیکھتی بولی تھی مگر اگلے ہی پل نگاہ جھکا گئی کہ اس کی آنکھوں میں زیادہ دیر دیکھ نہ سکی تھی۔

"کائنات میں کچھ کہنا چاہتا ہوں تم سے۔" اس کے ہلکے سرخ ہوتے چہرے کو نظروں کے حصار میں لیتے وہ آہستہ سے بولا تھا۔

"بولیں۔" وہ نگاہ اپنے پیروں پر جمائے بولی تھی۔

"تمہارے دل میں میرے لیے جو بھی بدگمانیاں ہیں انہیں اپنے دل سے نکال کر مجھے معاف کر دو۔ کائنات ہر بات کے لیے ہر اس غلطی کے لیے جو تمہاری نگاہ میں قابل جرم ہے۔" وہ اپنے لہجے میں آس کے نہ جانے کتنے جگنو لیے کہہ رہا تھا۔

کائنات نے پل بھر کو اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ پھر نگاہوں کا زاویہ بدل گئی تھی۔ "اب میرے دل میں آپ کی طرف سے کوئی بدگمانی نہیں ہے اور معافی کس بات کی جب کوئی گناہ کوئی غلطی آپ سے نہیں ہوئی تو معافی کا تو سوال ہی نہیں بنتا۔ شاید آپ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ تقدیر میں ہمارا ملن یوں ہی لکھا تھا تو ہم اس طرح مل گئے مرتضیٰ میرا نصیب نہیں تھا۔ میری قسمت تو آپ سے جڑی تھی تو آپ مجھے مل گئے ٹھیک کہا ہے کسی نے یہ سب تو نصیبوں کے کھیل ہیں۔ میں کوشش کروں گی کہ دل کی پوری آمادگی کے ساتھ آپ کی طرف قدم بڑھاؤں دل سے آپ کو وہ مقام دوں جو ایک شوہر کا بیوی کے دل میں ہوتا ہے مگر اس کے لیے مجھے کچھ وقت چاہیے کیوں کہ میں چاہتی ہوں کہ میں پورے دل کو آمادگی سے اس رشتے کو نبھاؤں بس دل کو سمجھانے کے لیے کچھ وقت چاہیے کیا تم میرا ساتھ دو گے؟" اس نے بولتے بولتے جھکی نگاہوں کو اٹھا کر اپنی طرف دل و جان سے متوجہ مرتقویٰ کی طرف دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی واضح تھی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارا انتظار بھی ساری زندگی کر سکتا ہوں۔ ہر سوچ سے بے فکر ہو جاؤ مطمئن اور پرسکون مرتقویٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

"تھینک یو مرتقویٰ۔" اس کے آنسو بے اختیار گالوں پر چلے آئے۔

"پلیز کائنات میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں۔ دوبارہ کبھی ان آنکھوں میں آنسو نہ آئیں مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" مرتقویٰ نے اس کے آنسو صاف کر کے کہا تھا۔

"کوشش کروں گی۔" وہ بھیگی آواز میں کہتی اسے دل کے اور زیادہ قریب لگی تھی۔

"کوشش نہیں وعدہ کرو۔" اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا۔

"اوکے وعدہ۔" پل بھر کو اس نے اس کی اپنے سامنے پھیلی چوڑی ہتھیلی میں اپنا ہاتھ قید کر دیا تھا۔

"میں بھی کچھ کہنا چاہوں گی۔" وہ اس کے ہاتھ میں قید اپنی ہتھیلی پر نگاہ جمائے دھیمے لہجے میں بولی۔ "جو بھی کہنا ہے بلا جھجک کہو۔" مرتضیٰ نے اس کے ہچکچائے انداز کو دیکھتے حوصلہ آمیز انداز میں کہا۔ "آج تک میری طرف سے جو بھی تلخ کلامی ہوئی ہو میری باتوں سے نہ جانے کب کب آپ کا دل دکھا ہو۔ اس کے لیے مجھے معاف کر دیں۔" وہ چہرے پر معصومیت لیے نگاہوں کو جھکائے اپنی زیادتیوں کا اعتراف کرتی اس سے معافی کی طلب گار تھی۔ اسے بے ساختہ اس پر پیار آیا تھا۔

"میرے دل میں تمہاری طرف سے کوئی بدگمانی نہیں ہے۔ تمہاری حالت میں سمجھ سکتا ہوں۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو شاید میرا ری ایکشن بھی کچھ اسی طرح کا ہوتا اس میں تمہاری یا میری کوئی غلطی نہیں یہ سب تو وقت اور حالات کا پھیر تھا۔" مرتضیٰ نے سہولت سے کہتے اس کی شرمندگی زائل کرنا چاہی تھی اور وہ سوچتی رہ گئی کہ محبت میں ہر انسان اتنا ہی وسیع دل وسیع ظرف ہو جاتا ہے۔

"ایک بات مانو گی؟" مرتضیٰ نے اسے سوچ میں ڈوبے دیکھ کر کہا۔

"بولیں۔" وہ کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کائنات ہم اپنوں سے دور کب تک رہیں گے اگر تم دل سے راضی ہو تو ہم دوبارہ سے شاہ ہاؤس میں شفٹ ہو جائیں کیوں کہ یہ بی بی جان اور سب گھر والوں کی خواہش ہے کہ ہم اپنوں کے بیچ رہیں اپنوں سے دور نہیں۔" مرتضیٰ نے آج موقع دیکھ کر بات کر ہی لی تھی۔ کیوں کہ بی بی جان کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا اور وہ خود بھی اپنوں کے پاس رہنا چاہتا تھا۔ "مرتضیٰ میں بھی شاہ ہاؤس اپنوں کے درمیان رہنا چاہتی ہوں جتنی جلدی ہو شفٹنگ کر لیں۔ مجھے اب اس تنہائی سے وحشت ہونے لگی ہے۔" اس نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد رضامندی دے دی تھی۔ مرتضیٰ اس کے اتنی جلدی مان جانے کی توقع نہیں کر رہا تھا خوشی سے دنگ وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

"تھینکس کائنات! تم بہت اچھی ہو۔" اس نے شدت جذبات سے مغلوب ہو کر آج پہلی دفعہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور آج پہلی مرتبہ کائنات کے دل کی دھڑکن میں ہلچل مچاتا طوفان اٹھا تھا۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ لرزتی پلکیں جھکا گئی تھی۔

☆......☆

"مرتضیٰ اٹھ جائیں، گیارہ بج رہے ہیں۔" وہ اس کے اوپر سے کمبل کھینچتے ہوئے بولی تھی۔

"پلیز یار سونے دو بہت اچھی نیند آ رہی ہے۔ ویسے بھی ایک سنڈے کا دن ہی تو ملتا ہے۔" مرتضیٰ نے کمبل دوبارہ اپنے اوپر کھینچتے ہوئے خمار آلود آواز میں کہا تھا۔

"اوکے سوتے رہیں بعد میں اکیلے ناشتا کرتے رہیے گا۔" وہ کچھ جھنجلا کر غصے سے کہتی پلٹی تھی کہ کلائی مرتضیٰ کی گرفت میں آ گئی۔ مرتضیٰ نے اس کی کلائی پکڑ کر ہلکا سا جھٹکا دیا تھا اور وہ لہراتی ہوئی بیڈ پر گر سی گئی۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" اس نے بھرپور غصے سے مرتضیٰ کو گھورا مگر پل بھر میں نظر جھکا گئی۔

"ہاں کہو نہ کچھ کہہ رہی تھیں۔" وہ یوں ہی اسے بڑی فرصت کے عالم میں دیکھتا اس کی حالت سے لطف اٹھاتے مزے سے بولا تھا۔ اس کی نازک کلائی اب بھی اس کی مضبوط گرفت میں مقید تھی۔

"پلیز مرتضیٰ چھوڑیں مجھے۔" اس کی آواز میں لرزش سی آ گئی۔ نگاہیں اس کے سرخ اناری ہوتے گالوں پر سایہ فگن ہو گئی تھیں۔

"اور اگر نہ چھوڑوں تو۔" وہ گھمبیر لہجے میں کہتا اس کے کچھ اور قریب ہوا تھا۔

"ارے مرتضیٰ۔" کائنات نے کچھ ہڑبڑائے سے انداز میں کہا اور مرتضیٰ کے ہاتھ کی گرفت لمحے میں اس کے گرد ڈھیلی پڑی تھی اور کائنات نے موقع کا پورا فائدہ اٹھایا تھا اور لمحے کے ہزارویں حصے میں دور ہوئی تھی اور منہ پر ہاتھ رکھے ہنستی چلی گئی۔

"بہت بڑی چیٹر ہو تم۔" اس کے ہاتھوں بے وقوف بن جانے پر وہ کچھ خجل سا ہو کر اسے خفگی بھرے انداز میں دیکھتا ہوا بولا تھا۔

"یہ رومانس بعد کے لیے اٹھا رکھیں۔ ابھی فی الحال جلدی سے فریش ہو کر نیچے ڈائننگ روم میں پہنچیں۔ بی بی جان اور باقی سب ناشتے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اسے بی بی جان کا پیغام دیتی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل رہی تھی کہ مرتضیٰ کی آواز پر رکنا پڑا۔

"یہ تو بتاتی جاؤ، میرا لخت جگر میرا بیٹا کہاں ہے؟" مرتضیٰ نے تکیہ بازوؤں میں بھینچے اپنے لخت جگر مرتضیٰ کے بارے میں پوچھا تھا۔

"ایکسکیوزمی وہ میرا بھی بیٹا ہے۔" کائنات نے آنکھیں نکال کر مرتضیٰ کو دیکھا۔

"اوکے یار! ہم دونوں کا بیٹا مرتضیٰ شاہ کہاں ہے؟" مرتضیٰ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"ہم دونوں کا بیٹا بی بی جان سے اپنے ناز اٹھوانے میں مصروف ہے۔"

"تو تم میرے ناز اٹھاؤ۔" وہ شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

"منہ دھو رکھیں۔" وہ کچھ جھینپ سی گئی۔ وہ اس کے جھینپنے سے انداز کو دیکھ کر قہقہہ لگا بیٹھا۔

"یہ مسخریاں بعد میں کریں ابھی جلدی سے فریش ہو کر نیچے آ جائیں۔" وہ کہنے کے ساتھ ہی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اور قدم خود بخود مرتضیٰ شاہ کے کمرے کی طرف اٹھتے چلے گئے۔

"دیکھو مرتضیٰ! بہت خوش ہوں میں اپنی زندگی میں، بہت محبت کرنے والا شوہر ہے۔ ایک پیارا سا بیٹا ہے جو ہو بہو تمہاری کاپی ہے اور جانتے ہو اس کا نام مرتضیٰ ہے جو مرتضیٰ اور میں نے مل کر رکھا ہے۔ زندگی میں ہر سو خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔ مرتضیٰ سے بندھے رشتے کو پوری دیانت داری کے ساتھ نبھا رہی ہوں۔ بیوی ہونے کے ناطے مرتضیٰ سے بہت محبت بھی ہے مگر دل کا ایک گوشہ آج بھی تمہاری محبت سے آباد ہے۔ جہاں کوئی اپنے قدم نہیں جما سکتا۔" وہ اس کی تصویر کے آگے کھڑی ہزار دفعہ کی کہی بات دہرا رہی تھی۔ آنکھوں کی سطح پر گہری نمی مگر لبوں پر بڑی آسودہ سی مسکراہٹ بکھری تھی۔ ایک نظر اس کی مسکراتی تصویر پر ڈالتی وہ اس کے کمرے سے باہر نکل آئی اور قدم نیچے کی طرف بڑھا دیے۔ جہاں اس کا بیٹا اسے آواز دے رہا تھا۔ اور مرتضیٰ اس کے نکلنے سے پہلے آہستہ سے دروازہ بند کرتا واپس اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ سب کچھ جانتا تھا پھر بھی کائنات سے محبت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی بلکہ اس کی محبت میں اضافہ ہی ہوا تھا۔

ختم شد

READING CORNER

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

فرحین اظفر

افسانہ

احساس

آسیہ بہت اداس اور دلگرفتہ سی بیٹھی بچوں کی ٹیسٹ کاپیز چیک کر رہی تھی۔ اس کی مایوس سماعتیں دروازے کی دستک کی جانب لگی تھیں۔ بڑے بھائی کے آفس سے واپسی کا ٹائم تھا اور آسیہ کو ان ہی کا

انتظار تھا۔

بائیک کا مخصوص ہارن عین دروازے کے پار گونجا۔ اس کے نیم مردہ تن میں ایک جان سی پڑ گئی۔ وہ تیزی سے کاپیاں ایک طرف رکھ کر اٹھی اور صحن میں آئی تو بھائی کے دونوں بچے اپنے پاپا کو ویلکم کرنے کے لیے موجود تھے۔

تھکے ہارے سفیان نے ہیلمٹ اتار کر آسیہ کے ہاتھ میں پکڑایا اور خود برآمدے میں بچھے تخت پر گر سا گیا۔ آسیہ جلدی سے بھاگ کر اس کے لیے وہ لسی لے آئی جو اس نے دوپہر میں بڑی دقتوں سے اپنے بھتیجوں سے بچائی تھی۔

"بھائی! لسی پی لیں۔"

"ہوں پہلے پانی۔"

"ابھی لائی۔" وہ گلاس تپائی پر رکھ کر واپس

بھاگی اور ٹھنڈا ٹھار پانی کا گلاس لے کر واپس ہوئی۔

جتنی دیر میں سفیان نے پانی اور لسی حلق سے اتارے وہ بڑی گہری نگاہوں سے اس کے چہرے کو ٹٹول رہی تھی۔ جہاں ناامیدی کے آثار صاف نظر آتے تھے۔

''بھائی! میں نے ایک کام کہا تھا۔'' اٹک اٹک کر بالآخر اسی نے کہہ ہی دیا۔

''سوری آسیہ! پیسوں کا انتظام نہیں ہو سکا۔'' سفیان تھکے ہوئے انداز میں اٹھ کر سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا گیا۔ آسیہ کے اوپر منوں اوس گر گئی۔ اس کا خواب چکنا چور ہو گیا۔ آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

اسکول میں فیئر ویل پارٹی تھی۔ اس کے بعد ٹیچرز کے لیے ایک پکنک کا پروگرام تھا۔ پارٹی کے لیے تو اس نے پرانے کپڑوں میں سے ہی ایک بے حد سنبھال کر رکھا ہوا جوڑا نکال لیا۔ پکنک پر تنے کپڑوں کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی لیکن پکنک پر جانے کے لیے تو پیسوں کی ضرورت تھی ناں۔

ہر ٹیچر کو آٹھ سو روپے جمع کروانے تھے اور کل آخری تاریخ تھی۔ دو دن بعد پارٹی تھی اور پارٹی کے ایک دن بعد پکنک کا پروگرام تھا۔

آسیہ جس اسکول میں جاب کرتی تھی۔ وہاں متوسط اور اعلیٰ متوسط دونوں ہی طرح کی ٹیچرز آتی تھیں۔ ان کے پہناوے اور بات چیت میں جھلکتے معمولات سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ کس کے گھر کے حالات کتنے بہتر یا کتنے معمولی ہیں۔

آسیہ کی پہلی نوکری تھی اور وہ ان استانیوں میں شمار ہوتی تھی۔ جو ضرورتاً جاب کرنے گھر سے نکلی ہیں جن کی نوکری کا مقصد تنخواہ کو اپنے کپڑوں، جوتوں، بیگز اور میچنگ جیولری پر خرچ کرنا نہیں، بلکہ گھر کی چھوٹی موٹی ضروریات سے نمٹنا ہے۔

یہی مسئلے مسائل آسیہ کے ساتھ تھے۔

تنخواہ ہاتھ میں آتے ہی چٹ پٹ ہو جاتی۔ امی نے اس کی تنخواہ میں سے اس کی جہیز کے لیے کمیٹی بھی ڈال رکھی تھی۔ باقی امی کی دوائیوں اور کبھی یونہی مہمانوں کی آمد و رفت میں، کسی خاندانی تقریب میں دینے لینے کے کام آ جاتے وہ اپنے لیے جو پیسے اپنی سیلری میں سے بچا کر رکھتی اس سے بھی کھانا پینا کم اور دوسرے خرچے زیادہ نکلتے۔

اس مہینے بھی بالکل اچانک پکنک کا پروگرام بن گیا۔ آسیہ تو خود ایسی تفریحات کو ترسی ہوئی تھی۔ اس نے بھی فوراً ہی جانے کی ہامی بھر لی۔ البتہ آٹھ سو روپے فی کس کے بھاری حساب نے اسے ٹھٹکا ضرور دیا تھا لیکن اس نے سوچا کہ امی سے مانگ لے گی اور کچھ اپنے خرچ سے ملا لے گی۔ ورنہ ایک بھائی کا آسرا تو تھا ہی۔

سفیان اپنی بیوی اور دو چھوٹے بچوں کے ساتھ اوپر والے پورشن میں رہتا تھا۔ اس کی اپنی آمدنی بھی محدود تھی۔ مہینے کے آخر میں ادھار لینا پڑ جاتا۔ سفیان کی بیوی عذرا بھی بہت سلیقہ مند اور کفایت شعار عورت تھی۔ پورا مہینہ دانتوں سے پکڑ پکڑ کر روپیہ خرچ کرتی۔ اس مہنگائی کے دور میں جہاں بنیادی ضروریات سے نمٹنا ہی کسی اندرونی خانہ جنگ کرنے سے کم نہ تھا۔ اس نے تو نند کی بات سنتے ہی صاف انکار کر دیا۔ بلکہ اپنے شوہر کی طرف سے بھی معذرت کر لی۔

''آسیہ! تم کو تو معلوم ہی ہے کچھ ڈھکا چھپا تو ہے نہیں۔ ابھی ایک ہی بچہ اسکول جانے والا ہے۔ اس کی فیس بھی دو دو مہینے رک کر جاتی ہے۔ کبھی دودھ کا ناغہ تو کبھی کپڑوں کا مسئلہ۔ اب ایسے میں وہ بھی مہینے کے اینڈ آخر میں آٹھ سو روپے نکالنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہی سمجھو۔ تمہارے بھائی سے بھی کہنا فضول ہی ہوگا۔''

آسیہ کے چہرے کی بجھتی ہوئی جوت سے بے خبر یا جان کر نظریں چراتے وہ اپنی ہی بولے گئی۔ پھر بھی بھابھی کے منع کرنے کے باوجود اس نے بہت امید سے سفیان سے بات کی تھی۔

''بھابھی تو کہہ رہی ہیں۔ مہینے کا آخر ہے جب کہ آخر کہاں ہے ابھی تو پندرہ گزری ہے۔''

''ہاں تو تجھے پتا تو ہے۔ ہم جیسوں کے یہاں تو دس کے بعد ہی بس ہو جاتی ہے۔ چل رہنے دے بھائی کو تنگ نہ کر۔'' امی نے سفیان کے چہرے سے جھلکتی انکار بھری کشمکش بھانپ لی تھی۔

''دیکھوں گا اگر کہیں سے ادھار مل جائے تو۔'' اس نے گھر سے نکلنے سے پہلے ایک جگنو اس کی مٹھی میں دبا دیا تھا اور آسیہ پھر سے جی اٹھی۔ سب دوستوں کے ساتھ ساحلِ سمندر کی سیر، موج مستی، ہلا گلا، بریانی، کولڈ ڈرنک اور دوسرا ریفریشمنٹ انجوائے کرنا ایک جنگلی عیاشی تھی۔ جو اسے زندگی میں خال خال ہی نصیب ہوتی تھی۔ بلکہ صرف چند بار ایک بار اسکول کے ساتھ ایک بار کالج کے ساتھ اور ایک بار بھابھی کے گھر والے مل کر گئے تھے تو عذرا نے اسے بھی ساتھ لے لیا تھا بس۔

سفیان کی آفس سے واپسی تک کا وقت اس نے لمحہ گن گن کر گزارا تھا۔ اسکول میں بھی سب ٹیچرز نے پیسے جمع کرائی اور پکنک کا انتظام کرتی ٹیچر سے اس نے اپنا پروگرام ''ڈن'' کر دیا تھا لیکن سفیان نے آفس سے آ کر منع کر دیا۔

''سوری بھئی آسیہ! پیسوں کا انتظام نہیں ہو سکا۔''

وہ کمرے میں آ کر مسہری پر لیٹ گئی۔ بچوں کی ٹیسٹ کا پیپرز بے ترتیبی سے بکھری گئی تھیں۔ اس نے سمیٹنے کی بھی کوشش نہیں کی۔

امی نے جو یوں اسے لیٹا ہوا دیکھا تو معاملہ سمجھ کر دل مسوس کر رہ گئیں لیکن وہ بھی بے بس تھیں۔

کہاں سے لاتیں آٹھ سو روپے۔

آسیہ کے چہرے پر سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔

☆......☆

''یہ لو...... گن لو...... پورے ہیں۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔'' اس کی آواز بے حد دھیمی تھی اور نظریں جھکی ہوئی۔

''آسیہ ادھر دیکھو میری طرف۔'' یہ اس کی کولیگ فرحانہ تھی۔

''میں نے یہ روپے تمہیں ادھار دیے ہیں۔ جب ہوں تو لوٹا دینا۔ کوئی خیرات نہیں دی جو تم اتنی شرمندہ ہو۔'' اس کے لہجے میں مان بھری خفگی تھی۔

''نہیں فرحانہ پلیز تم ناراض مت ہو۔ میں بس یونہی سوچ رہی تھی کہ ان چند سو روپوں کی کیا اوقات ہے مگر......''

''آٹھ سو کیا۔ ضرورت کے وقت اگر آٹھ روپے بھی پاس نہ ہوں تو مشکل تو ہو جاتی ہے مگر یہ سب زندگی کا حصہ ہے یار چلتا رہتا ہے۔''

''ہوں......'' اس نے گہری پرسکون سانس بھری۔

فرحانہ اس کی اس اسکول میں کافی پرانی اور گہری دوست تھی۔ اس نے پہلے بھی آسیہ کو رقم دینے کی پیشکش کی تھی لیکن اس نے سوچا تھا اگر گھر میں ہی انتظام ہو جائے تو اچھا ہے مگر بالآخر اسے فرحانہ سے ہی لینے پڑے۔ کبھی کبھی اس کا دل اپنی مجبوریوں اور تنگی کو دیکھ کر بہت برا ہو جاتا تھا۔ ایسے میں فرحانہ ہی تھی جو اسے سمجھاتی رہتی تھی کہ مایوسی کفر ہے اور اللہ کی ذات سے ناامید نہیں ہوتے۔

وہ سوچتی ہوئی مس رابعہ کے پاس پے منٹ جمع کروانے چل دی۔

☆......☆

رات کافی سے زیادہ گزر چکی تھی۔

امی سو چکی تھیں۔ اوپر کے پورشن میں بھی خاموشی کا راج تھا۔ اس نے دوپٹہ استری کر کے ہینگ کیا اور آئینے میں اپنے چہرے کا جائزہ لیا۔ عذرا بھابھی کی دی ہوئی بلیچ اپنا اثر دکھا چکی تھی۔ وہ منہ دھو کر واپس آئی تو چہرہ چمک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ آنکھوں میں نیند کا نام و نشان نہ تھا۔ صبح اسکول میں پارٹی تھی۔ عذرا نے اپنی پچھلی عید کا جوڑا اسے پہننے کو دے دیا۔ ساتھ میں میچنگ جیولری بھی اسے اور کیا چاہیے تھا۔ پکنک پر جانے کے پیسے وہ جمع کروا چکی تھی لیکن اس سب سے زیادہ اسے ایک اور بات کی خوشی تھی۔

فرحانہ چونکہ شادی شدہ تھی۔ لہٰذا وہ اس کے لیے اپنے دیور کا رشتہ لائی تھی۔ اس کی ساس جو کہ اب آسیہ کی ہونے والی ساس تھیں۔ آسیہ کو پسند کر چکی تھیں امی نے سوچنے اور چھان بین کے لیے رسمی سی مہلت مانگی تھی جس کے بعد ظاہر ہے یہ رشتہ پکا ہو جانا تھا۔

اپنی شادی کی خوشی اور ارمان تو ہر لڑکی کو ہوتا ہے لیکن اس کی خوشی دوہری تھی کیوں کہ وہ شادی کے بعد اپنی پیاری دوست کی دیورانی بننے جا رہی تھی۔

اسی وجہ سے عذرا نے اس پر مہربانی کرتے ہوئے اسے پارٹی میں پہننے کے لیے قدرے بہتر سوٹ اور میچنگ کی چیزیں دے دی تھیں۔

"ہے تو فرحانہ تمہاری دوست ہی اور ظاہر ہے تمہیں پسند بھی اسی نے کیا ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ اب تم اسے پہلے سے اور بھی بہتر اور خوب صورت نظر آؤ، اس سے ایک تو اسے اپنے فیصلے میں پختگی ملے گی اور دوسرے پھر وہ اپنے دیور سے تمہاری تعریفیں کرے گی تو مستقبل میں تمہارے لیے وہی فائدہ مند ہوں گی۔" وہ بے ساختہ ہی عذرا کی اس دور اندیشی پر کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

اس وقت بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔ نیند تو آنکھیں رہی تھی۔ وہ اپنے لیے ایک کپ چائے لے کر چھت پر چلی آئی۔ چھوٹی سی کھلی چھت چھوڑ کر اس کے بعد سفیان کے پورشن کے دو کمرے اور کچن تھا۔ وہ ٹہلتی ہوئی کمرے کے دروازے تک چلی گئی۔

لائٹ بند تھی مگر اندر سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ سفیان نے شاید اسی کا نام لیا تھا اسے ٹھٹک کر رکنا پڑا۔

"آسیہ اتنی ناسمجھ ہے نا غیر ذمہ دار مگر وہ بھی انسان ہے۔ اس کا بھی دل کرتا ہے۔ دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کو سیر و تفریح پر اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ہمارا۔"

"تو میں نے کب کہا ہے کہ اس کا حق نہیں ہے لیکن اگر اس کا حق ہے تو ہمارا بھی ہے اور ہم کون سا کہیں جاتے ہیں گھومتے پھرنے، وہ تو بڑی ہے، سمجھ دار ہے۔ میرے تو اتنے چھوٹے معصوم بچے تنگ ترستے رہتے ہیں۔" عذرا کا لہجہ کافی تیکھا تھا۔

آسیہ کو نہیں معلوم تھا۔ وہ لوگ یہ باتیں کیوں کر رہے ہیں لیکن اس کے دل میں افسوس کی لہر نے سر اٹھایا۔

"کیا بھابھی کو میرا جانا پسند نہیں آیا؟"

"خیر چلو چھوڑو، یہ تو اپنے اپنے نصیب کی باتیں ہیں۔ تم یہ روپے رکھ لو دھیان سے کہیں ادھر ادھر نہ کر دینا۔" سفیان بول رہا تھا۔

"اور اگر آسیہ کو بھی دے دیے ہوتے تو وہ بے چاری دعائیں ہی دیتی تمہیں۔" آسیہ کا دل زور سے دھڑکا۔ گویا بھائی کے پاس پیسے تھے۔ بھابھی نے نہیں دیے دیے۔

"ارے ایسے کیسے دے دیتی، اس کے سیر سپاٹوں سے کہیں اہم ہے میری ضرورت۔" عذرا کی آواز باہر تک آئی بالکل صاف اور واضح، آسیہ کا

دل ایکدم ڈوب گیا۔

اسے لگا مزید کچھ اور دیر کھڑی رہی تو چائے کا بھرا ہوا کپ کپکپاتے ہاتھوں سے ضرور ہی چھوٹ جائے گا۔ اس سے اگلی بات نہیں سنی گئی۔ وہ ڈگمگاتے قدموں سے سیڑھیاں اتر کر کمرے میں گئی اور بھرے دل میں درد لیے بستر پر گر گئی۔

☆.....☆

پارٹی اور پکنک دونوں ایونٹس میں اس کا دل بھی بجھا بجھا رہا اور چہرہ بھی اترا ہوا سا تھا۔ فرحانہ نے کئی بار پوچھا مگر اس نے ہر بار بات ٹال دی اب ویسے بھی وہ اس کی ہونے والی جیٹھانی تھی وہ یوں آزادانہ اپنے گھر کی باتیں اس سے ڈسکس نہیں کر سکتی تھی۔ پھر بھی جب فرحانہ مسلسل اصرار کرتی رہی تب اسے زبان کھولنی ہی پڑی۔

تین چار دن سے مسلسل منفی باتیں سوچ سوچ کر اس کا دل و دماغ اس قدر پک چکا تھا کہ جب اس نے بولنا شروع کیا تو پتہ نہیں کیا کیا بولتی چلی گئی۔

عذرا اور اس کے تعلقات بحیثیت نند بھاوج نہ تو بہت مثالی تھی نہ اتنے برے کہ وہ اس قدر برے گمان رکھتی، جب وہ بول بول کر تھک چکی تو کب سے خاموش بیٹھی فرحانہ نے اس کا ہاتھ تھپکا۔

"بس کرو، شانت ہو جاؤ۔ کب تک یوں سوچ سوچ کر خود کو پاگل کرتی رہو گی۔" اس نے تھک کر سر ہاتھوں میں گرا دیا۔ اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔

"میں اس بارے میں تم سے کچھ نہیں کہوں گی۔ سوائے اس کے کہ جس طرح کبھی کبھی آنکھوں دیکھی حقیقت بھی جھوٹ نکلتی ہے اسی طرح کانوں سنا بھی اصل میں وہ نہیں ہوتا جو ہم سن کر سمجھتے ہیں۔ تمہاری بھابھی نے تمہاری بے ضرری خواہش کو سیر سپاٹے کہہ کر غیر ضروری کہہ تو دیا لیکن ضروری نہیں کہ ان کا وہی مطلب ہو جو تم نے سمجھا۔" فرحانہ نے اپنی بات مکمل کر کے خاموشی اختیار کر لی۔ کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ اس کا لیکچر اتنی سی دیر میں آسیہ کے دل میں کئی دنوں کے پکتے لاوے کو ٹھنڈا نہیں کر سکے گا۔

اس کا خیال ٹھیک تھا۔

☆.....☆

اس دن کے بعد سے آسیہ کے انداز میں بھائی بھاوج کے لیے ایک نامحسوس سی رکھائی آ گئی۔ جسے صرف عذرا ہی نوٹ کر سکتی تھی۔ کیوں کہ آسیہ جو اس کی اکلوتی نند تھی اس کا انداز ہمیشہ ہی بہت دوستانہ رہا تھا۔ اس نے عذرا سے کبھی تو تو میں میں یا دو بدو بدتمیزی نہیں کی تھی۔ بدتمیزی تو خیر اس نے بعد میں بھی نہیں کی لیکن اس کا انداز وہ بھی نہیں تھا جو پہلے تھا۔ اس کے دل میں ایک بدگمانی نے جگہ بنا لی اور اس نے اسے ختم کرنے کی کوشش نہیں کی۔

دن پر دن گزرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ وہ پیا سنگ رخصت ہو کر اس کے گھر چلی آئی۔ سسرال میں اس کے میکے کی بہ نسبت اتنی تنگی نہ تھی۔ جتنی اس نے اپنی ماں کے گھر دیکھی تھی۔ اسے چند دنوں بعد ہی گھر کا سب سے اوپری پورشن مل گیا جو ایک بڑے ہال نما کمرے، اٹیچڈ باتھ اور چھوٹے سے کچن پر مشتمل تھا۔ نیچے اس کے جیٹھ یعنی فرحانہ اپنی ساس اور نند کے ساتھ رہائش پذیر تھی۔

فرحانہ کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جو اس کے ساتھ ہی اسکول میں پڑھتا تھا۔ میاں سرکاری ملازم تھے۔ یوں ان کے حالات آسیہ سے زیادہ بہتر تھے جبھی اس کی شادی کے بعد اس کا اور اس کے میاں کا خرچہ الگ کر کے فرحانہ نے اپنی ساس اور نند کی معاشی ذمہ داری خود ہی اٹھالی تھی۔ وہ اس تعاون اور مدد کرنے پر فرحانہ کی مشکور تھی۔ بے شک فرحانہ اس کی بہت اچھی دوست تھی اور اپنی

دوستی کو بہترین طریقے سے نبھا بھی رہی تھی۔

☆......☆

"سنیں! آپ نے کی تھی الیکٹریشن سے بات؟" وہ شدید گرمی سے بے حال اپنا پسینہ صاف کرتے ہوئے اپنے دس ماہ کے بیٹے کو پنکھا جھلنے لگی۔

"ہاں! بہت پیسے مانگ رہا ہے۔" اس کے شوہر نے کسمساتے ہوئے بچے کو پکارا۔

"ہاں تو کیا ہوا میں دے دوں گی ناں، کمیٹی کے پیسے بس آنے ہی والے ہیں۔"

"پیسے آنے تو دو پھر دیکھیں گے ابھی تو گھر میں اے سی کی بات کرنے پر دیکھنا اماں کتنا اعتراض کریں گی۔" ہاشم کی بات میں وزن تھا لیکن آسیہ تنک گئی۔

"اونہہ ظاہر ہے اعتراض کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہیں۔ اس جون کی سڑی گرمی میں خود تو ٹھنڈے کمروں میں پنکھا سر پر لگا کر سو جاتی ہیں۔ ایک رات اور ایک دوپہر گزاریں ناں اس چھت کے نیچے تو سارے اعتراض بھول جائیں۔" اس نے زور زور سے پریکلی ہیٹ پاؤڈر نکال کر بچے کے گرمی دانوں سے بھری گردن اور کمر پر آہستہ روی سے پھیلایا اور سہلانے لگی۔

"اتنی مشکل سے تو یہ وقت آیا ہے۔ تو اب اس میں بھی روڑے اٹکانے لگیں گے سب۔"

"تم اتنی ٹینشن مت لو، سب کو پتا ہے اوپر کے پورشن میں کتنی آگ برستی ہے۔" ہاشم بہت صلح جو اور تعاون کرنے والا شوہر تھا۔ آسیہ اللہ سے اس جیسے آسان اور سلجھے ہوئے شخص سے ناطہ جڑنے پر جتنا بھی خدا کا شکر ادا کرتی کم تھا۔

دو ہفتے مزید گزرے تو ایک صبح اس نے اپنی ساس کو کچھ پریشان دیکھا۔

"کیا ہوا امی؟" وہ بے ارادہ ہی پوچھ بیٹھی۔

اس کی ساس بھی بہت مشفق اور مہربان خاتون تھیں۔ انہوں نے بھی آسیہ اور فرحانہ کو سخت سست نہ سنائی تھیں۔ نہ ان پر بے جا پابندیاں لگائی تھیں۔

"بس بیٹا! سوچ رہی تھی صدف کے سسرال والوں کی دعوت کر دوں۔ کتنے دن ہو گئے انہوں نے چکر نہیں لگایا۔ وہ بھی کہتے ہوں گے کہ ہم خود سے نہیں گئے تو ان کو بلانے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔" آسیہ سن کر ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"آپ فون کر کے ان کی خیر خیریت پوچھ لیں اور یونہی گھر آنے کا بھی کہہ دیں۔ بلاوجہ دعوت کا خرچہ کیوں کر رہی ہیں۔"

"پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا لیکن صدف کہتی ہے دعوت ہی کر دیں، اس سے پہلے بھی وہ لوگ صرف ایک بار کھانے پر آئے تھے۔ جب رسم کرنے کے لیے ہار پھول لائے تھے تب۔"

آسیہ کو ان کی بے موقع دعوت ایک آنکھ نہیں بھائی۔ آج اسے کمیٹی کے پورے چالیس ہزار روپے ملنے تھے اور اس نے سوچا تھا کہ خوشی خوشی امی کو بتائے گی کہ بالآخر اس نے پیسے بچا کر جمع جوڑ کر کے اے سی لگوانے کا انتظام کر ہی لیا لیکن آگے سے ان کے ارادے سن کر خاموش ہی رہ گئی اگر امی کو پتا چلتا کہ اس کے پاس رقم ہے تو پوری دعوت کی ذمہ داری اسی پر پڑ جاتی اور اگر وہ جی کڑا کر کے منع کر دیتی تو وہ اے سی لگوانے پر بجلی کا بل بڑھ جانے کا شکوہ کرنے لگتیں۔ لہٰذا عافیت اسی میں تھی کہ فی الحال خاموشی اختیار کی جائے۔

"اور بھئی دعوت کا تو بہانہ ہے۔ اصل میں صدف بھی چاہتی ہے کہ وہ لوگ آئیں۔ اب بھی سب آئیں گے تو عمران بھی آئے گا ورنہ اس کی کہاں بات چیت ہوتی ہے۔ آج کل کے لڑکے لڑکیوں کی طرح ایک دوسرے سے۔ بس دعوت کے بہانے سے دیکھ لیں گے ایک دوسرے کو اور کیا۔" وہ آواز دبا کر اپنی بیٹی کا ذکر لہجے میں ممتا سمو کر کر رہی تھیں۔ آسیہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔ بات تو ان کی بھی ٹھیک ہی تھی اگر صدف بھی اپنے منگیتر عمران سے رات رات بھر باتیں بگھارنے والی ہوتی تو اس دعوت کی ضرورت ہی کیا تھی جو بنا کسی خاص موقع کے بس یونہی کی جا رہی تھی۔ مہینے کے آخری دنوں میں ایک متوسط آمدنی والے گھر میں بھلا ایسی دعوت کی گنجائش نکلتی بھی کہاں تھی۔

چند دن گزرے، دعوت تو ہو نہیں سکی بات آئی گئی ہو گئی۔

اس نے سب کو اپنی کمیٹی کھلنے اور اے سی خریدنے کے بارے میں بتا دیا حسب توقع ساس نے ہی دبے لفظوں میں بجلی کے بل بڑھ جانے کے خدشے کا اظہار کیا مگر مبارک باد بھی دی اور آسیہ کے لیے تعریفی کلمات بھی کہے کہ ہاشم کی اتنی محدود آمدنی میں بھی اس نے روپیہ روپیہ جوڑ کر اتنی بڑی سہولت خرید لی۔

وہ شاداں و فرحاں سی رات کو سب کے سو جانے کے بعد اطمینان سے خرچ کی رقم نکال کر الگ کرنے لگی، جب ہاشم ایک دم سے بول پڑا۔

"امی عمران کے گھر والوں کی دعوت کا کہہ رہی تھیں۔ تم تین ہزار روپے دیتیں ان کو بھی کچھ پیسے ملا کر دعوت کر لیتیں۔"

"اونہہ میں کیوں اپنے پیسے......" وہ ایک دم تنک سی گئی۔

"امی کو یہ دعوت کی صرف اس لیے سوجھی ہے کہ صدف اور عمران ایک دوسرے سے مل لیں۔ ورنہ ایسے تو آنا جانا ہوتا نہیں۔"

"ہاں تو اس میں برائی کیا تھی؟"

"بس رہنے دیں آپ، میری ضرورت ان کے میل ملاقاتوں سے زیادہ اہم ہے۔" اس نے ہاشم کو تو گویا چپ کروا دیا مگر اس کا دل ایکدم بول اٹھا۔

"کیا یہ وہی الفاظ اور وہی لہجہ نہیں جو میں نے ماضی میں کسی اور کے منہ سے......" نوٹ گنتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ روپے بیڈ پر پھینک کر تیزی سے اٹھی اور کمرے کا دروازہ کھول کر چھت پر آ گئی۔

چھوٹی سی چھت پر پھیلی چاندنی میں وہاں صرف سناٹا اونگھ رہا تھا۔

اس کے سینے سے ایک گہری سانس نکلی جو اڑتی ہوئی گردن اٹھا کر آزاد فضا کی طرف لپک گئی اور سر احساس ندامت سے جھک گیا۔

آج اسے اپنے بھائی بھاوج کی مجبوری کا احساس ہو گیا تھا، کیوں کہ اس نے خود اپنی نند کے بارے میں جو بات کی تھی وہ دل میں برائی رکھ کر نہیں، بس یونہی تنک کر غصے میں بول دی تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح کچھ عرصہ پہلے اس کی بھابھی نے اس کے بارے میں ایک بات یونہی بول دی تھی اور اس نے سن لی تھی مگر صد شکر کہ خود اس کی بات سننے والا وہاں کوئی نہ تھا۔

دوسرے دن صبح وہ بڑی شرمندہ سی ہاشم کے ہاتھ میں چند نوٹ پکڑا رہی تھی۔

"امی سے کہیں اسی ویک اینڈ پر دعوت کر دیں ان لوگوں کی۔ اچھا ہے صدف اور عمران کی بھی ملاقات ہو جائے گی ورنہ منگنی کا گولڈن پیریڈ تو یونہی روکھا پھیکا گزار رہے ہیں وہ لوگ۔" اس کے چہرے پر ایک خلوص بھری مسکراہٹ تھی اور دل میں اطمینان!!

☆......☆

سحر مبین

افسانہ

بلا عنوان

گاڑی سے اتر کر وہ گیٹ کی جانب بڑھی، گزرے دنوں کی نسبت وہ آج خود کو تھوڑا نارمل اور تروتازہ محسوس کر رہی تھی، دوپٹہ اس کے گلے میں اور کالج بیگ اس کے دائیں کندھے پر جھول رہا تھا، گیٹ کے قریب کھڑے ہو کر اس نے مڑ کر ایک نظر دور تک پھیلے مالٹوں کے باغ پر ڈالی، کینوؤں سے درخت لدے ہوئے تھے، تروتازہ سے منظر نے اس کی آنکھوں میں تازگی بھر دی اور ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کو چھوا، ہاتھ سے ذرا سا دباؤ ڈال کر اس نے گیٹ کو کھولا اور گھر کے اندر داخل ہو گئی، وسیع صحن میں دور پڑی کرسیوں میں سے دو پر دونوں بھائی بیٹھے تھے، وہ دونوں آپس میں جس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے وہ نہ سننے کے باوجود بھی وہ سمجھ سکتی تھی، اچانک چھوٹا بھائی کھڑا ہوا اور پینٹ کی جیب میں پڑے پسٹل کو نکال کر بڑے بھائی کی طرف تان لیا۔ منال اس منظر کو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

”چھوٹے بھائی!“ وہ اونچی آواز میں چلائی، بڑے بھائی خود پر تانے پسٹل کی پرواہ کیے بغیر مسلسل غصے میں گالیاں بکتے جا رہے تھے، دونوں کافی طیش میں تھے، منال بھاگتی ہوئی ان تک پہنچی وہ مسلسل ”بڑے بھائی، چھوٹے بھائی“ چلا رہی تھی، چھوٹے بھائی نے خود تک اس کے پہنچنے سے پہلے ہی کئی گولیاں بڑے بھائی کے سینے میں اتار دی تھیں۔

گولیوں کی بوچھاڑ کی آواز کے ساتھ ہی پرندوں نے اونچی آواز میں چہچہانا شروع کر دیا، سب پرندے شور مچا رہے تھے، مگر وہاں سب ساکت ہو گئے تھے، بڑے بھائی کی زندگی ساکت ہو گئی تھی اور وہ بے جان زمین پر ڈھیر ہو گئے تھے، منال کا کالج بیگ زمین پر گرا اور وہ خود بھی بڑے بھائی کے پاس گھسٹتی چلی گئی، چھوٹا بھائی ساکت نظروں سے سب دیکھتا جا رہا تھا، پسٹل اس کے ہاتھ سے گرا اور اسے ہر چیز گھومتی ہوئی نظر آنے لگی۔

☆..........☆..........☆

بابا نے بہت پہلے ہی دونوں بیٹوں اور اکلوتی بیٹی کے حصے کی جائیداد انہیں سونپ دی تھی، دونوں بھائی فطرتاً آزاد مزاج کے تھے، منال سب سے چھوٹی تھی، ماں جانے کب کی وفات پا چکی تھی، بابا نے ہی سب کو پالا تھا، منال کو بھائیوں سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا، وجہ صرف یہی تھی کہ انہیں منال سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا، بابا کے ساتھ فطری سی محبت تھی شاید اس لیے کہ وہ شروع سے ہمیشہ ان کے پاس رہی اور زیادہ قریب رہی۔ بھائیوں کو ہمیشہ گھر کا ماحول بور کر دیتا تھا، سو وہ گھر سے باہر ہی رہتے۔ منال نے سنا تھا کہ بھائیوں کا شہر میں کاروبار ہے، الگ الگ، اس نے کوئی توجہ نہ دی۔

☆..........☆..........☆

”بابا! میں نے اپنی کولیگ سے شادی کرنی ہے“۔ بڑے بھائی نے ایک دن کھانے کے دوران بتایا۔

”ارے واہ!“ منال اور چھوٹے بھائی کے منہ سے

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

بے اختیار نکلا۔

"اچھا کب کر رہے ہو بیاہ؟ ہمیں بھی بلاؤ گے یا نہیں؟" بابا نے طنز کیا، چھوٹے بھائی نے منال کو کہنی ماری تو ان دونوں میں سے کوئی بھی بڑے بھائی کے منہ نہ لگا تھا مگر بڑے بھائی پھر بھی کوشش میں رہتے کہ دونوں چھوٹے ان سے منہ کی کھائیں۔ بڑے بھائی پر بابا کے طنز کا اثر نہ ہوا شاید وہ فطرتاً ڈھیٹ تھے۔

"جی کیوں نہیں" وہ سعادت مندی سے بولے۔

"کیوں گواہوں کی کمی ہو گئی ہے؟" چھوٹے بھائی نے جانے کس وقت کا حساب برابر کیا تب ہی بڑے بھائی کا موبائل بج اٹھا وہ جواب دینے سے پہلے ہی اٹھ گئے۔ منال کو خود بخود ہی بڑے بھائی کی شادی میں دلچسپی پیدا ہوتی محسوس ہوئی، یہ ایک خوشی کی خبر تھی، مگر اس نے ظاہر نہ کیا، جو ان تینوں کا ایک دوسرے کے لیے رویہ تھا اس نے بھی وہی اپنایا، ایک دوسرے کے لیے فطری دلچسپی کو وہ جان بوجھ کر دباتے تھے۔

"وہ میرے لیے نہیں تو میں اس کے لیے کیوں؟" بس یہی حساب تھا، چونکہ تینوں ایک دوسرے سے الگ مزاج کے تھے سو دلچسپیاں بھی الگ ہی تھیں۔

"چھوٹے! بھئی تم بھی کبھی کبھی ہمیں یہ بتا دیا کرو کہ میں فلاں کلاس میں ہو گیا ہوں، بھلے سے مارکس کے لیے مٹھائی ہم ہی سے کھا لیا کرنا"۔ کافی دنوں بعد وہ سب بابا کے ہاتھ چڑھے تھے سو یہ تو ان کا حق تھا، جو وہ خوب استعمال کر رہے تھے، وہ کھسیانا سا ہو گیا، بڑے بھائی بھی واپس آ گئے۔

"بابا! بتایا تو تھا کہ فائنل ایئر میں ہوں"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا، منال نے پانی کا گلاس میز پر رکھا، وہ اس معاملے سے بے فکر تھی کہ بابا اس سے بھی سوال جواب کریں گے، آخر کو وہ ان کے پاس ہی تو رہتی تھی۔

"اگر میں لڑکا ہوتی تو شاید میں بھی اب بابا کے کٹہرے میں کھڑی ہوتی کیونکہ میں نے دونوں بھائیوں کا ہی "بھائی" ہونا تھا"۔ وہ سوچ کر جھرجھری لیتے ہوئے مسکرائی، سب یہی سوچ رہے تھے کہ اب بابا شادی کا موضوع چھیڑے مگر وہ موضوع چھیڑنے والے خود نہ ہو۔

"اچھا بیٹا! کب کر رہے ہو پھر اور کب کھلا رہے ہمیں بھی اپنی شادی کے چاول؟" بابا کو پہلے بیٹے کی شادی خوشی دے رہی تھی، منال اور چھوٹا بھائی بھی اور اشتیاق سے ان کی طرف دیکھنے لگے، بابا نے شادی کا موضوع چھیڑا تو پھر شادی کروا کر ہی دم لیا۔

نئی بہو بھی اپنے خاوند کے مزاج کی تھی، شاید یہ ہی ان دونوں کی بنی تھی، منال بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی تھی، ویسے کے اگلے دن سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے، بابا پھر سے اکیلے رہ گئے اپنی بیٹی کے لیے۔

☆……☆……☆

بابا کو واک کی عادت تھی وہ اور منال روزانہ صبح کے سامنے والی سڑک پر چلا کرتے تھے۔

"بیٹا! میں تمہیں ہمیشہ یاد کرواتا رہتا ہوں کہ ساری زمین، یہ باغ اور یہ گھر تمہارے ہیں، اپنے تمہارے دونوں بھائیوں کا کوئی حق نہیں، خبردار ان سے بھی یہ نہیں بھولنا بھی"۔ بابا اس کے ساتھ چلتے ہوئے اردگرد زمینوں کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے پیار سے بولے، منال کو یہ زمینیں، گھر اٹریکٹ نہیں کرتا تھا، مگر ملکیت کے احساس سے تفاخر سے خواہ مخواہ اس کی گردن اکڑ گئی۔

"میں نے پتھروں سے بنی جائیداد ہی تمہارے بھائیوں کو دی ہے، انھیں اٹریکٹ ہی پتھر کرتے ہیں مجھے تو اکثر لگتا ہے کہ وہ خود بھی پتھر کے ہیں، مگر تمہیں جیتے جاگتے، چلتے پھولتے باغ دیے ہیں جو تمہیں اٹریکٹ کرتے ہیں، کیونکہ میں جانتا ہوں"۔ چلتے چلتے ان کی سانس پھول گئی اور وہ گھٹنوں کے بل جھک کر بیٹھ گئے اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگے، منال نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"میں جانتا ہوں کہ میرا بیٹا بہت نازک ہے اسے اس کے جیسی ہی چیزیں ملنی چاہئیں"۔ انھوں نے پیار سے اس کا ماتھا چوما، اگلے چند دنوں میں بابا کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی، وہ اچھے خاصے صحت مند تھے، مگر یکدم ہی کمزور ہو گئے، انھیں سانس لینے میں دشواری ہونے لگی، کئی دن ہاسپٹل میں رہ کر گھر آئے تو پھر بھی تندرست نہیں تھے، گھر میں چوکیدار، منال اور بابا ہی ہوتے تھے، بابا سارا ٹائم بستر پر لیٹے رہتے اور منال ہر وقت ان کے پاس رہتی، بھائی بھی کبھی کبھی آ جاتے تھے۔

"بیٹا! مجھے اپنی موت کے غم سے زیادہ تمہارے اکیلے رہ جانے کا ڈر ہے، تم سب بہن بھائیوں کی اتنی بنتی نہیں، مجھے تمہاری بہت فکر ہے کیا ہو گا تمہارا؟" بابا فکرمندی سے بولے، منال کا دل دہل گیا اس نے گھبرا کر بابا کی طرف دیکھا۔

"بابا! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ آپ کو کچھ نہیں ہو گا، آپ ٹھیک ہو جائیں گے اور ہم اکٹھے رہیں گے"۔ وہ بابا کے سینے سے لگ گئی۔

"تم سب بہن بھائی دوسروں سے مختلف کیوں ہو، مجھے کبھی سمجھ نہیں آئی، مگر میں تم لوگوں کا بابا ہوں، یہ ضرور اچھی طرح سے سمجھ گیا ہوں کہ تم لوگ دل سے ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرتے، مجھے خوشی ہوئی تھی کہ تم دونوں چھوٹوں نے بڑے بھائی کی شادی میں خوشی سے شرکت کی"۔ وہ آخر میں خود ہی مسکرائے تب ہی چھوٹا بھائی وہاں چلا آیا۔ گاڑی کی چابی میز پر رکھتے ہوئے منال کے پاس ہی بیٹھ گیا، اس نے روتی ہوئی منال کو خود سے لگا لیا۔

"چھوٹے بھائی!" وہ رونے لگی، بابا مشکل سے سانس لے رہے تھے اور پھر ان کی سانسیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں، وہ بہت روئی، وہ بالکل تنہا ہو گئی تھی، بھابی چند دنوں بعد چلی گئی مگر دونوں بھائی وہیں رہے۔ مسئلہ منال کے رہنے کا تھا، وہ ہر وقت روتی رہتی تھی۔

"منال! تم میرے ساتھ چلنے کی تیاری کرو، اور ہاں! وہ جو زمین وغیرہ کے پیپرز ہیں آئی مین جو تمہارے ہیں، وہ مجھے دو میں کہیں سیو کر دوں گا، جب تم اس قابل ہو جاؤ گی تب تمہیں لوٹا دوں گا"۔ بڑے بھائی نے لہجے کو سرسری سا بناتے ہوئے کہا۔

"واٹ...؟" وہ نا سمجھی سے انھیں دیکھنے لگی۔

"تمہارے حصے کے جو کاغذات ہیں وہ"۔ کمرے سے نکلتے ہوئے وہ بولے، تب ہی چھوٹا بھائی کمرے میں داخل ہوا تھا پوری بات کو سمجھ گیا۔

"بٹ وائے؟" وہ الجھتے ہوئے بولا۔

"اٹس ناٹ یور میٹر" وہ ناگواری سے بولے۔

"وائے اٹس ناٹ مائی میٹر؟" چھوٹا بھائی بولا۔

"میرے پاس فضول ٹائم نہیں جو تم سے سر کھپاؤں"۔ بڑے بھائی بولے۔

"منال! بولتی کیوں نہیں تم؟" چھوٹے بھائی نے سختی سے کہا۔

"یہ میرا اور منال کا معاملہ ہے تم انٹرفیئر نہ کرو تو بہتر ہے"۔ بڑا بھائی دوٹوک انداز میں بولا۔

"کیوں نہ کروں، بہن ہے وہ میری"۔ وہ چیخ کر بولا۔

"اچھا! پہلے کہاں تھی یہ بہن؟" بڑے بھائی طنزاً بولے، اس نے گھور کر دیکھا۔

"اچھا خود عید کے عید حاضری دے کر بڑا حق ادا کیا ہے جو اب اس کا حق لینے بھی آ گئے"۔ وہ چبا کر بولا، منال نے غصے سے دونوں کو دیکھا۔

"اسٹاپ اٹ، جسٹ اسٹاپ اٹ"۔ وہ چلائی اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئی۔

"کہیں نہیں جا رہی میں، اور کسی کے ساتھ بھی نہیں، یہ میرا گھر ہے اور میں یہیں رہوں گی"۔ وہ سر جھکائے دو ٹوک لہجے میں بولی۔

"بٹ تم یہاں اکیلی کیسے رہو گی؟" بڑے بھائی

ضبط کرتے ہوئے بولے، منال نے عجیب سی نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا۔

"پہلے کیسے رہتی تھی میں؟" وہ تنک کر بولی۔

"پہلے اور بات تھی اب تم اکیلی ہو، یہ میری ذمے داری ہے کہ تم کہاں رہو گی۔" وہ ذرا غصے سے بولے۔

"ہاں، ہاں! اب واقعی اور بات ہے، سن لی تھیں میں نے آپ کی اس دن باتیں، بھابی کو بڑا پسند آیا ہے منال کا یہ گھر اور یہ باغات۔" چھوٹا بھائی کب سے ضبط کیے کھڑا اچھا چباتے ہوئے بولا۔

"کتنی دفعہ کہا ہے کہ ہمارے معاملے میں نہ بولو۔"

وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے، انھیں "گھر اور باغات منال کے" کہنا شاید پسند نہیں آیا تھا۔

"تم کہیں نہیں جا رہی ہو، بھائی کے پریشر میں آنے کی ضرورت نہیں، میں خود چند دنوں تک یہاں تمہارے پاس آجاؤں گا۔" چھوٹا بھائی تنبیہ کرتے ہوئے ذرا نرمی سے بولا۔ منال نے الجھ کر اسے دیکھا۔

دن گزرتے جا رہے تھے، اور بھائیوں کے درمیان اس معاملے پر بحث بڑھتی جا رہی تھی، جانے وہ کیسے اتنے دن سے اس کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، منال نے اپنا فیصلہ دوٹوک سنا دیا تھا مگر وہ واقعی "ڈھیٹ" تھے جو جانے کا نام نہیں لے رہے تھے، منال جانتی تھی کہ بابا کے بعد اب اسے بھائیوں کے ساتھ ہی رہنا چاہیے، مگر یہ اچانک محبت بھی اسے الجھن میں مبتلا کر رہی تھی، کافی مرتبہ دونوں بھائیوں میں لڑائی ہوگئی تھی۔

"میں لاسٹ ٹائم کہہ رہی ہوں کہ مجھے ڈسکس کر کے آپ کو لڑنے کی ضرورت نہیں، میں ہمیشہ یہاں ہی رہوں گی، بے کار کی بحث کا کیا فائدہ؟ جو آپ چاہتے ہیں سمجھتی ہوں میں اچھی طرح۔" وہ ذرا ناگواری سے بولتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی تھی، کالج سے بہت چھٹیاں ہوگئی تھیں، وہ صبح کالج جانے کا سوچ رہی تھی، اکیلے رہنے کا فیصلہ تو اس نے کر ہی لیا تھا کہ شروع سے ہی سب بہن بھائیوں کو ایک دوسرے کے خلاف ہی فیصلے کرنے کی عادت تھی چاہے فائدے میں ہو یا نقصان میں۔ چھوٹے بھائی نے ساتھ رہنے کا شاید اس لیے اس نے بابا کی پسندیدہ جگہ پر ہی فیصلہ کیا تھا، کالج سے واپسی پر اسے پھر معلوم ہوا کہ لے کر جو لڑائی لڑی جا رہی تھی وہ بہت خوفناک تھی ہی تو اس کا اختتام اتنا خوفناک ہوا تھا۔ بڑے بھائی کی موت، چھوٹا بھائی جیل میں... منال بالکل تنہا... رہ گئی تھی۔ یہ گھر، یہ زمینیں بس بابا کی موت کے پندرہ دن بعد ہی۔

☆..................☆..................☆

سردیوں کی دھوپ بہت بھلی ہوتی ہے، وہ جگہ بہت پرسکون... سفید ماربل کا بنا خوبصورت سا گھر بابا کا پسندیدہ تھا اور دور تک کھیتوں سے لدے باغوں کی جان تھی، انھوں نے اپنی جان ہی تو منال کو سونپ دی تھی، وہ چھت پر کھڑی گم صم ہر چیز کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی، سفید فراک اور چوڑی دار پاجامے کے ساتھ سفید ہی نرم سا دوپٹہ گلے میں ڈالے وہ اپنے چھوٹے سے سفید محل کی چھت پر افسردہ سی ٹہل رہی تھی۔ بھائی کی موت پر وہ بہت روئی تھی، چھوٹا بھائی جیل گیا تو وہ بہت روئی تھی، حالانکہ وہ ایک مجرم تھا مگر کیوں اور کیسے؟

"کیا وہ بڑے بھائی سے بہت نفرت کرتا تھا؟ یا پھر وہ نہیں چاہتا تھا کہ منال اس گھر کو چھوڑے مگر... اس کے لیے بھائی کو مار دینا ہی کیا ٹھیک تھا؟ ہاں، بھابی اس کی چھوٹی سی نگری کی مالک بننا چاہتی تھیں اور وہ نہیں چاہتا تھا ایسا ہو، وہ سوچتے سوچتے پھر رونے لگی اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر چھت پیچھے کی طرف ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ آنسو صاف کر کے باغ میں آ گئی، وہ روزانہ اس پوری زمین کا چکر لگاتی تھی یہ بابا نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا، وہ ایک ایک چیز کو چھو کر بابا کو محسوس کرتی، کافی دیر وہاں ٹہلنے کے بعد وہ گاڑی

طرف آئی اور پھر قریبی قبرستان چلی گئی، وہ روزانہ وہاں جاتی تھی۔

بابا اور بھائی کی قبر ساتھ ساتھ تھی، اس کے دل میں دونوں سے کرنے کے لیے بہت سے سوال تھے، مگر دونوں کی طرف سے کوئی جواب نہیں تھا۔

"بابا... بھائی!" وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی، پھر خاموش ہوگئی۔

"بابا! میں اکیلی ہوگئی ہوں، اب تو میرے پاس کوئی نہیں رہا، بھائی! آپ ہی بتادیں آپ کیا چاہتے تھے، سوری بھائی! یہ سب شاید میری وجہ سے ہوا ہے، مگر چھوٹے بھائی تو کہتے ہیں تم فکر نہ کرو، یہ سب تمہاری وجہ سے نہیں تمہاری دولت، زمینوں کی وجہ سے ہوا ہے۔" وہ سسکنے لگی۔

"بھائی! آپ کو پتہ ہے کہ بابا ان زمینوں سے بہت پیار کرتے تھے، تو میں کیسے بھابی کے اور آپ کے حوالے کر دیتی، آپ لوگوں نے سب ختم کر دینا تھا اور پھر وہاں سب پتھر ہی پتھر ہوتے، مگر بابا کو تو پتھر پسند نہیں تھے، میں کیسے دیتی آپ کو؟" وہ روتے ہوئے اٹھ گئی اور جھولی میں پڑے اپنے باغ کے گلاب کے پھول دونوں قبروں پر نچھاور کر دیے۔ وہ ان دونوں سے مل آئی تھی، وہ اکثر ہی چھوٹے بھائی سے بھی ملنے جاتی تھی، وہ کبھی اپنے حوالے سے نہیں کہتے تھے، مگر وہ خوفزدہ تھے، منال کے اکیلے رہنے کی وجہ سے خوفزدہ تھے، اب بھی وہ سلاخوں کے پیچھے سے روتی ہوئی منال کو چپ کروا رہے تھے۔

"بھائی! میں آپ کو چھڑوا لوں گی، جلد ہی آپ میرے ساتھ ہوں گے، بھائی! میں اکیلی ہوگئی ہوں، مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔" وہ ہولے ہولے روتے ہوئے بولی۔

"تم میرے شہر والے گھر جانا، وہاں پر میرے کمرے کی الماری میں میری پراپرٹی کے سارے کاغذات ہیں وہ لے آنا اور اپنے پاس رکھ لینا، گاڑی بھلے سے بیچ دینا، فکر نہ کرو، اللہ سب ٹھیک کرے گا۔" انھوں نے اسے دلاسہ دیا۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہوتا میرے ساتھ، نہ ہمارے ساتھ، بھائی! آپ کچھ بولتے کیوں نہیں، آپ نے بڑے بھائی کو کیوں مارا ہے؟" وہ یاد آنے پر بولی اور چونک گئی، وہ خاموش رہے، پھر وہ بھی خاموش ہوگئی، مگر اس کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا اور بس ڈر۔

ان کی ملاقات کا ٹائم اوور ہوگیا تھا، اس نے الوداعی نظر بھائی پر ڈالی۔ کیوں...؟ ایک سوال، اور نظریں جھک گئیں، کوئی جواب نہیں تھا، بس پچھتاوا، ڈر، خوف اور... پھر تنہائی، ہاں! تنہائی سب تنہا ہوگئے تھے، بابا، بھائی، وہ، بھابی اور چھوٹا بھائی جیل میں تھا، وہ ابھی اور باہر نکل گئی۔

☆..................☆..................☆

ادارہ روداد ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
تم میرے ہو کے رہو
صالحہ محمود
قیمت -/500 روپے
ملنے کا پتہ:
ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی

READING CORNER

نائلہ طارق

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 21

جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے

"عارش! مجھے بیا سے ملنا تھا۔ تم جلدی آجانا۔" عارش سے مخاطب ہوتی وہ بیگ شانے پر ڈالتی تیز قدموں کے ساتھ نکل گئی تھی۔ صوفے سے اٹھتے ہوئے عارش نے ایک نظر اسے دیکھا تھا جو سپاٹ چہرے

کے ساتھ چائے کے سپ لے رہی تھی۔

"تمہیں اس کی بات بری لگی ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"جاؤ، وہ انتظار کر رہی ہوگی۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ سرد لہجے میں بولی تھی۔

"خرمن! میں اسے لے آتا ہوں تم اس سے اپنی بات کہہ دو مگر اس کا غصہ تم مجھ پر مت اتارنا، تمہارا یہ گریز یوں ہونا میرے لیے عذاب ہے۔" لائٹ براؤن اسکارف میں قید اس کے تاثرات کو بھانپتے ہوئے وہ دوٹوک انداز میں پوچھ رہا تھا جواباً وہ بس خاموشی سے اٹھ کر ٹیبل سے چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔ گہری سانس لے کر اسے دیکھتا وہ کمرے کی طرف گیا تھا اور کچھ دیر بعد جب باہر آیا تو وہ کچن میں تھی باہر سے ہی اسے اپنے

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

جانے کی اطلاع دیتا وہ گھر سے نکل گیا تھا۔

☆.....☆

"وہ دونوں آگئے ہیں مگر خرمن تمہیں جو بات کرنی ہے۔ بعد میں کر لینا۔ پہلے ہی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" پلیٹیں ٹیبل پر لگاتے ہوئے بیلا اس سے التجا کر رہی تھی جو غصے میں بھری بیٹھی تھی۔

"تم پر کسی نے انگلی اٹھائی ہے؟ کتنی بار عثمان کے گھر والوں نے اس کے سامنے تنقید کی ہے تم پر؟ کتنی بار عثمان نے تمہارے خلاف کوئی بات سن کر خاموشی اختیار رکھی ہے؟" بلند آواز میں وہ بیلا سے مخاطب تھی جب کہ بیلا نے گھبرا کر کچن میں آتے عارش اور عثمان کو دیکھا تھا۔

"بیٹھو تم دونوں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" بیلا گڑبڑا کر ان دونوں سے مخاطب ہوئی تھی۔ عارش نے بس ایک نظر اس کے تیوروں کو دیکھا تھا جو اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" عثمان کے سنجیدہ لہجے پر خرمن نے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے کیا ہونا ہے۔ میں انسان تھوڑا ہی ہوں جو مجھے کچھ ہوگا، میں تو راستے میں پڑی بے جان چیز ہوں جسے کوئی بھی ٹھوکر مار کر چلا جائے گا۔" وہ تیز لہجے میں بولی تھی۔

"تمہیں جو کہنا ہے کہو مگر پہلے سب کو سکون سے کھانا کھا لینے دو، بہتر یہ ہوگا کہ پہلے اپنا غصہ ٹھنڈا کرو ورنہ اپنے علاوہ تم کسی کو کچھ کہنے کا موقع نہیں دو گی۔" پلیٹ میں کھانا نکالتے ہوئے عارش نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"عارش! تم اس بھول میں ہرگز مت رہنا کہ تمہارے خاندان کا کوئی بھی فرد منہ اٹھا کر مجھ پر بے جا تنقید کرے گا اور میں اسے برداشت کر لوں گی۔" بھڑکتے لہجے میں وہ بولی تھی۔ "کتنی بار میں نے غصے میں تمہیں کچھ بولنے کا موقع نہیں دیا۔ کتنی بار تمہاری جرأت نہیں ہوئی میرے سامنے کچھ کہنے کی؟" وہ خاموش بیٹھے عثمان سے بھی پوچھ رہی تھی۔

"کون بے زبان گھوم رہا ہے یہاں؟ میں کسی کو بولنے کا موقع نہیں دیتی۔ میں ایگریسو ہوں۔ میں جذبات سے عاری ہوں۔ مجھ سے نکاح کرتے وقت یہ سب نظر نہیں آیا تھا۔ اب مجھ میں کیڑے نظر آرہے ہیں سب کو۔"

"بات کو مت بڑھاؤ خرمن! تمہیں منیزہ کی بات بری لگی ہے تو جو کہنا ہے اس سے کہو۔" بمشکل ضبط کرتے ہوئے عارش نے کہا تھا۔

"میں بات کو بڑھاؤں گی۔ منیزہ سے پہلے میں تمہیں تمہاری اوقات کیوں نہ بتاؤں۔ جب تم میرے لیے اسٹینڈ نہیں لے سکتے میری بے عزتی پر خاموش تماشائی بن سکتے ہو تو تمہیں کوئی حق نہیں ہے خود کو میرا شوہر کہلوانے کا۔ جہنم میں جائے سب وہ کون ہوتی ہے مجھے محبت کے سبق پڑھانے والی۔"

"بس کرو خرمن! اب خاموش ہو جاؤ۔" عثمان کو بولنا پڑا تھا۔

"کوئی مجھے یہ بتا دے کہ اس گھر میں میری حیثیت کیا ہے۔ میں خاموش ہو جاؤں گی۔ وہ تو فرمان دے کر چلی گئی کہ محبت کے بغیر رشتہ ادھورا ہے۔ محبت ہو گی تو شادی جائز ہو گی اور میری طرح وہ یہ ناجائز کام نہیں کر سکتی۔ اس کا مطلب تو یہی ہے کہ میں گناہ کی زندگی گزار رہی ہوں۔ کوئی فرق نہیں مجھ میں اور ایک کال گرل میں۔"

"بہت سن چکا ہوں میں تمہاری بکواس۔" بلند آواز میں عارش نے ایک جھٹکے سے پلیٹ سامنے سے ہٹائی

تھی جو فرش پر گرتی چکنا چور ہو گئی تھی۔ دنگ کھڑی بیلا کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

"منیزہ نے جو کہا ٹھیک کہا۔ اب تم اسے کسی بھی نظر سے دیکھو یہ تمہارے دماغ کا فتور ہے۔" شدید اشتعال میں وہ اس پر برسا تھا۔

"عارش! بیٹھ جاؤ۔" عثمان نے اسے شانت کرنے کی ایک ناکام کوشش کی تھی۔

"نہیں کھانا مجھے اس کے ہاتھ کا کھانا۔" ایک جھٹکے سے عثمان سے بازو چھڑاتا وہ کچن سے نکلا تھا۔ بیلا نے دہل کر خرمن کو روکنا چاہا تھا جو اسی تیزی سے اس کے پیچھے گئی تھی۔

"جب تم میرے بارے میں دوسروں کی بکواس خاموشی سے سن سکتے ہو تو میری بکواس بھی سنو۔" اس کی بلند آواز پر وہ رک کر پلٹا تھا۔

"تمہارے خاندان کے کسی فرد کو یہ حق نہیں ہے کہ اب مجھ پر انگلی اٹھائے ورنہ میں ایک ایک کی دھجیاں اڑا دوں گی۔ حیثیت کیا ہے تمہارے خاندان کی، تھوک کر چاٹنے والا خاندان ہے تمہارا۔"

"میرے خاندان کو درمیان میں مت لاؤ۔ میں اب ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا۔" سرخ چہرے کے ساتھ وہ بولا تھا۔

"تمہیں سننا پڑے گا۔ تمہارے خاندان کے لیے آج بھی میں غلاظت میں پڑی چیز ہوں۔ کیا سمجھ رکھا ہے مجھے تم نے اور تمہارے خاندان نے۔"

"تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔ یہ جانتی ہو تم؟ تمہاری نظر میں میری کیا حیثیت ہے؟ میں آج بھی تمہارے نزدیک ایک بے وقعت گرا ہوا انسان ہوں جس کے ساتھ تم زندگی گزارنے پر مجبور ہو صرف اپنے ماں باپ کی خوشی کے لیے۔ مجھے یقین ہے کہ تم آج بھی مجھے چھوڑ کر جا سکتی ہو اگر تمہارے دل میں ماموں جان کا خوف نہ ہو۔ سچ سننے کی ہمت نہیں ہے تمہارے پاس، میں کیوں روکتا منیزہ کو؟ اس نے وہی سب کہا تھا جو میں تم سے کہنا چاہتا تھا۔ تمہیں محبت کا نام تک زبان پر لانے کا حق نہیں ہے۔ تم کیا کسی سے محبت کرو گی۔ تمہیں تو بس مذاق اڑانا آتا ہے۔ جذبوں کا اور انسانوں کا۔" شدید اشتعال میں آج اس نے وہ سب بھی کہہ دیا تھا جو کہنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے عثمان اور بیلا کی موجودگی کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ سپاٹ نظروں سے خرمن اسے دیکھتی رہی تھی جو جارحانہ قدموں کے ساتھ گھر سے ہی نکل گیا تھا۔ ساکت کھڑا عثمان ہوش میں آتا اس کے پیچھے ہی گیا تھا۔

"کیا حاصل ہوا خرمن یہ سب کر کے؟" شدید تاسف کے ساتھ بیلا نے اس کے تاریک ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"اپنا سب کچھ دے دیا۔ کچھ بھی بچا کر نہیں رکھا پھر بھی اسے لگتا ہے کہ میں اسے چھوڑ کر جا سکتی ہوں۔" لرزتے لہجے میں بولتے ہوئے اس کی آنکھوں سے سیلاب رواں ہونے لگا تھا۔

"منیزہ کو میں نے اپنا سچ کر دل کی بات بتائی تھی۔ وہ اسی بات کا طعنہ مجھے دے گئی۔ محبت کے ثبوت مانگے جاتے ہیں۔ جلتے توے پر ہاتھ رکھنے کے مطالبے ہوتے ہیں۔ اب بھی ضرورت ہے اس کی؟" اس کے کرب ناک لہجے پر بیلا نے تڑپ کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

☆.....☆

چشم سے ایک تصویر اس کی آنکھوں کے پردے پر لہرائی تھی۔ اس کے خیال کا غلبہ بہت اچانک ہی دل و

دماغ پر اس طرح چھایا کہ وہ یہ بھی بھول گیا کہ اس وقت وہ لیپ ٹاپ پر اپنے فیملی پیج پر ہے۔

"منیزہ......!" اس کے ہونٹوں پر مدھم سرگوشی سی ہوئی تھی۔ جانے یہ کیسی کشش تھی۔ کیسا بے نام سا رابطہ تھا۔ جو دل کو بہت عزیز ہونے لگا تھا۔ اتنی خاموشی سے ایک چہرہ دل کی عمیق گہرائیوں میں اترا تھا کہ وہ خود بھی بےخبر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ خوب صورتی بھی اس کی کمزوری نہیں رہی ہے۔ وہ لڑکی اگر خوب صورت ہے بھی تو اس سے کہیں زیادہ حسین چہروں کو وہ نظرانداز کرتا رہا ہے۔ شاید اس کا لاپروا انداز پہلی ہی بار میں دل پر اثر کر گیا تھا۔ وہ ہمیشہ سے دوسروں کی نظروں میں اپنے لیے ستائش اور پسندیدگی دیکھتا آیا تھا۔ وہ بھی اس طرح زیر نہیں ہوا تھا مگر یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے کسی کو پہلے خود توجہ دی ہو یا پہلا قدم بڑھایا ہو۔ وہ بھی اس کی جانب جس کے نزدیک وہ عام سا انسان تھا ہر وہ تبھی منیزہ سے اس نے اپنی آواز کی تعریف میں ایک لفظ بھی نہیں سنا تھا۔ وہ جو اس تعریف کا عادی تھا لنچ کے پورے ایک گھنٹے تک منتظر ہی رہا تھا۔ اسے حیرت نہیں ہوئی تھی منیزہ کے لیے دبے انداز پر وہ کافی سنبھل سنبھل کر مختصر بات کر رہی تھی۔ ہارون کو ایک بار بھی اس کی آنکھوں یا لہجے سے اپنے لیے کوئی ایکسٹرا آرڈنری چیز محسوس نہیں ہوئی تھی۔ نہ وہ اس چیز پر نازاں تھی کہ وہ کسی اہم شخص کے ساتھ لنچ کر رہی ہے۔ البتہ ہر تھوڑی دیر بعد اس کے چہرے پر تذبذب اور گھبراہٹ کے تاثرات ضرور اسے دکھائی دیے تھے۔ ہارون کو اس کے پل پل بدلتے رنگ بہت دلچسپ لگے تھے۔ اسی لیے تو باتوں کو طول دے کر اس نے منیزہ کا زیادہ وقت لیا تھا اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً وہ لنچ ختم کرتے ہی وہاں سے بھاگ جاتی۔ سر کو جھٹکتے ہوئے اس کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔ منیزہ نے اب تک فون پر اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ وہ حیران نہیں تھا مگر منتظر ضرور تھا۔ ہوا کے سرد جھونکے پر اس نے چونک کر کھڑکی کی جانب دیکھا تھا جس کے گلاس وہ بند کرنا بھول گیا تھا۔ لیپ ٹاپ ٹیبل پر رکھتا وہ کھڑکی کی سمت بڑھ گیا تھا۔ گلاس بند کرتے ہوئے اس کی نظریں لان میں موجود سائے پر ساکت ہوئی تھیں۔ وہ یقیناً ہشام قزلباش تھے۔ ان کو دیکھتے ہوئے ہارون کو شدید قسم کا دھچکا لگا تھا۔ چند لمحے پہلے جن خوب صورت سوچوں میں گم تھا وہ یکدم تاریکیوں میں گم ہو گئی تھیں۔ کوئی چیز اسے اپنے دل میں چبھتی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی جلتی نگاہیں۔ لان کی تاریکی میں موجود ہشام قزلباش پر ساکت تھیں۔ سرد ہواؤں سے بے نیاز وہ اس وقت کس کرب اور اذیت میں مبتلا تھے ہارون اس سے بےخبر نہیں تھا۔ آخر یہ نا ختم ہونے والی اذیتیں اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے باپ کی روح میں اتاری تھیں۔ اسے اپنا دل آہنی شکنجے میں جکڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ اپنی عزیز ترین ہستیوں کو موت جیسی اذیت میں ڈالنے کے بعد وہ کس طرح اپنے دل میں خوشیوں کے تاج محل قائم کر سکتا تھا؟ وہ ان خوشیوں کا اہل نہیں تھا۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ ایک مجرم ہے۔ جس کے جرم کی سزا اس دنیا کی کوئی عدالت نہیں دے سکتی۔ اسے تو آخری سانس تک اپنے گناہوں کی آگ میں جلنا تھا۔ گلاس بند کیے بغیر وہ کھڑکی سے دور ہو گیا تھا۔ ایک چہرے نے ایک خیال نے کچھ دیر کے لیے اپنی حقیقت سے اسے دور کر دیا تھا مگر اب اس کے دل اور ذہن میں کچھ نہیں تھا۔ رات کے اندھیروں میں سب کچھ گم ہو گیا تھا۔ اسے واپس اپنے حصے کی تنگ و تاریک قبر میں اترنا تھا اور وہ اتر چکا تھا۔

☆......☆

غم اور غصے کی شدت سے وہ سو بھی نہیں پا رہا تھا۔ گھر سے باہر عثمان کے سامنے اپنے غصے کا اظہار کرنے کے باوجود اسے مشکل لگ رہا تھا اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھنا۔ کتنی آسانی سے وہ اسے ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں

READING CORNER
http://readingcorner.blogspot.com

دکھیل دیتی تھی۔ اس کی بے تحاشہ محبت کی ایک آنچ تک اس کے پتھر دل کو پگھلا نہیں سکی تھی۔ کتنا فخر تھا اسے خود پر کہ وہ نابلد ہے محبت جیسے جذبے سے اور وہ جو اس کے سارے غم اپنے دل میں چھپانا چاہتا تھا۔ اس کی خوشیوں کی تلاش میں دن رات سرگرداں تھا۔ پاگل، دیوانہ ہو رہا تھا کس طرح اس کے کھردرے اور سنگدل سلوک کو برداشت کرتا تھا۔ یہ تو وہی جانتا تھا اس کے گم گشتہ راستوں کی تلاش میں وہ خود کو مٹا ڈالنے کا حوصلہ رکھتا تھا مگر آج پھر وہ ایک ہی وار میں اسے ریزہ ریزہ کر گئی تھی۔ رات کا آخری پہر تھا جب دروازے پر ہوتی دستک نے اس کے دل و دماغ کو مزید سلگا دیا تھا۔ اس کی حقارت اور تضحیک کو سمیٹنے کے بعد وہ کسی طور دروازہ کھولنے کی اجازت خود کو نہیں دے سکتا تھا۔ دروازے پر دو تین بار دستک ہوئی تھی۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی تھی کان بند کیے وہ تکیے میں چہرہ چھپائے کڑھتا رہا تھا۔ اب وہ کیا کہنے آئی ہے۔ ایک اور زخم دینے ایک اور اذیت کا تحفہ دینے، عثمان جب اسے واپس گھر لایا دروازہ بیلا نے ہی کھولا تھا جب کہ وہ کسی بھی جانب دیکھے بغیر دوسرے بیڈ روم میں جا کر دروازہ اندر سے مقفل کر چکا تھا۔ خود کو قابو میں رکھنے کا یہی ایک طریقہ تھا ورنہ اسے یقین تھا کہ اگر خرمن اس کے سامنے آئی تو وہ اپنے حواس کھو دے گا۔ لاشعوری طور پر وہ دوبارہ دستک کا منتظر رہا تھا اور پھر پتہ نہیں کس وقت نیند غالب آ گئی تھی۔

☆.....☆

مسلسل چیختی کال بیل نے اس کی نیند میں خلل ڈالا تھا۔ بیڈ سے اٹھتے ہوئے اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا تھا۔ صبح کے 7 بج رہے تھے۔ اس وقت کون آ سکتا ہے؟ وہ حیران تھا۔ وہ مزید حیران بلکہ پریشان بھی ہوا تھا عروسہ کو فاران کے ہمراہ اپنے سامنے دیکھ کر۔

"خرمن کی طبیعت کیسی ہے اب؟" پریشان لہجے میں اسے دنگ کرتیں وہ اندر آئی تھیں۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" وہ حق دق تھا۔

"تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔ صبح ہی صبح اس نے مجھے فون کیا ہے، اس سے تو بات بھی نہیں کی جا رہی تھی۔ اب ایسی بھی کیا ناراضی تھی کہ تمہیں یہ تک نہیں پتہ کہ تمہاری بیوی کس حال میں ہے۔ تم جانتے بھی ہو کہ اس کے ساتھ کیا پرابلم ہے۔" عروسہ اس کی بے خبری پر بری طرح اس پر برسی تھیں اور تیزی سے کمرے کی سمت بڑھیں تھیں اور وہ جو بالکل ساکت کھڑا تھا سرعت سے ان کے پیچھے ہی گیا تھا۔

بیڈ پر نڈھال پڑی خرمن کے سفید چہرے نے عروسہ کے ہاتھ پیر پھلا دیے تھے۔ اس کا چہرہ تھپتھپا کر وہ اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر رہی تھیں مگر اس کی بے تحاشا سوجی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔

"دیکھو! اس کی کیا حالت ہو رہی ہے رات بھر۔ تمہیں اس کے پاس ہونا چاہیے تھا یا نہیں؟" عروسہ پھر عارش پر برسی تھیں جس کا دل حقیقتاً ڈوب رہا تھا۔

"آپی! بیلا رات میں کافی دیر تک اس کے ساتھی مگر....." بات ادھوری چھوڑتے ہوئے عارش کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"غلطی پر پردے مت ڈالو۔ اب دیر مت کرو اسے اسپتال لے کر چلو۔" عروسہ کی عجلت پر اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

☆.....☆

خرمن کی خوشی سے بھرپور پکار پر وہ تقریباً دوڑتی ہوئی باہر آئی تھی مگر اس وقت وہ اپنی جگہ ٹھہر گئی تھی۔ جب اس نے خرمن کے ساتھ ہی بیک سیٹ سے اترتیں عروسہ کو دیکھا تھا۔

"دل خوش کر دیا تم نے۔ میں تو اڑتی ہوئی آئی تھی یہاں۔" خرمن کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر منیزہ فرط مسرت سے اس سے لپٹ گئی تھی۔

"آپی! آپ نے چچی جان کو یہ خوش خبری پہنچائی؟" منیزہ کو یکدم یاد آیا تھا۔

"فکر مت کرو، اسپتال میں ہی سب سے پہلے میں نے ان کو فون کر دیا تھا۔ اب ذرا اسے کچھ کھلاؤ پلاؤ تاکہ اس کے اندر اتنی جان تو آئے کہ آنٹی سی بات کر سکے۔" منیزہ کو ہدایت دیتے ہوئے انہوں نے خرمن کے جھکے چہرے کو دیکھا تھا۔

"آپ فکر مت کریں۔ میں تو اسے اپنے ہاتھوں سے کھلاؤں گی۔" منیزہ نے ایک بار پھر خرمن کو اپنے ساتھ لگایا تھا اور پھر پارکنگ کی جانب نظریں دوڑائی تھیں۔ جہاں سے عارش کی آمد کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

"اب اسے لے جاؤ۔" منیزہ سے کہہ کر انہوں نے خرمن کو دیکھا تھا۔

"اسپتال میں تم جتنے میرے ہاتھ پیر پھلا چکی ہو کافی ہے۔ اب یہاں کسی کو پریشان مت کرنا۔ دنیا کا انوکھا نرالا کام کرنے نہیں جا رہی ہو تم، میں کل آؤں گی کوئی شکایت نہیں ملنی چاہیے مجھے اور کوئی ضرورت نہیں ہے بھاگ بھاگ کر ریڈیو جانے کی اگر تم نے بیڈ سے نیچے ایک قدم بھی رکھا تو تم سے پہلے عارش کی خبر لوں گی۔" عروسہ نے جس طرح اسے گھرکا تھا منیزہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"آپی! آپ بھی آیئے۔ کچھ دیر آرام سے بیٹھ جائیں پھر چلی جایئے گا۔" منیزہ کے اصرار پر عروسہ نے ایک نگاہ گرز کے پاس رکی بیلا کو دیکھا تھا جو فاران کی طرف ہی متوجہ کوئی بات کر رہی تھی۔ عروسہ کے دل میں ایک ٹیس اٹھی تھی۔ جانتی تھیں کہ بیلا ان کی وجہ سے ہی خرمن کے قریب آنے سے گریز کر رہی تھی۔ ایک پل کو تو ان کا دل چاہا تھا کہ سب کچھ بھلا کر جا کر اسے گلے سے لگا کر دل کو کچھ تو ٹھنڈا کر لیں مگر فاروق کے خیالات نے ان کے قدموں کو جکڑ رکھا تھا۔ سب کچھ وہ بھلا سکتی تھیں مگر اپنے شوہر کے اعتماد کو توڑنے کا جرم وہ دوبارہ نہیں کر سکتی تھیں۔ سو سلیقے سے منیزہ کو انکار کر کے وہ فاران کے ہمراہ وہیں سے واپس چلی گئی تھیں جب کہ بیلا خرمن کو اپنے گھر میں لے گئی تھی۔

"خرمن! یقین کرو، میں تو اتنی ناراض تھی عارش سے کہ میں نے عہد کر لیا تھا کہ میں یہاں آؤں گی بھی نہیں مگر تم نے مجھے خوشی سے اتنا پاگل کر دیا کہ میں سب کچھ بھلا کر یہاں بھاگی آئی ہوں۔" اس کی پشت پر تکیہ ٹھیک کرتے ہوئے منیزہ بول رہی تھی۔

"ٹھیک ہے، میں مانتی ہوں کہ کل میرا موڈ خراب تھا اور میں نے تمہارے مذاق کو دل پر لے کر بہت کچھ غلط بھی کہہ دیا تھا مگر بات میرے اور تمہارے درمیان ہوئی تھی تمہیں ناراض ہونے کا حق تھا تم مجھے ہزار باتیں سنا دیتیں مگر تمہارے شوہر کو کیا حق تھا درمیان میں آنے کا۔ کل سارا راستہ وہ مجھ پر برہم ہوتا گھر لے گیا تھا۔" اس کے سامنے بیٹھی وہ شدید ناراضی سے بتا رہی تھی۔

"وہ تم پر کیوں برہم ہوا؟" خرمن بمشکل پوچھ سکی تھی۔

"میری ان ہی اسٹوپڈ باتوں کی وجہ سے جو میں نے تم سے کی تھیں مگر مجھے جب اپنی غلطی کا احساس ہو گیا

تھا تو بھی وہ مجھ پر برستا رہا کہ میں نے تمہارے دل کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ میں نے تمہیں نہیں بلکہ اسے بھی دکھ پہنچایا ہے وغیرہ وغیرہ۔ عارش کو تو بس یہ یاد رہتا ہے کہ تم اس کی بیوی ہو۔ حالانکہ اسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کی بیوی تم بعد میں ہو پہلے میری دوست ہو۔" وہ مزید بولی تھی اور پھر جھٹ سے خرمن کا ہاتھ پکڑا تھا۔ "مجھے معاف کر دو۔ اتنی بڑی خوشی ملی ہے تمہیں اس کے لیے ہی میری غلطی بھلا دو۔ ورنہ میں عارش کو بلا کر تمہارے سامنے ہی اسے مبارکباد دینا شروع کر دوں گی۔" منیزہ نے شرارت سے اسے دھمکایا تھا اور پھر اس کے سرخ پڑتے چہرے پر بے ساختہ کھلکھلائی تھی۔

"اچھا سنو کل امی کی روانگی ہے سرگودھا کے لیے۔ تایا ابو سرجری کے بعد ابھی سیریس کنڈیشن میں ہیں۔ ان کا جانا ضروری ہے۔ کل ہم سب تمہارے گھر آئیں گے امی یہیں سے ایئرپورٹ جائیں گی۔" منیزہ بول رہی تھی جب ہی بیلا کھانے کی ٹرے سنبھالے کمرے میں آئی تھی۔

"میں آرام سے لفٹ میں اوپر جا سکتی تھی۔ تم کیوں میرے لیے پریشان ہو رہی ہو۔ تمہارا پارا بھی ڈسٹرب ہو گیا ہے۔" خرمن بولی تھی۔

"ڈسٹرب تو عارش ہو گیا ہے۔ وہ تم تک پہنچ ہی نہیں پا رہا۔ مجھے یقین ہے دل میں خوب مجھے برا بھلا کہہ رہا ہوگا۔" سوپ کا باؤل سائیڈ ٹیبل پر رکھتی وہ بولی تھی۔

"ہے کہاں وہ؟ اس کا عہدہ بڑھنے والا ہے۔ خوشی میں اعلان کروانے تو نہیں چلا گیا؟ اس کا تو کوئی بھروسہ بھی نہیں ہے۔" منیزہ کی تشویش پر بیلا نے ہنستے ہوئے خرمن کے دوپٹے میں قید چہرے پر ابھرتی جھینپی مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔

☆......☆

"وہ میرے گھر کے دروازے تک آئیں اور وہیں سے واپس چلی گئیں۔ ایسا کیسے ہونے دیا تم نے؟" عثمان کے سوال پر وہ بس سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں خود ان کے پاس جانا چاہیے تھا۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر گھر میں لانا چاہیے تھا۔ تمہارا ان سے رشتہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ تمہیں انکار نہیں کر سکتی تھیں۔ نہ تم نے اپنے حق کو یاد رکھا نہ اپنے فرض کو۔" اس کے سرد لہجے نے بیلا کو سلگا دیا تھا۔

"شاید تم بھول رہے ہو کہ مجھ سے سارے حق چھین لیے گئے تھے۔ میں کیوں ان کے آگے جھکتی؟ کیوں ان کو سر آنکھوں پر بٹھاتی؟ تمہاری بہن وہی عورت ہے جو خاموش تماشائی بنی رہی تھی اس وقت جب......" اس کی آواز بند ہو گئی تھی۔ جب عثمان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر مزید کچھ بولنے سے روکا تھا۔

"اپنی بہن کے خلاف میں تم سے ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہوں گا۔ نہ آج نہ کل۔ یہ بات میں دہراؤں گا نہیں۔" اس کی ساکت نظروں میں دیکھتا وہ تنبیہ کر رہا تھا۔

"تم میرے پاس ہو تو اس کی سب سے بڑی وجہ وہی عورت ہے جسے ہمیشہ سر آنکھوں پر تمہیں بٹھانا ہو گا۔" اس کے لبوں سے ہاتھ ہٹاتا وہ چند لمحوں تک اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا اور پھر اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ سن ہوتے وجود کے ساتھ وہ صوفے کے کنارے بیٹھ گئی تھی بھڑک اٹھتے دل کی تپش اس کی آنکھوں کو جھلسا رہی تھی۔ کس لہجے میں وہ اسے دھمکا گیا تھا۔ اس کے لیے یقین کرنا مشکل تھا۔ آج اسے بس یہ یاد رہا کہ عروسہ نے اس کے لیے کیا کیا۔ بیلا کا دل چاہا تھا کہ وہ کمرے میں جا کر اس کا گریبان

جھنجھوڑ ڈالے۔ چیخ چیخ کر اسے بتائے کہ آج اگر وہ اس کے ساتھ ہے تو صرف اپنی وجہ سے۔ پھٹکاریں، ذلت، اذیت، گالیاں اس کی بہن نہیں بلکہ وہ سہتی رہی ہے۔ یہاں تک پہنچنے کے لیے وہ جانوروں سے بدتر سلوک سہتی رہی تھی۔ اسے مجبور کیا گیا تھا تمام کشتیاں جلا ڈالنے پر مگر اس سب کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ وہ اس پر اپنی بہن کو فوقیت دے رہا تھا۔ پہلی بار اس نے آج عروسہ کے خلاف کچھ کہنا چاہا تھا۔ کیونکہ وہ مرتے دم تک نہیں بھول سکتی تھی کہ کس طرح وہ پتھر کا بت بن رہی تھیں۔ اس وقت جب فاروق کا عتاب اس پر ٹوٹ رہا تھا مگر اس کی کراہیں، اذیت ناک چیخیں کس طرح ان کو تڑپا سکتی تھیں۔ وہ ان کی اولاد تو نہیں تھی۔ وہ تو فاروق سے بھی زیادہ بے رحم ثابت ہوئی تھیں۔ ہاتھ کی پشت سے بھیگی آنکھیں خشک کرتے ہوئے اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ ایک جلتی نگاہ اس نے کمرے کی سمت ڈالی تھی کیونکہ عثمان نے دوبارہ اسے پکارا تھا۔ لب بھینچے وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ لاؤنج کی تمام لائٹس آف کر کے وہ صوفے پر ہی دوپٹے میں منہ سر چھپائے لیٹ گئی تھی۔

"جس کے پاس بیوی ہے اسے پھر مزید کسی ٹارچ بیل کی ضرورت نہیں۔" کچھ دیر بعد اسے عثمان کی ناگوار آواز سنائی دی تھی جب کہ اس کی ڈھٹائی پر عثمان نے فلور کشن صوفے کے قریب کھینچ لیا تھا۔

"آج تو برداشت کر رہا ہوں مگر آئندہ تمہاری یہ بے اعتنائی ہضم نہیں ہوگی مجھ سے، اپنی دوست کے نقش قدم پر نہ چلو کیونکہ میں عارش نہیں ہوں۔" اس پر کمبل ڈالتے ہوئے عثمان نے جتایا تھا مگر کوئی رسپانس نہ ملنے پر فلور کشن پر سر رکھے جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔

☆......☆

بیلا کے جانے کے بعد سے ہی وہ اس کی منتظر تھی جو سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔ اتنی بڑی تبدیلی کے باوجود وہ اب تک ناراض تھا۔ اتنا ناراض کہ یہ خوش کن خبر بھی اس پر کوئی اثر نہ ڈال سکی تھی۔ دل بجھ سا گیا تھا۔ سچ تھا کہ وہ خود عارش سے سارا وقت چھپے رہنے کی کوشش کرتی رہی تھی مگر اس کی وجہ بھی بہت خوب صورت تھی۔ شرم و حیا غالب تھی۔ اسے اب بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کا سامنا کس طرح کر سکے گی۔ منیزہ اور بیلا کی مسلسل موجودگی تک ٹھیک تھا اسے معلوم تھا ان دونوں کی وجہ سے وہ کمرے میں نہیں آئے گا مگر اب تو کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اسے عارش سے یہی امید تھی کہ وہ خوشی سے نہال ہوگا مگر اب گھر میں پھیلی خاموشی اور کمرے کی تنہائی نے اسے وسوسوں میں ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ اتنی جلدی یہ توقع نہ رکھتا ہو۔ خرمن نہیں جانتی تھی کیا اسے بچے پسند بھی ہیں یا نہیں۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان کبھی اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔ بجھے دل کے ساتھ اس نے اپنے دل کو ٹٹولا تو احساس ہوا کہ اس کا دل تو خوشی سے پاگل ہو رہا ہے۔ کیسا دل افروز احساس تھا یہ کہ عنقریب اس کی گود میں ایک ہنستا، کھیلتا بچہ ہوگا جو اس کے وجود کا حصہ ہوگا جو اس کو روتا دیکھ کر خود بھی روئے گا مگر یہ سوال نہیں کرے گا کہ وہ کیوں رو رہی ہے اور جب وہ اسے ہنستا دیکھے گا وہ خود بھی قلقاریاں مارے گا۔ وہ اسے پکارے گی تو سب کچھ چھوڑ کر اس کی باہوں میں سمٹ آئے گا۔ وہ صرف اس کا ہوگا وہ بھی اسے چھوڑ کر نہیں جائے گا۔

آنکھیں موندے وہ اس کے بارے میں سوچتی رہی تھی جسے اس وقت بھی وہ اپنی روح کی گہرائیوں تک محسوس کر سکتی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتا وہ ساکت رہ گیا تھا۔ نظریں اس کے چہرے پر جم گئی تھیں جو بیک کراؤن سے سر

READING CORNER

لگائے کوئی ماورائی مخلوق دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے چہرے کے ایک ایک نقش سے پھوٹتی الوہی روشنی خیرہ کن تھی۔ باوجود اس کے کہ وہ بہت کمزور اور نڈھال دکھائی دے رہی تھی مگر اس کے خشک لبوں پر رقص کرتی دھیمی مسکان تروتازہ گلاب کو بھی شرما دینے والی تھی۔ اس کی پلکوں تلے جانے کتنے حسین خواب گزر رہے تھے جن کے انوکھے رنگوں نے اس کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔ نظر ہٹانا دشوار تھا۔ دل میں شدت سے خواہش ابھری تھی کہ لمحے رک جائیں۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہے اور وہ اسے دیکھتا رہے۔ شاید ایسا ہو جاتا اگر وہ اس کی موجودگی سے بے خبر رہتی، چونک کر آنکھیں کھولتی وہ اس کے سحر کو بھی توڑ گئی تھی۔ وہ کس وقت نزدیک آیا خود وہ بھی نہیں جانتا تھا مگر اب سانس روکے اس کی آنکھوں میں تیرتے گلابی خمار کو دیکھ رہا تھا۔

"اب بھی کیا ضرورت تھی آنے کی۔ میرے مرنے کے بعد آجاتے۔ تمہاری انا کا بھرم ہی قائم رہ جاتا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تلخ ہو گئی تھی۔

"مرنا تو مجھے چاہیے۔ جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا اس کے بعد تو واقعی مجھے مر جانا چاہیے تھا۔" ندامت کے بوجھ سے سر جھکائے وہ جس کرب سے بولا تھا۔ خرمن دنگ ہوئی تھی۔

"میں بہت برا انسان ہوں۔ میں جو تم سے محبت کے دعویٰ کرتا ہوں کس طرح تمہیں اذیت میں مبتلا چھوڑ کر لاتعلق ہو گیا؟ تم نے کتنی بار مجھے پکارا ہو گا مگر میں نے سننے کی کوشش نہیں کی۔ تمہیں میری ضرورت تھی مگر میں نے اپنی انا کی دیوار کو اپنے اور تمہارے درمیان حائل رکھا اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو زندہ رہ کر بھی قبر میں اتر جاتا۔" سرخ چہرے کے ساتھ بولتا وہ اس وقت کس اضطراب میں تھا خرمن اندازہ کر سکتی تھی۔

"یہ کیسی محبت ہے میری، محبت تو ہر غرض سے پاک ہوتی ہے پھر میں نے خود غرض ہونے کا گناہ کیوں کیا؟ میں کیسے بھول گیا کہ تم میرے لیے کیا ہو؟ مجھے شرم آتی ہے اپنی سنگ دلی پر میں خود سے بھی نظر ملانے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ میں اس منہ سے تم سے محبت کا مطالبہ کرتا رہوں جب کہ میں اس لائق بھی نہیں ہوں کہ مجھ پر رحم کیا جائے۔ تم نے میرے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ میرے لیے تم ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں آگئیں۔ میری ذات کو مکمل کیا۔ میرے دل کو آسودہ کیا۔ اپنا سب کچھ اپنی نیندیں تک مجھے دان کر دیں اور میں نے بدلے میں کیا دیا تمہیں۔ آج تم نے مجھے وہ ایک خوشی بھی دے دی جو میرے لیے اس دنیا سے بھی بڑھ کر قیمتی ہے مگر میں خوش نہیں ہو پا رہا۔ میرا ضمیر مجھ پر ہنس رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے ہر چیز مجھ پر لعن طعن کر رہی ہے۔ میرا مذاق اڑا رہی ہے اور میں....." یکدم وہ خاموش ہو گیا تھا جب خرمن نے اس کے گریبان پر سر ٹکایا تھا۔

"میں نے اس لیے تمہیں اتنا کچھ بولنے دیا کیونکہ میں چاہتی تھی کہ کوئی بات بوجھ بن کر تمہارے دل میں نہ رہ جائے۔ تمہیں اب یہ بات سمجھنی چاہیے کہ تم ایک انسان ہو۔ غصے کا اظہار کرنا گناہ نہیں ہے اور جس طرح سے تم نے کیا وہ تو بالکل نہیں۔ میں جانتی ہوں اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ میری طبیعت خراب ہو رہی ہے تو تم فوراً اپنا غصہ بھول جاتے جس طرح اس وقت بھول گئے ہو۔ انسان غصے میں بہت کچھ کر جاتا ہے جیسے کہ میں حد سے بڑھ جاتی ہوں مگر تم نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا کہ خود کو ملامت کرو۔" نرم لہجے میں خرمن نے بولتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے واقعی تم سے کوئی شکایت نہیں ہے بلکہ میں تم سے شرمندہ ہوں کہ میں نے یہ کیسے یقین کر لیا تھا کہ تم نے میرے لیے کوئی اسٹینڈ نہیں لیا ہو گا۔ میں بھی تو یہ بھول گئی تھی کہ تم نے ہر بار میرے خلاف نکلنے والی

زبانوں کو بند کیا ہے تو اگر تم غصے یا ناراضی میں کچھ وقت کے لیے مجھے بھول گئے تو یہ کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے۔"

"یہ قابل گرفت بات ہے خرمن! میں سانس لینا بھول سکتا ہوں مگر تمہیں نہیں، میں لعنت بھیجتا ہوں اپنے غصے پر اور خود پر....."

"کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم بے معنی تکنیوں کو بھول کر اس بارے میں بات کریں جو اس وقت سب سے زیادہ اہم ہے۔" اپنا ہاتھ اس کے چہرے کے گرد رکھتی وہ اس کے اضطراب کو معدوم کر گئی تھی۔ چند لمحوں تک وہ اس کی پیشانی پر دہکتے ماہ نیم کی ٹھنڈک آنکھوں میں اتارتا رہا تھا اور پھر اس کا ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔

"تم خوش ہو؟" جھینپے انداز میں وہ پوچھ رہی تھی۔

"میری نسل تم سے آگے بڑھ رہی ہے اس سے بڑھ کر کوئی خوشی کوئی اعزاز میرے لیے اہم نہیں ہے۔" وارفتہ نگاہوں سے عارش نے اس کے دہکتے رخساروں اور جھکتی پلکوں کو دیکھا تھا۔

☆.....☆

صدیوں سے پیاسے جلتے ہوئے لق و دق صحرا میں جیسے ابرِ رحمت برس جائے۔ جیسے خزاں رسیدہ شاخوں پر نرم ہری کونپلیں پھوٹ پڑیں، جیسے اچانک برگ و بار کا موسم اجڑے گلشن پر مہربان ہو جائے اور زمین پر رہ کر آسمان کی وسعتیں ہاتھوں میں سمٹ آئیں۔ ان تمام احساسات کے ساتھ اسے اپنا آپ ہواؤں میں اڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ شدت سے یہ حقیقت آشکار ہوئی تھی کہ وہ زندہ ہے۔ واقعی زندہ ہے۔ پہلی بار اسے اپنی زندگی شرمندگی کی دلدل میں پھنستی پھولتی دکھائی نہیں دی تھی۔ ہاں اگر دل میں شرمندگی تھی تو صرف اس لیے کہ وہ اپنی زندگی کے اتنے سال اللہ سے شکایتیں کرتے کفر بولتے گزارتی آئی تھی مگر پھر بھی اللہ نے اسے اتنا نوازا کہ اس کا دامن تنگ پڑ رہا تھا۔ وہ کتنی نادان تھی خود اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی ورنہ اللہ نے تو ہمیشہ اسے اپنے رحم و کرم کے سائے تلے رکھا۔ اسے اس دنیا میں خاص بنائے رکھا۔ ساری زندگی بھی اگر وہ سجدے میں گرے گزارتی تو بھی اپنے رب کا شکر ادا نہ کر سکتی اور نہ ہی شکر ادا کرنے کے لیے یہ سجدے کافی ہوتے دور آسمان کے کنارے سے مدھم سنہری کرنیں ابھرنے آہستہ آہستہ جلوہ گر ہو رہی تھیں۔ ہر سمت سونا ہی سونا بکھرنے لگا تھا۔ پرندوں کی خوش الحانی چہچہاہٹیں سنتے ہوئے اسے اپنا آپ قدرت کے انتہائی قریب محسوس ہو رہا تھا۔ کثافت سے پاک خنک ہوا کے جھونکوں میں گہری سانسیں بھرتی وہ ٹیرس پر ہی کرسی پر آنکھیں بند کیے اس حسین صبح کا استقبال کر رہی تھی۔ تب ہی مہکتی ہوا کی سرسراہٹوں کے درمیان ایک سریلی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی آنکھیں کھولنے پر مجبور کر گئی تھی۔ خوشگوار حیرت سے اس کی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں۔ ٹیرس کی باؤنڈری پر ایک چھوٹا سا سیاہ پنچھی بیٹھا تھا۔ اس کی سریلی کوک سے دل جھوم اٹھا تھا۔ اتنی دلنشیں کوک کہ خود اس کی دھڑکنیں بھی کوکنے لگی تھیں۔ ساکت بیٹھی وہ اس کوئل کو تکے گئی تھی جو مگن تھی اپنی زندگی سے بھرپور سریلی کوک کا جادو دور دور تک بکھیرنے میں۔ خرمن کے لبوں پر مسکراہٹ رقصاں ہوئی تھی۔ اڑان بھرنے تک وہ کوئل اس کی روح تک کو سرشار کر گئی تھی۔ اس کے اڑتے ہی خرمن سرعت سے باؤنڈری کے قریب آئی تھی۔ کوئل دور سبزے میں کہیں اوجھل ہوئی تھی مگر سحر انگیز کوک بہت قریب سے ہی اسے سنائی دے رہی تھی اور یہ کوک اس کے دل سے نکل رہی تھی۔ اس کی دھڑکنیں چہچہا رہی تھیں اور اس کا چہرہ خالص اور سچی

مسکراہٹوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ دور ٹریک پر نظر جاتے ہی اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔ ٹریک پر دوڑتے عثمان نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا جواباً کھل کر مسکراتے ہوئے اس نے بھی ہاتھ ہلایا تھا۔ کچھ دیر تک وہ ٹریک کی جانب دیکھتی رہی تھی اور پھر اپنے کبوتروں کے دانے پانی کی فکر میں مبتلا ہوتی باؤنڈری سے دور ہٹ گئی تھی۔

''آنکھیں کھولو، سلیپنگ بیوٹی صبح ہو گئی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے عارش کے چہرے سے کمبل ہٹایا تھا۔ کھلے کھلے تروتازہ چہرے نے ساری کسلمندی دور کر دی تھی۔ سو وہ فوراً ہی اٹھ گیا تھا۔

''تم بیڈ سے کیوں اٹھ گئی ہو؟ آرام سے لیٹ جاؤ۔ آج میں تمہاری خدمت کروں گا۔ تم کوئی کام نہیں کرو گی۔'' خرمن کا ہاتھ تھام کر اس نے سامنے بٹھایا۔

''آج تم مجھے کوئی کام نہیں کرنے دو گے مگر کل کیا ہو گا؟ کل سے تمہیں آفس جانا ہے۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''تم اپنے ایکسیڈنٹ کی تکلیفیں میری فکر میں بھول گئے۔ یہ بتاؤ اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' خرمن کی تشویش پر وہ کچھ بولا نہیں تھا مگر اپنے بکھرے بال سنوارتے ہوئے وہ مسکرایا ضرور تھا۔

''زیادہ مسکرا کر مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش مت کرو۔ جو پوچھا ہے اس کا جواب دو ورنہ میں کل بھی تمہیں آفس نہیں جانے دوں گی۔''

''ایسا غضب مت کرنا۔'' وہ فوراً بولا تھا۔

''بس میرے پیر میں کچھ تکلیف باقی ہے وہ بھی کچھ دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔ سچ پوچھو تو میرے لیے اب کوئی تکلیف، تکلیف نہیں رہی۔ میں خود کو پہلے سے زیادہ تندرست محسوس کر رہا ہوں۔'' اس کے پرسکون لہجے پر وہ مسکرائی تھی۔

''مگر مجھے اب اگر فکر ہے تو صرف تمہاری میں چاہتا ہوں کہ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو گھر کے کتنے کام تمہیں کرنے پڑتے ہیں، تم اگر راضی ہو جاؤ تو میں ایک ملازمہ افورڈ کر سکتا ہوں۔'' عارش کی بات سنتے ہوئے وہ جو دوپٹہ چہرے کے گرد ٹھیک کر رہی تھی۔ اس کے آخری جملے پر چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''میں صرف تمہاری سہولت کے لیے یہ کہہ رہا ہوں۔'' اس کی خشمگین نظروں پر عارش کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری تھی۔

''اب اتنی بھی میری سہولت کی پرواہ نہ کرو۔ بہت شکریہ اس ہمدردی کا مگر مجھے اپنے گھر میں کسی ملازمہ کا فتنہ نہیں رکھنا۔'' خشمگین لہجے میں بولتی وہ اٹھ گئی تھی۔

''ٹھیک ہے مگر کم از کم آج تو میری تسلی کے لیے آرام کر لو۔ کچن میں تو بالکل مت جانا۔ میں گزارے لائق ناشتہ تو بنا ہی سکتا ہوں۔''

''عارش مجھے بھوک لگی ہے اور تمہارا تیار کیا ہوا ناشتہ دیکھ کر مجھے اپنی بھوک ہمیشہ کے لیے ختم نہیں کرنی، ویسے فکر مت کرو بیلا ہم دونوں کے لیے ناشتہ تیار کر کے لانے والی ہے۔'' خرمن کی اطلاع نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔

''زبردست یعنی آج مزیدار ناشتہ ملنے والا ہے۔ میں رات کا کھانا بھی بیلا سے بنوانے کی فرمائش کرنے والا ہوں۔''

''ہاں بالکل، ویسے میں نے تو کبھی تمہارے لیے مزیدار ناشتہ نہیں بنایا اور نہ ہی تمہاری فرمائشی ڈش

بنائی ہے۔'' وہ رک کر ناگواری سے بولی تھی۔

''دراصل میں یہ چاہتا ہوں کہ تم آج بالکل کچن میں نہ جاؤ۔''

''یہ وجہ عثمان کو بتانا، اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی ہزاروں باتیں سنواؤ گے۔ اس سے کہاں برداشت ہو گا کہ اس کی چہیتی ہمارے لیے کچن میں ہلکان ہو۔ ابھی ناشتہ لے کر آنے پر ہی وہ احسان جتا دے گا۔'' خشمگین نظروں سے اسے دیکھتی وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

کال بیل کی گونج پر وہ اسی توقع کے ساتھ گیٹ کی جانب گئی تھی کہ بیلا کی آمد ہو گئی ہے مگر ایبک کے مسکراتے چہرے نے اسے حیران کر دیا تھا۔

''اگر آپ ابھی بھی مجھ سے ناراض ہیں تو میں آپ سے معافی مانگتا ہوں مگر میں عارش سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔'' اس کی التجا پر خرمن نے مسکراتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

''میں کیوں تمہیں عارش سے ملنے سے روکوں گی۔ تم اپنی غلطی پر شرمندہ ہو اور تمہیں معاف کرنے کے لیے پلس پوائنٹ یہ ہے کہ تم ہارون کے بھائی ہو۔'' خرمن بولتے ہوئے کچن کی سمت بڑھی تھی وہ بھی اس کی تقلید میں تھا۔

''تم بیٹھو، عارش ابھی باتھ لینے گیا ہے۔ تھوڑا انتظار کرو اور پہلے یہ بتاؤ ناشتہ عارش کے ساتھ کرو گے یا ابھی تیار کروں تمہارے لیے؟'' خرمن کے اس غیر متوقع اخلاق نے ایبک کو حیرت زدہ کیا تھا۔

''میں تو سمجھا تھا آپ مجھے گھر میں داخل بھی نہیں ہونے دیں گی۔ عارش سے بھی ملنے نہیں دیں گی۔''

''اب میں اتنی بری بھی نہیں ہوں۔'' خرمن مسکرائی تھی۔

''مگر میں تو یہی سمجھا تھا۔'' روانی سے بولتا وہ یکدم رکا تھا جب کہ خرمن اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''لیکن اب مجھے پتہ چل گیا کہ آپ بہت اچھی ہیں۔'' ایبک نے فوراً بات بدلی تھی۔

''آپ یہ بتائیں کہ میں آپ کو کیا لگتا ہوں؟''

''یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟'' خرمن کو ہنسی آئی تھی۔

''وہ اس لیے کہ اگر آپ مجھے ناپسند کریں گی تو عارش کو مجبوراً مجھ سے دوستی ختم کرنی پڑے گی۔''

''میں کیوں ناپسند کروں گی تمہیں۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ تم عارش کے دوست ہو، عارش کے دوستوں کو میں بالکل نہیں جانتی، وہ کسے دوست بنا رہا ہے یہ اس کا معاملہ ہے میری پسند یا ناپسند کا کیا سوال...؟'' خرمن حیران ہو کر بولی تھی۔

''لیکن میری بات دوسری ہے۔ میں عارش کے باقی فرینڈز کی طرح نہیں ہوں۔''

''اچھا! وہ کیسے؟'' خرمن نے دلچسپی سے اس کے کان میں چمکتی بال کو دیکھا تھا۔

''وہ ایسے کہ عارش کو میرے گھر میں سب جانتے ہیں۔ پسند کرتے ہیں ان کی عزت کرتے ہیں۔ میں بھی تو یہی چاہوں گا کہ عارش کے گھر میں مجھے بھی عزت ملے۔'' اس کے مسکراتے لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''فکر مت کرو، اگر تم مجھے ناپسند ہوتے تو میں تب بھی تمہاری بہت عزت کرتی۔ ایک بات بتاؤ تم اتنے چھوٹے ہو عارش سے پھر اس کا نام کیوں لیتے ہو؟''

READING CORNER

''اب آپ اس وقت مجھے بالکل اپنی ماما جیسی لگ رہی ہیں۔ انہوں نے بھی مجھے اسی طرح ٹوکا تھا اور میں نے ان کو یہی جواب دیا تھا کہ دوستی میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہوتا۔ عزت تو دل میں ہوتی ہے۔ ویسے بھی میرے ایک بھائی ہیں اور وہ میرے لیے کافی ہیں۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''چلو جیسی تمہاری مرضی۔'' خزمن نے کہا تھا۔ ''ویسے تمہاری ماما نے تمہارا جواب سن کر یہ نہیں کہا ہو گا۔''

''ظاہر ہے، انہوں نے تو مجھے برا بھلا ہی کہنا ہے۔ ان کے نزدیک بھائی سے اچھا کوئی نہیں ہے۔''

''جیلس ہوتے ہو ہارون سے؟'' وہ مسکرائی تھی۔

''کبھی کبھی۔'' اس کے جواب پر وہ دھیرے سے ہنسی تھی جب کہ ایبک نے بغور اسے دیکھا تھا۔ سفید اور گلابی امتزاج کے دوپٹے میں قید اس کے چہرے نے ایک پل کے لیے ایبک کو کچھ عجیب سے احساس سے دوچار کیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اس کی خاموش نظروں پر وہ حیران ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں، آپ بتائیں۔ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔ کل عارش نے مجھے فون پر آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ ماما بھی آپ کو پوچھ رہی تھیں۔'' وہ بولا تھا۔

''ان سے کہنا میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔''

''آپ عارش کے ساتھ میرے گھر کب آئیں گی؟ ماما نے عارش سے بھی کہا تھا کہ آپ کو گھر لائیں وہ آپ کو بہت پسند کرتی ہیں آپ سے مل کر تو اور زیادہ خوش ہو جائیں گی۔''

''میں ضرور آؤں گی ان سے ملنے مگر ہارون سے کہنا کہ میں ان سے بہت ناراض ہوں۔ کل میرا ریڈیو پر پروگرام تھا مگر طبیعت کی وجہ سے میں ریڈیو نہ جا سکی اور ہارون نے مجھے کال تک نہیں کی۔'' خزمن کو شکایت یاد آئی تھی۔

''میں ضرور ان کو یہ بتاؤں گا مگر وہ تو مجھ پر بگڑ رہے تھے کہ میری وجہ سے عارش کو تکلیف پہنچی اور آپ بھائی سے ناراض ہو گئیں۔''

''ان سے کہنا کہ میں صرف اس بات پر ناراض ہوں کہ انہوں نے مجھے ایک کال بھی نہیں کی۔ عارش کی خیریت معلوم کرنے کے بہانے سے ہی رابطہ کر لیتے۔''

''عارش سے تو روز ہی ان کی بات ہوتی ہے مگر میں ان تک آپ کی شکایت پہنچاؤں گا ضرور۔''

''یہ بتاؤ تم عارش سے کہاں ٹکرا گئے تھے؟'' خزمن نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ جس پر ایبک اسے اپنی عارش سے ریڈیو اسٹیشن والی پہلی ملاقات کے بارے میں بتانے لگا تھا۔ البتہ عارش سے سیل فون ہتھیانے اور ایکسچینج والی بات وہ ہضم کر گیا تھا۔ ابھی یہ بات جاری تھی کہ عارش کی آمد ہو گئی تھی۔ عارش کے لیے ایبک کی موجودگی حیران کن ہی تھی مگر خزمن اس وقت حیران ہوئی تھی جب ایبک عارش کو دیکھتے ہی فوراً اٹھ کر اس طرح گرمجوشی سے اس سے گلے ملا تھا جیسے صدیوں بعد عارش سے وہ مل رہا ہو۔

(باقی آئندہ ماہ)

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

تیموری لائبریری اینڈ فریجنگ پوائنٹ
دوکان نمبر 13

صالحہ عزیز صدیقی

افسانہ

خوب صورت بندھن

"کاشف زیادہ رات تک باہر نہ رہا کرو۔" امی نے تھوڑے غصیلے انداز میں کہا۔

کاشف بولا۔ "امی! آپ کو پتہ ہے میں کیسا لڑکا ہوں۔ میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ کالج

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

جاتا ہوں اور کوچنگ سینٹر اور پھر گھر واپس آجاتا ہوں۔" اس نے اپنی بات ختم کی تو امی نے بھی ہنکارہ بھرا۔

رابعہ چیختی چلاتی گھر میں داخل ہوئی تو امی اور کاشف بھی ہکا بکا رہ گئے۔

"ارے چپ کیوں رہی ہو بات تو بتاؤ۔" کاشف بھی بہن کے پاس آگیا۔

"وہ امی — امی میرے پیچھے ایک کتا لگ گیا تھا۔" رابعہ نے روتے روتے کہا تو کاشف بھی ہنس پڑا۔ امی نے بھی حسب معمول گالیوں سے نوازنا شروع کر دیا یہ امی کی خاص عادتوں میں شمار ہوتا تھا۔ مبادا کہیں امی سے مار نہ پڑ جائے۔ وہ جلدی سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔

علی پور کے ایک گاؤں میں چھوٹا سا پکی اینٹوں سے بنا ہوا دو کمروں پر مشتمل یہ مکان تھا۔ والد صاحب ایک سرکاری ادارے میں نائب قاصد کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ایمان دار تھے ہر کسی نے کہا کہ ان کی فائل اوپر رکھ دو۔ میں تم کو اتنی رقم دوں گا کہ تم آرام سے بیٹھ کر کھاؤ گے۔ بہت ایمان دار شخص تھا جس نے فائلوں میں کبھی ہیرا پھیری نہیں کی۔ نہ جانے کیوں ایسے ایماندار لوگوں کی زندگی اتنی مختصر ہوتی ہے؟ شاید اسی لیے اچانک ان کو دل کا اٹیک پڑا اور اللہ میاں کے ہاں جانے میں دیر نہ لگائی۔ گھر میں صرف امی، بہن اور بھائی تھے۔ یہ آشیانہ صرف خاموشی کا گہوارہ ہوتا تھا لیکن جب رابعہ گھر میں ہو تو ایک کہرام مچ جاتا تھا۔ جیسا کہ اس نے گھر میں گھستے ہی اودھم مچا دیا تھا۔ امی کی صلواتیں علی پر پڑ رہی تھیں۔ نام تو اس کا شف تھا لیکن سب اس کا نام علی علی کہہ کر پکارتے تھے۔

"امی! مجھے پروجیکٹ کے لیے کچھ سامان لینا ہے آپ میرے ساتھ چلیے۔" رابعہ کپڑے تبدیل کرتی ہوئی کمرے سے باہر آئی۔ امی نے بھی کھانا ٹیبل پر لگا دیا تھا۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر کرسی ہوئی پیاز، باریک کٹی ہری مرچ جو سر کے میں ڈیپ ہوئی تھیں۔ اس نے پلیٹ میں ہر ہر کی دال چاول میں ڈالے اور کباب رکھ کر جو کھایا ہے نہ سر کا بچانہ دال چاول، امی نے چیخ میں ٹوکا بھی لیکن وہ تو بھوک کے آگے کچھ نہیں دیکھتی تھی۔ میٹرک کلاس کی طالبہ تھی شعور نام کو نہ تھا ابھی سے اماں کو اس کی شادی کی فکر کھائی جا رہی تھی کہ کہیں سے اس کا رشتہ آئے اور بیاہ دیں۔ کاشف کی مرضی تھی کہ ابھی بہن کو پڑھنے دیں یہ جہاں تک پڑھ سکتی ہے۔ کھانا کھا کر رابعہ نے بستر جو سنبھالا تو امی کی ڈانٹ سنتے ہی مغرب سے پہلے اٹھنا پڑا اور جب اس کو اپنا پروجیکٹ یاد آیا تو رونا شروع کر دیا امی بھی پریشان ہو گئیں کہ وہ اب کس کے ساتھ جائے گی، کاشف کو گئے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا۔ اس کے بھی ابھی آنے کے کچھ آثار نظر آرہے تھے۔

☆—☆

"امی، امی۔" رابعہ گھر میں گھستے ہوئے نعرہ لگاتی اندر داخل ہوئی۔ وہ تو الرٹ رہتی تھی بالکل امی طرح سے جیسے ٹی وی پر بریکنگ نیوز چلتی ہے۔

"اب بول بھی چکو بریانی کا مصالحہ بھون رہی ہوں۔"

"واؤ امی! بریانی بنائی جا رہی ہے کیا کوئی آرہا ہے۔" رابعہ نے اپنی بات ختم کی۔

"کوئی نہیں آرہا ہے۔" امی نے کہا۔

"کاشف نے فرمائش کی تھی۔ شاید اس کا کوئی دوست آرہا ہے۔" امی نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ امی کو نام یاد نہ آیا تو خاموش ہو گئیں۔ رابعہ کو مخاطب کر کے بولیں۔ "تم بتاؤ کیوں اتنی زور زور سے چیخ رہی تھیں؟" امی نے اپنی بات ختم کی رابعہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "امی! میں نے اپنا پروجیکٹ تیار نہیں کیا تھا۔ پتا ہے نورین کا پروجیکٹ دیکھا کر نمبر حاصل

کر لیے۔" برجستہ امی بولیں۔

"اور نورین نے کیا کیا؟"

"کچھ نہیں امی اس نے بھی آخر میں مس کو دیکھا دیا انہوں نے اس کو بھی نمبر دے دیے۔" وہ ہنستے ہوئے بتانے لگی۔

دروازے کی بیل پر رابعہ نے پوچھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے کاشف اپنے دوست کو لے کر کھڑا تھا۔

"اب ہٹو بھی سامنے سے۔" کاشف نے بہن کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ کاشف کے پیچھے فرمانبردار بنا ہوا مزمل اس کے ساتھ ہو لیا۔ کاشف کا یہ دوست فیس بک پر نیا نیا بنا تھا۔ روزانہ ایک گھنٹے بات ہوتی تھی۔ کاشف کو گریجویشن کرنے کے بعد ہی اپنے ابو کی جگہ ملازمت مل گئی تھی۔ لہٰذا اس کو نوکری تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی، کیوں کہ کاشف کے ابو سرکاری ملازم تھے۔

امی جب کھانا نکالنے لگیں تو کاشف نے مزمل کو بھی آواز دے ڈالی۔ مزمل جو فریش ہو کر اپنے کسی دوست سے بات کر رہا تھا۔ کاشف کی آواز اس کو سنائی نہ دی تو وہ اس کو کمرے میں ہی بلانے آگیا جہاں مزمل نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔

"کیا ہوا کاشف بھائی؟" مزمل نے کاشف سے سوال کیا۔

"کچھ نہیں یار امی کھانے پر انتظار کر رہی ہیں۔ چلو کھانا کھاتے ہیں۔" دونوں ہی باہر نکل آئے۔

مزمل دادو سے آیا تھا۔ مزمل کا ہر وقت کا کراچی آنا جانا رہتا تھا۔ اس وجہ سے اس کا لہجہ اردو میں اچھا خاصا صاف تھا۔ دونوں لڑکے بریانی اور کباب پر نہایت ہی عمدگی سے ہاتھ صاف کر رہے تھے۔

"کھانا واقعی مزے کا ہے آنٹی۔" مزمل نے کاشف کی امی کے ہاتھ کے بنے ہوئے کھانے کی تعریف کی۔

"ارے بیٹا! کھانا تو ویسے ہی بنا ہے جیسے روز بناتی ہوں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ تم کو بھوک زیادہ لگی ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ کھانا جب پیٹ بھرے میں دیتی تو تم لوگ اتنی رغبت سے نہیں کھاتے۔" دونوں ہنسنے لگے۔

"مزمل بیٹا! تم بتاؤ کیا کام کرتے ہو؟" "جی آنٹی کام تو ابھی کچھ نہیں ہے۔ بس ادھر اُدھر ہاتھ مار رہا ہوں شاید کوئی نوکری ہاتھ لگ جائے۔" اس نے اپنی بات ختم کی۔

"تمہارے گھر میں اور کون کون ہیں؟" کاشف کے دل کی بات امی نے کہہ ڈالی وہ کھانے کی جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ گیا۔

"میرے تین بھائی ہیں ابو کا واہ کینٹ میں اسلحے کا کاروبار ہے۔"

"اور امی!" کاشف کی امی نے سوال کیا۔

"جی ان کو دنیا سے گئے ہوئے دو برس ہو گئے ہیں۔"

"ابو تمہارے ساتھ رہتے ہیں؟" امی نے پھر بات کی۔

"نہیں وہ پنڈی میں رہتے ہیں۔" مزمل بولا۔ امی نے ایک لمبی ہنہ بھری اور برتن سمیٹ کر رکھنے لگیں۔

☆—☆

مزمل گھر میں تھا۔ کاشف اپنے کام سے گیا ہوا تھا۔ رابعہ نہ جانے کون سا بھوت سوار ہوا صفائی کا بیڑہ جو اٹھایا تو رات تک کام ہی کرتی رہی۔ امی حیران تھیں کہاں سے چاند نکل آیا امی پیاز لے کر بیٹھ گئیں۔ تو ان سے پیاز لے لیے۔

"آج میں کھانا پکاؤں گی۔" رابعہ نے امی سے کہا تو امی بولیں۔

"بیٹا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ارے امی! مجھے کچھ نہیں ہوا، بس میرا دل چاہ

رہا ہے کہ میں بھی گھر کا کام کروں۔" ماں بیٹی کی گفتگو کی آوازیں منزل کے کانوں میں بھی آرہی تھیں۔ وہ اپنے دوست سے باتیں کرتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ وہ کمرے میں بیٹھ کر کاشف کا انتظار کررہا تھا۔ آج واقعی کاشف کو دیر ہوگئی تھی۔

رابعہ کے پیپر اللہ اللہ کر کے خیر سے ختم ہوئے، ذہین ہونے کے ناطے اس نے بھائی کی مدد سے کافی اچھی تیاری کرلی تھی۔ اس کو امید تھی A-one نہیں تو اے گریڈ ضرور آئے گا۔

"امی خالہ کے گھر چلیں؟" رابعہ نے امی سے کہا۔

انہوں نے نفی میں گردن ہلا دی اور دوسرے کاموں میں لگ گئیں۔

"امی! آپ کو نہیں جانا تو نہ جائیں میں بھائی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس کو بھی نہیں جانا تھا۔ بس امی کو تنگ کرنے کا ارادہ تھا۔ جب تک امی کی ڈانٹ نہ سن لے اس کا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔ وہ خالہ سے ناراضی کی وجہ معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔ امی کو پتا تھا جب سے بڑے بھائی کا انتقال ہوا تو چھوٹے بھائی چاہتے تھے سب میری بڑے بھائی کی طرح آؤ بھگت کریں، سب کے لیے انہوں نے کچھ نہ کچھ مہربانی کرنی شروع کردی تھی۔ سب ان کے گن گانے لگ گئے ادھر امی اپنی انانیت اور خودداری میں منع کرتی رہیں کیونکہ جب کوئی کسی پر احسان کرے گا تو اس کو بھی اس کی ہر اچھی بری چیزوں اور باتوں میں ہاں میں ہاں ملانی پڑ جاتی ہے اور امی اس کے خلاف تھیں وہ سچ بولتی تھیں جھوٹ اور منافقوں سے ان کو نفرت تھی۔

بھائی کے مرنے کے بعد صمد نے پورے خاندان کا سربراہ بننے کا بیڑہ اٹھایا۔ اس کا فائدہ ان خواتین نے زیادہ اٹھایا جن کو ماضی میں نظر انداز کیا جاتا رہا جس کا بدلہ لینا شروع کردیا۔ عنایا نے اپنی پسند کیا تبادی گویا خاندان میں آگ لگ گئی۔ رابعہ کی امی کھلے مائنڈ کی تھیں۔ ان کو کوئی اعتراض نہ تھا لیکن رابعہ کی خالہ فائزہ کو بڑا ناگوار گزرا کیوں کہ انہوں نے اپنے بیٹے انیق کے لیے مانگا تھا جس کو عنایا نے اپنی امی کے ذریعے بے دردی سے منع کرا دیا جس کا اثر چھوٹے بھائی پر زیادہ پڑا۔ اتنا پڑا کہ انہوں نے خاندان میں گروپ بندی کروادی۔ جب رابعہ کی امی سے پوچھا گیا تو انہوں نے صاف منع کردیا اس پر صمد نے اپنی بہن کے سامنے یہ فیصلہ رکھ دیا کہ تم دو میں سے ایک کو چن لو، امی کے لیے یہ سننا تھا کہ ان کے اوسان خطا ہوگئے کیوں کہ ان کے سامنے ایک بیوہ بھاوج تھی جن کی ایک بیٹی تھی۔ ایک طرف بھائی جس کے ساتھ بچپن گزرا، امی کے لیے اتنا بڑا امتحان تھا جس کے لیے وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئیں۔ وہ بھاوج جس نے اپنے سسرال کو سسرال نہ سمجھا، اپنی نندوں اور دیوروں کو اپنے چھوٹے بھائی بہن سمجھا، جس کے میاں نے پورا گھر سنبھالا اور سب بہن و بھائیوں کی شادیاں کیں، ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوکر سکون ملا اور اپنی بیٹی کی شادی سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ بھائی کی آنکھ کیا بند ہوئی کہ چھوٹے بھائی صمد اور اس کی بیوی کی طوفان بدتمیزی شروع ہوچکی تھی۔ جب بدتمیزی حد سے گزری تو بھابی صمد کا گھر چھوڑنے کا سوچنے لگیں۔ اسی گھر میں جانا چاہ رہی تھیں جو ان کے میاں نے اپنے ہاتھوں سے بنوایا تھا۔ جب بھابی کی صمد کے گھر میں کوئی عزت نہ رہی تو ان کا دل دکھانے کے لیے صمد اپنی سالیوں کے ساتھ ہلہ گلہ کرتا اور خوب دعوتوں کا اہتمام کرتا۔ بھابی کو نظر انداز کرتا تو ان کو تو برا لگتا تھا وہ کب تک اپنی اور اپنی بیٹی کی زندگی کو ایک بند کمرے میں گزارتیں وہ خاموشی سے چند جوڑے لے کر اپنی بیٹی کے ساتھ اپنے میاں کے پرانے گھر میں آگئیں جہاں ان کے ساس سسر کی یادیں اور پھر

ان کے میاں کی بھی یادیں تھیں۔

☆.....☆

رات کافی بیت چکی تھی۔ گرم ہوائیں چل رہی تھیں۔ کہیں سے ہوا کا ایک جھونکا آتا تو گیلے جسم کو سکھا کر چلا جاتا۔ رابعہ بجلی والوں کو کوستی ہوئی فریج کے پاس آئی اور پانی کی بوتل نکالی ہی تھی کہ کاشف کی آواز آگئی۔ اس کے بعد امی کی بھی آواز آگئی۔

"مجھے ذرا پانی پلانا۔" رابعہ بڑبڑاتی ہوئی گلاس میں پانی انڈیلنے لگی۔

"ہنہ سب میرا ہی انتظار کررہے تھے کیا؟" کاشف نے ہنستے ہوئے گلاس تھام لیا۔ اتنے میں زوردار کال بیل بج اٹھی۔ امی گھنٹی کی آواز سن کر دہل گئیں رابعہ بھی امی کے پاس ہی کھڑی ہوگئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے پولیس اندر آگئی۔ کاشف کو ایک ہاتھ مارا۔

"بتاؤ تم نے کہاں چھپا کر رکھا ہوا ہے؟"

"کون؟" کاشف بولا۔

"ابے تو اتنا نادان نہ بن مجھے پتا چلا ہے وہ یہیں کہیں چھپا ہوا ہے۔"

"سر! آپ تلاشی لے لیں۔ میں اس کے بارے میں آپ کو سچ سچ بتاتا ہوں مجھے کیا معلوم وہ کون ہے؟"

"جب تمہیں اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تو کیوں اپنے گھر میں رہنے دیا؟"

"سر! وہ F.B کے ذریعے میرا دوست بنا ہے۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"دیکھیں خاتون آپ کو معلوم نہیں، منزل نامی ایک شخص نے ایک وقت میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کئی وارداتیں کی ہیں۔ آپ کے بیٹے کا کردار صاف ہے اس لیے میں چھوڑ رہا ہوں ہاں ذرا اس کا کمرہ دکھا دیں جہاں وہ سوتا تھا۔" کاشف ان کو لے کر منزل کے کمرے میں گیا کیوں کہ کاشف تو اپنے کمرے میں سوتا تھا۔ آج پہلی بار اس کے کمرے میں گیا۔ سگریٹ کے ٹکڑے میں چرس کی بدبو آرہی تھی۔ دو تین گولیاں تھیں جو بے کار تھیں وہ سب پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ کاشف تو اب کانپ رہا تھا کیوں کہ اس نے یہ سب تو دیکھا ہی نہیں تھا۔

کاشف، منزل کو فون کررہا تھا لیکن بار بار بزی ہورہا تھا۔ تنگ آکر اس نے فون کرنا چھوڑ دیا۔ زندگی میں پہلی بار ان کے گھر پولیس آئی تھی جو برسوں کی عزت تھی وہ پل بھر میں اجنبی لڑکے کے ہاتھوں ملیامیٹ ہوگئی تھی۔ محلے والے جانتے تھے کاشف کا خاندان کتنا ایماندار ہے اور اخلاق کے بھی بہت اچھے ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آنے والے لوگ تھے۔ کاشف کی امی نے جو کاشف کو صلواتیں سنائیں۔ "ہر ایرے غیرے لڑکے کو اپنے گھر میں جگہ دے دیتا ہے۔ معلوم نہیں زمانہ بڑا خراب چل رہا ہے، کسی کے ماتھے پر کچھ نہیں لکھا ہوتا ہے۔" امی نے تضحیہ انداز میں اس کو سمجھایا، کاشف کافی دیر سے امی کی باتیں سن رہا تھا۔

☆.....☆

رابعہ کا رزلٹ آگیا۔ وہ واقعی اچھے نمبروں سے پاس ہوگئی تھی۔ اس کی امی بہت خوش تھیں۔ شادی کی فکر چھوڑ کر مزید پڑھنے کی اجازت دے دی۔

آج اس کا کالج میں پہلا دن تھا۔ موسم بڑا دلفریب اور سہانا لگ رہا تھا کیوں کہ رات ہی بارش نے اپنا جلوہ دکھایا تھا۔

گھر پہنچی تو کچھ افراتفری نظر آئی۔ اللہ خیر کرتی ہوئی اندر داخل ہوئی تو سامنے رابعہ کی پھوپھو اور ان کے بچے نظر آئے تو وہ خوشی سے پاگل ہوگئی۔ رابعہ پھوپھو سے بولی۔

"آپ پہلے سے اطلاع کردیتیں میں بھائی

READING Section.blogspot.com

گھر پر ہوتے۔" رابعہ نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

پھوپھی کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی بیٹے بڑے تھے جن میں ایک کی شادی تھی۔ اب دو بیٹے اور ایک بیٹی کنواری تھی۔ بیٹی چھوٹی تھی جو ابھی آٹھویں جماعت میں پڑھ رہی تھی۔ رابعہ کی پھوپھو نے بھی چار سال کے بعد اس گھر میں قدم رکھا۔ کیوں کہ پھوپھا بیمار تھے۔ رابعہ کی امی کچن میں مصروف تھیں۔ وہ سب تیار کر چکی تھیں۔ سلاد، رائتہ اور پھر کباب کا مصالحہ ریڈی تھا بس تلنا باقی تھے تو رابعہ نے امی سے کہا۔

"آپ جا کر بیٹھیں میں یہ سب کام کرلوں گی۔" اس کو بھوک بھی لگ رہی تھی۔ اس نے جلدی جلدی صبح کی روٹی نکالی اور کباب سے ہاتھ صاف کرنے لگی۔ ابھی اس کا دوسرا نوالہ ہی تھا پیچھے سے عشناء اور عباد آ گئے۔ زبان سے سوسو کرتی رابعہ عباد کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔ رابعہ کو معلوم ہی نہ ہوا کہ اس کی مصالحہ کی پلیٹ کہاں غائب ہو گئی۔ رابعہ نے عشناء کو دیکھا وہ چپ چاپ کھڑی رابعہ کو دیکھ رہی تھی۔ رابعہ، عشناء سے بولی۔ "پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟" ساتھ ہی ساتھ کباب کی ٹکیاں بنانے کے لیے کباب کی پلیٹ بھی ڈھونڈتی جا رہی تھی۔ عشناء کو عباد نے اشارے سے منع بھی کر دیا تھا وہ مسکراہٹ دبائے کبھی بھائی کو دیکھتی کبھی رابعہ باجی کو دیکھتی آخر کار تنگ آ کر اس نے سلاد وغیرہ ریڈی کرنی شروع کر دی جب سلاد رکھنے کے لیے کوارٹر پلیٹ نکالنے کے لیے کیبنٹ میں ہاتھ ڈالا تو وہاں کباب کی پلیٹ ملی وہ حیران نظروں سے عشناء کو دیکھ رہی تھی لیکن اس پر شک کیسے کر سکتی تھی وہ تو اس سے باتیں کر رہی تھی۔ سب کچھ نظر انداز کر کے کباب فرائی کیے مجمل سجا دی اب سب کو بلانے لگی تھی۔ پھوپھو اتنا سارا اہتمام دیکھ کر حیران اور خوش بھی ہو گئی تھی۔

بھائی بھی اچانک پھوپھی کو دیکھ کر خوش ہو گیا۔ برسوں کی ناراضی پل بھر میں ختم ہو گئی۔ یہ خونی رشتے کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ ملو تو روز ملو اور نہ ملو تو برسوں لگ جاتے ہیں۔ واقعی کسی نے کہا ہے ملتے رہنے سے محبت ہوتی ہے نہ ملنے سے دوریاں بڑھتی ہیں۔ آج امی بھی بہت خوش تھیں کھانا بھی خوشگوار موڈ میں کھایا گیا امی کے اصرار پر پھوپھی نہ رکیں پھر بھی کا آنے کا کہہ گئیں جاتے جاتے دعوت ضرور دے گئیں۔

☆.....☆

رات کافی بیت رہی تھی۔ رابعہ اٹھ کے بعد سوچ رہی تھی اس کو میڈیکل سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن اس نے امی کی ضد کی پرواہ کیے بغیر این ای ڈی میں ایڈمیشن لے لیا۔ نمبر اچھے تھے۔ کیمیکل میں نام آ گیا تھا۔ امی کو جیسے تیسے بھائی نے سمجھا دیا امی کو فکر تھی، اس کی شادی کی وہ چاہ رہی تھیں کہ پہلے بیٹی کی کر دوں پھر بیٹے کی کروں گی۔ رابعہ کا تو پڑھائی میں ایسا دماغ چل رہا تھا کہ وہ مکمل ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

ماں اپنی بہن کو یاد کرتی تھیں۔ آنسوؤں کو پانی کا گھونٹ سمجھ کر اپنے گلے کو تر کر دیتی تھیں۔ مبادا کہیں بچوں کی نظر نہ پڑ جائے۔ پہاڑ پر پہاڑ ٹوٹ کر گرنے لگیں تو سمجھ لیں قیامت نوارد ہونے والی ہے۔ اچانک خالہ جانی کا گھر میں آنا ایک قیامت سے کم نہ تھا۔ امی کی سمجھ سے بالاتر تھا لیکن گھر آئے مہمانوں سے خوش دلی سے بولنا اخلاقی مظاہرہ کرنا اپنے کردار کو اچھے دکھانے کے مترادف ہے۔ کسی بداخلاق کو اس کی اپنی نظروں سے گرانا ہو تو خود اس کے آگے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرو کہ وہ شرم سے پانی پانی ہو جائے۔ بھائی گئے ہوئے تھے۔ رابعہ کے سمسٹر اسٹارٹ ہو چکے تھے۔ خاندان ہو یا محلہ ہر جگہ رابعہ کی فیملی کی ان کے بچوں کی بڑی تعریف ہوتی

تھی۔ آج خالہ کا آجانا امی کے دل کو دہلانے کے مترادف تھا۔ امی کچن سے فارغ ہوئیں تو ان کے پاس بیٹھ گئیں اور انتظار میں تھیں کہ وہ اپنے آنے کا مدعا بیان کریں گی لیکن وہ تو روئے جا رہی تھیں۔ اپنے دل کی بات بھی نہیں کہہ سکتی تھیں۔ رابعہ اپنی خالہ زاد بہن کو لے کر چھت پر چلی گئی۔ خالہ کو ان کا بیٹا چھوڑ کر چلا گیا تھا اور واپسی میں آنے کا بھی کہا تھا۔

بار بار کے دھوکوں سے امی ذہنی طور پر خود بھی تیار تھیں۔ آخر کار وہی ہوا جو ہونا تھا۔ خالہ نے اپنی بیٹی ردا کے لیے بھائی کا رشتہ مانگ لیا جس کے لیے امی ہرگز تیار نہ تھیں۔

"بھئی ابھی تو کاشف نوکری کے ساتھ ساتھ پڑھ بھی رہا ہے جیسے ہی اس کی تعلیم مکمل ہو گی تو میں اس سے اس کی پسند کے بارے میں پوچھوں گی۔"

☆.....☆

خالہ کو گئے ایک مہینہ ہی ہوا ہو گا کہ ماموں صمد نے آ کے دھماکا کر دیا۔ امی حیران تھیں کتنی خود غرض دنیا ہے جب کچھ نہ تھا تو کوئی پوچھتا نہ تھا۔ آج بچے کی بہترین جاب ہو گئی۔ ناراض بہن و بھائی کو کیسے رشتے جوڑنے کا خیال آ گیا۔ بات نہیں کرتے تو سالوں نہیں کرتے اور جب کرتے تو ایسا کرتے جیسے کچھ کہا ہی نہ ہو امی ان سب کی کج ادائیوں پر حیران تھیں۔ آج صمد بہن کے گلے لگ کر خوب رویا بڑی بہن تھیں معاف کر دیا ان کے کہنے پر امی ان کو بھائی کے پاس لے گئیں جو اکیلے زندگی گزار رہی تھیں کیوں کہ بیٹی کی شادی سے فارغ ہو چکی تھیں۔ امی نے جو صمد کے لیے بنایا تھا وہ سب لے کر بھاوج کے گھر چلی گئیں تھیں۔ امی کی اور ممانی کی خوب بنتی گئی۔ ممانی امی کو دیکھ کر خوش ہو گئیں تھیں۔ پیچھے صمد کھڑا تھا جو اپنے کیے پر شرمندہ تھا۔ اس کو بھائی نے گلے لگا لیا۔ صمد نے ضد کی بھابی کو لے جانے کی جس پر بھابی نے سختی سے منع کر دیا۔

"نہیں صمد! تم آؤ لیکن اب میں اس چوکھٹ پر نہیں جاؤں گی، جہاں پر میری بے عزتی ہوئی۔ مجھے تم معاف ضرور کر دینا۔" بھابی نے صمد کے آگے ہاتھ جوڑے تو امی اور صمد بھابی کے گلے لگ گئے۔

"بھابی! آپ ماں ہیں ہم سے غلطی ہو گئی ہمیں معاف کر دیں میں اندھا ہو گیا تھا۔ انجانے میں کیا کچھ ہو گیا، مجھے معاف کر دیں۔" امی نے سب کو خاموش کرایا۔

"ہاں صمد! اب بولو۔" کھانے سے فراغت ملنے کے بعد باجی نے صمد سے کہا۔

"اب تم اپنی پریشانی بتاؤ آخر تم نے خاندان کا شیرازہ کیوں بکھیر دیا ہر کوئی ایک دوسرے کا دشمن نظر آ رہا ہے۔ تمہارے دل میں کیا ہے تم آج مجھے صاف صاف بتا دو۔" صمد ننھے بچوں کی طرح روئے جا رہا تھا۔ باجی ماضی میں چلی گئیں جب اس کو کوئی چیز لینی ہوتی تھی تو وہ ضد کر کے لے ہی لیتا تھا۔ آج صمد اپنے بیوی بچوں کے بغیر اس گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔

آج محفل جمی تھی صمد کو بھی سمجھنے کا موقع ملا تو اس نے بھی دل کی بات کہہ دی۔ "میری بھی بیٹیاں ہیں۔" باجی اور بھابی بھی مسکرانے لگیں۔

"ارے تم ان لوگوں کے لیے ابھی سے پریشان ہو گئے ابھی تو ان سے بڑے بیٹھے ہیں اور پھر یہ تمہاری پریشانی نہیں ہے ابھی تمہارے بڑے بہن بھائی موجود ہیں۔ سب اللہ اچھا کرے گا۔ بچوں کو پڑھ لینے دو اچھا چلو تم کو فکر ہے تو تمہاری ایک بیٹی میں لے لیتی ہوں۔" باجی کا یہ کہنا تھا کہ وہ خوشی سے کھلکھلا اٹھا۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر باجی نے دل میں سوچا۔

"پگلا اپنی ہی بات دل میں لیے بیٹھا ہے۔ خاندان میں پارٹی بنا ڈالی۔"

صمد نے بھابی سے بہت ضد کی چلنے کی جس پر بھابی نے بہت ساری دعائیں دیں۔

"نہیں بیٹا! مجھے یہاں بہت سکون ہے آپ خوش رہو۔" صمد نے باجی کو گھر چھوڑا پھر اپنے گھر گیا۔ وہ بڑا خوش تھا۔

☆.....☆

امی گھر میں داخل ہوئیں تو رابعہ نے محلے کی خبر دینی شروع کردی۔ "عکی کے کتے کو کسی نے زہر دے دیا وہ مر گیا عکی اس کی میت پر نوحہ کناں ہے۔"

"امی ایک بات اور وہ یہ کہ بھائی کا دوست نہیں تھا وہ مزمل۔" اس نے مزمل کو کچھ زیادہ ہی کھینچ ڈالا تو امی چیخیں۔ "اب بول بھی چکو۔"

"وہ اس کو ڈکیتی کے دوران گولی لگی وہ فوری طور پر مر گیا۔" وہ سن کر افسوس کرنے لگیں۔

"کیسے والدین ہیں اپنی اولادوں کو چھوڑ کر خود اکیلے رہتے ہیں۔" امی بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

کاشف کے اوسان خطا ہو گئے۔ جب امی نے اپنے بھائی صمد کی بیٹی سے اس کے رشتے کا بتایا۔ صمد کو وہ اچھی تو لگتی تھی۔ پر مغروریت زیادہ تھی اب کیا کر سکتے تھے۔ امی کا فیصلہ سر آنکھوں پر۔ رابعہ کو پتا چلا تو وہ کچھ بولنے لگی۔ اس پر امی بولیں۔

"خبردار! ایک لفظ منہ سے نہیں نکالنا۔ اب اس کو قبول کرو اور پھر تمہیں اس کے ساتھ تھوڑی رہنا ہے۔" کاشف نے لقمہ لگایا۔

"تم بھی تو اپنی پھوپھو کے ہاں جاؤ گی۔" یہ کہہ کر باہر بھاگ گیا۔

اچانک نند کا آنا امی کو کچھ سمجھ آرہا تھا۔ امی نے بڑی آؤ بھگت کی کاشف کو بھی رابعہ نے فون کر کے بلوالیا۔ پھوپھا نے امی سے کہا۔

"بھئی آپا! آپ کی بیٹی رابعہ ہمیں بہت اچھی لگتی ہے۔ ایک لڑکی ہم خاندان سے لیں گے۔"

ایک بیٹے نے اپنی پسند کی شادی کرلی تھی۔ دوسرے بیٹے کی خود پھوپھا نے شادی کی تھی۔ لوگوں کی زبانی سننے میں آیا تھا۔ بڑے امیر کبیر گھرانے میں رشتہ طے کیا تھا۔ انہوں نے کاشف کی فیملی کو بلایا پسند ہی نہیں کیا تھا۔ افسوس اس بات کا تھا کہ جب لڑکی رخصت ہو کر آئی تو سہاگ رات کو ہی عباد کو بتا دیا کہ میں کسی کو پسند کرتی ہوں مجھے طلاق چاہیے۔ عباد بہت سنجیدہ قسم کا لڑکا تھا۔ اس کو اس کی توقع نہ تھی کہ دلہن روم میں آتے ہی بجائے پھولوں کے اس کا استقبال ہونا چاہیے تھا یا پھر طلاق طلاق کی رم جھم ہو گئی۔ کافی کمپرومائز کرنے کی کوشش کی گئی لیکن شاید نحوست نے عباد کے گھر کی دہلیز کو چھو لیا تھا۔ خاندان میں پہلی طلاق اس قسم کی ہوئی تھی جس سے کچھ لوگوں نے افسوس کا اظہار کیا اور کچھ نے مغروریت کی چوٹ کی۔

اب جب پھوپھا نے اپنا مدعا بیان کیا تو امی سوچ میں پڑ گئیں۔ نند تو خاموش تھیں عباد کی بھی مرضی تھی اور پسند بھی کیوں کہ وہ رابعہ کو دیکھ کر چلا بھی گیا تھا اس کو کچے کباب ہری مرچوں اور پیاز کے ساتھ کھاتے۔ رابعہ بڑی پیاری لگ رہی تھی، سو اسی نے ہی اپنے باپ کو بھیجا تھا کیوں کہ پھوپھو کو کچھ مشکل لگ رہا تھا کہ بھائی کیا سوچیں گی کہ میری بیٹی کے لیے یہ ہی طلاق یافتہ رشتہ لے کر آئیں ہیں۔ وہ خاموش ہی رہیں۔ کاشف اس بار بولا۔

"پھوپھا جان عباد میرا بھائی ہے اس کے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہوا، اس کا ہم سب کو افسوس ہے لیکن ابھی ہماری بہن رابعہ پڑھ رہی ہے۔ پڑھائی سے فارغ ہو جائے گی تو ہم اس بارے میں سوچتے ہیں۔" پھوپھا امی کا منہ دیکھ رہے تھے امی نے کاشف کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہہ دیا۔

"کاشف صحیح کہہ رہا ہے۔"

"اچھا پھر ہم رابعہ کی تعلیم کے بعد آجائیں

گے۔" ان کی ناراضی عیاں ہو رہی تھی۔

☆.....☆

پھوپھو کے جانے کے بعد گھر میں کچھ لمحے اداسی رہی۔ امی بھی شش و پنج کا شکار ہو گئیں۔ ان کو اس بات کا فخر تھا کہ ان کے بیٹے کاشف نے موقع محل دیکھ کر بات سنبھال لی تھی۔ رابعہ پھوپھی کے لڑکے میں انٹرسٹڈ تھی یہ بات امی کو کچھ کچھ محسوس ہوئی تھی۔ پھوپھا بھی اپنے بیٹے کے کہنے پر اور امی کے اصرار پر آئے تھے۔ رابعہ کو اس بات کا پتہ نہ تھا اس کے آخری سمسٹر چل رہے تھے وہ دل جمعی کے ساتھ تیاری کر رہی تھی۔ امی دوران ان کے ڈیپارٹمنٹ نے الوداعی پارٹی کا پروگرام بنالیا۔ رابعہ کلاس میں بیٹھی تھی۔ بلقیس بھی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی الوداعی تقریب دونوں کا موضوع گفتگو تھا رابعہ نے کہا۔ کیسا ان لوگوں نے وقت رکھا ہے۔ کپڑوں کا چناؤ کرنا، میچنگ کی سینڈل، اف خدایا اوپر سے امتحان کی تیار کرنا۔ بھئی میں پارٹی میں نہیں آؤں گی۔" ایک دم اس نے بلقیس کے سامنے فیصلہ صادر کردیا۔ یہ سننا تھا کہ پیچھے بیٹھے لڑکے بھی اس کی آواز سن کر چونک گئے۔ شارق، نعیم، ندیم سب رابعہ کو دیکھ رہے تھے۔ رابعہ کی جھنجھلاہٹ بھری نظریں بھی ان ہی لوگوں کو دیکھنے لگیں پھر خود ہی شرمندہ ہو گئی۔ ندیم جو رابعہ کے لیے سوچ رکھتا تھا۔ یہ وہ ہی جانتا تھا لیکن ابھی تک اس سے اظہار محبت نہ کر سکا تھا اس نے ایک چھوٹا سا تحفہ بھی اس کے لیے لے کر رکھا تھا پر اس کے دل میں ڈر تھا کہ کہیں رابعہ برا نہ مان جائے، ان دونوں کے درمیان صرف نوٹس اور پڑھائی کے متعلق ہی بات ہوتی تھی۔

کاشف اپنی بہن کے لیے راضی نہ تھا کہہ رہا تھا۔ "کیا میری بہن ہی رہ گئی ہے اس شادی کے لیے۔" امی سمجھا رہی تھیں۔ "بیٹا! ان کو اپنے کیے کی سزا مل گئی ہے۔ دیکھو وہ خود بڑے ہو کر ہمارے گھر آگئے۔ دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے اور پھر تمہارے پھوپھا کی خواہش ہے دوسری بات یہ کہ میری اور تمہارے پاپا کی مرضی یہ ہی تھی کہ عباد ہی ہمارا داماد بنے گا لیکن جب اس کی شادی کا سنا تو دل تھام کر بیٹھ گئی تھی۔" امی نے ابھی اپنی بات ختم ہی نہیں کی تھی کاشف بیچ میں بول پڑا۔ "لیکن امی! آپ دیکھیں نا وہ شادی شدہ ہے اس کو طلاق ہو گئی ہے۔ پتہ نہیں کس وجہ سے بیوی گئی۔" کاشف کے ہزاروں سوال تھے۔ امی نے اس کو چپ کرایا۔

"بیٹا! تمہارے پھوپھا کی غلطی تھی جلد بازی میں شادی کردی۔ عباد میں کوئی کمی نہ تھی بس اس لڑکی نے کسی لڑکے کو پسند کیا ہوا تھا۔ ماں باپ کو بیٹی کی حرکت کا پتہ چلا تو انہوں نے عباد کے پرپوزل کو قبول کر کے چٹ منگنی پٹ بیاہ کردیا اس کا خمیازہ آج تک تمہارے پھوپھا بھگت رہے ہیں۔" کاشف سوچ میں پڑ گیا تھا۔

☆.....☆

رابعہ الوداعی تقریب کے لیے تیار تھی۔ بھائی سے جلدی چلنے کو کہہ رہی تھی۔ کاشف اپنی اسکوٹر کی خرابی کو درست کر رہا تھا۔ وہ بیچ سڑک پر کھڑی اپنے آپ کو کوس رہی تھی اکیلے رکشہ ٹیکسی میں بھی گئی نہیں اتنے میں ایک خوب صورت سی گاڑی آکر رک گئی۔ ندیم نے گردن باہر نکال کر رابعہ کو مخاطب کیا۔ جس پر کاشف نے پہلے رابعہ کو دیکھا پھر ندیم کو جو نہایت ہی معقول نظر آرہا تھا۔ رابعہ نے بھائی کو دیکھا جو ذرا ہچکچا رہی تھی۔ کاشف پڑھا لکھا سمجھدار لڑکا تھا۔ اس نے ندیم سے ہاتھ ملایا۔

"یار! اسکوٹر اچانک خراب ہو گئی۔ تم وہیں جارہے ہو تو رابعہ کو بھی لیتے جاؤ۔" کاشف نے ندیم سے کہا۔ ندیم کی تو خوشی برآئی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ جو گزشتہ چار سال سے اس کو دیکھتا آیا جو اس کے من کو بھائی آج خود وہ اس کے پہلو میں بیٹھی

تھی۔ رابعہ کے دل میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں تھا لیکن وہ دل ہی دل میں اس کی تعریف ضرور کرتی۔

"رابعہ! اگر برا نہ مانو تو مہدی حسن کی غزل لگا دوں۔" ندیم نے پوچھا تو اس پر رابعہ بولی۔

"آپ کی گاڑی ہے آپ کی مرضی ہے۔" ندیم نے شکریہ کہتے ہوئے غزل کیا لگائی خود رابعہ کے دل تار بج اٹھے۔ "خدا کرے کہ محبت میں وہ مقام آئے کسی کا نام لوں تو لب پر تمہارا نام آئے۔" ابھی غزل پوری ہوئی بھی نہیں تھی کہ آواری ناور آ گیا جہاں لڑکے لڑکیوں سے بھرا ہوا ہال تھا۔ رابعہ بھی ندیم کو تھینکس کہتی ہوئی اپنی دوستوں میں مست ہو گئی تھی۔

☆.....☆

پیپرز بھی ختم ہوئے کافی دن ہو چکے تھے۔ اچانک سیل فون بج اٹھا ندیم کی آواز تھی۔ ندیم نے کہا۔ "اگر تم برا نہ مانو تو ایک ریکوسٹ ہے میری امی اور میری فیملی آپ کے گھر آنا چاہتی ہیں۔ آپ کی اجازت چاہیے تھی۔" ندیم نے بات ختم کی اس نے دل میں سوچا کیوں آنا چاہتا ہے بے خیالی میں اس نے کہہ بھی دیا۔

"آ جائیں۔" ادھر ندیم کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔

آج کاشف بڑی ممانی کو گھر لے آیا تھا۔ صد ماموں بھی اپنی فیملی کے ساتھ آنے والے تھے۔ رابعہ کا آج کانووکیشن تھا۔ آج مکمل طور پر یونیورسٹی کو چھوڑنے کا دن تھا وہ اداس تھی۔ سب دوستوں سے مل کر وہ اپنے بھائی کے ساتھ گھر پہنچ گئی تھی بڑی ممانی امی گھر ہی پر تھیں، پھر پھوپھو کا فون آ گیا۔ کاشف نے آخر فیصلہ کر ہی لیا کہ وہ رابعہ سے بھی رائے تو لے اس کی کیا مرضی ہے اس نے گھما پھرا کر جب رابعہ سے عباد کے مطابق پوچھا کیوں کہ وہ تو خلاف تھا۔

"پر رابعہ لوگ کیا کہیں گے۔"

"کچھ نہیں بھائی لوگ باتیں بناتے ہیں۔ پر اس میں عباد کا کیا قصور تھا وہ تو اپنے ماں باپ کا فرمانبردار بیٹا ہے۔ حالانکہ اس کو لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں بہترین جاب ہے خوب صورت ہے، بینک بیلنس..... سب کچھ تو ہے۔" کاشف نے جب رابعہ کا رجحان اور پسند دیکھی تو خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنی بہن کو پیار کیا اور چلا گیا۔

بڑی گہما گہمی تھی۔ پھوپھو کی فیملی۔ صد ماموں کی فیملی سب گھر پر آئی ہوئی تھیں۔ بڑی رونق لگی ہوئی تھی۔ عباد کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ ابھی سب چائے پی ہی رہے تھے کہ کال بیل بج پڑی۔ ہنستا مسکراتا یہ گھر خوشیوں کا گہوارہ لگ رہا تھا۔ کاشف نے دروازہ کھولا تو سامنے ندیم کی فیملی کھڑی تھی اس نے ندیم سے ہاتھ ملا کر اندر آنے کو کہا۔ کیوں کہ وہ ندیم کے اصرار پر رابعہ کا رشتہ لے کر آئے تھے۔ ابھی پھوپھو لوگ بھی نہیں گئے تھے ندیم کے آنے پر کچھ ماحول تبدیل سا ہو گیا تھا۔ وہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے تھے۔ عباد تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ وہ نظریں چرا کر سیدھے ان لڑکیوں میں آ کر بیٹھ گیا جہاں اس کی بہن رابعہ سے بیٹھی اپنے اسکول کی باتیں کر رہی تھی عباد کے آتے ہی اس کی بولتی بند ہو گئی کیوں کہ وہ عباد سے ڈرتی بہت تھی۔

"رابعہ! ایک بات پوچھوں، یہ جو آج مہمان آئے تھے کیا نام ہے ندیم تمہارا کلاس فیلو تھا نا؟"

"ہاں!" رابعہ نے برجستہ کہا۔

"میں تو ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔" عباد نے کہا۔ رابعہ نے پھر اپنی صفائی پیش کی۔

"اس نے مجھ سے آنے کا کہا تو میں نے منع نہیں کیا۔ ہاں اگر پرپوزل کا کچھ اشارہ ہوتا تو میں جواب دے دیتی۔ اب کیا کر سکتی ہوں اللہ میاں نے جب میری قسمت میں اس شخص کو لکھ دیا۔" اس نے عباد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا وہ مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

☆.....

صائمہ قریشی

مکمل ناول

سو جاناں سے دل ہارے

"سنو!" وہ مکمل طور پر نظریں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر جمائے انگلیوں کو حرکت دیئے جا رہا تھا کہ وہ
کمرے میں داخل ہوئی۔

"ہوں بولو۔" وہ بنا اس کی طرف دیکھے بولا۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

''مجھے ایک فیک فیانسی کی ضرورت ہے کیا تم بنو گے؟'' میمل پر رکھی بکس کو ادھر ادھر کرتے ہوئے وہ کسی تمہید کے دوٹوک الفاظ میں اپنا مدعا بیان کرنے لگی۔

''واٹ؟'' وہ جس طرح چیخا وہ بدک کر دو قدم پیچھے ہو گئی۔

''کیا کہا؟'' اس کو اپنی سماعت پر دھوکے کا گمان ہوا تھا۔

''اس میں اتنا چیخنے والی کیا بات ہے؟'' وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''تمہیں کیا کہا ذرا پھر سے کہو؟'' وہ اب اس کی طرف متوجہ تھا اور اس کا نارمل انداز سے بھی لگا شاید اس نے غلط سنا ہے۔

''وہ مجھے ناں فیک فیانسی چاہیے تم میری ہیلپ کرو گے پلیز۔'' نظریں جھکائے وہ منت بھرے لہجے میں اس سے مدد مانگ رہی تھی

''تمہارا دماغ درست ہے؟ سوچا ہے کیا کہ اس کے جا رہی ہو؟'' وہ اس کو ڈانٹنے لگا۔

''پہلے نہیں سوچا تھا۔ اب سوچا ہے اسی لیے تمہارے پاس آئی ہوں ناں، مدد کر دو ناں۔'' وہ انتہائی بے بسی سے اس سے مخاطب تھی۔

''اور ایسی کیا مجبوری ہے کہ تمہیں فیک فیانسی چاہیے؟'' وہ کڑے تیوروں سے اس کو گھورتے ہوئے بولا۔

''دیکھو! اگر تم نے میری مدد کرنی ہے تو کرو، میں پہلے ہی پریشان ہوں اس وقت تمہارے لیکچرز کا موڈ نہیں ہے۔'' وہ روٹھے لہجے میں اس کے کمرے میں لگے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

''میں نے ہمیشہ تمہاری مدد کی ہے، کی ہے ناں؟'' وہ چیئر پر بیٹھے بیٹھے اس کی طرف مڑتے ہوئے اس سے استفسار کرنے لگا۔ تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''تم خود سوچو کیا یہ ٹھیک ہے؟'' وہ نرم لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

''نہیں۔'' وہ ڈبڈبائی نظروں سے ہاتھ مروڑتی ہوئی اس کی بات سے اتفاق کرنے لگی تو وہ زیر لب مسکرانے لگا۔

''اب کیا کیا ہے؟'' وہ اس کی اس بے وقوفی کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔

''میں نے کالج میں اپنی فرینڈز سے بول دیا کہ میری منگنی ہو گئی ہے اور میرا فیانسی بہت ہینڈسم ہے، بہت کیئرنگ ہے، بہت اچھا ہے، یہ سب بولا تو اب وہ منحوس، بدتمیز ساری کی ساری کہہ رہی ہیں کہ اپنے منگیتر سے بات کراؤ۔ ان کو لگتا ہے کہ اس کا یقیناً دماغ خراب ہے تب ہی اس نے مجھے پسند کیا ہے۔'' نظریں جھکائے ہاتھ گود میں رکھے وہ اس کو اپنی بے وقوفیوں کی داستان سنا رہی تھی۔ وہ چیئر کی پشت پر بازو ٹکائے اس کو نظروں کے حصار میں لیے سن رہا تھا۔

''وہ تو کوئی مسئلہ نہیں، میں تمہاری تصویر دکھا دوں کہ یہ وہ مائنڈ لیس انسان ہے جس کی قسمت پھوٹی ہے لیکن وہ بدتمیز لڑکیاں کہہ رہی ہیں کہ اس سے ملواؤ۔'' وہ دانت پیستے ہوئے ان سب کو ہی برا بھلا کہہ رہی تھی۔

''کمال ہے، غلطی تمہاری اور بدتمیز وہ سب۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

''اور تم مجھ سے پوچھے بغیر میری تصویر کیوں دکھا تیں؟'' وہ ابرو اچکائے اس کی طرف دیکھتے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''تو اور کس کی دکھاتی؟'' وہ الٹا اس سے سوال کرنے لگی۔

''چھوڑو یہ سب بتاؤ ناں مدد کرو گے ناں؟'' وہ پرامید نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی اس سے پوچھنے لگی۔

''اگر میں نہ کروں تو......؟'' وہ اس پر ایک گہری نظر ڈال کر بولا اور دوبارہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تم ایسے نہیں کر سکتے، میں بہت امید لے کر تمہارے پاس آئی ہوں۔'' وہ تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

''سوری اب میں اس دفعہ تمہاری مدد نہیں کر سکتا، یہ معاملہ زیادہ سنگین ہے اور تم بھی اب یہ حماقتیں چھوڑ دو، تم کالج پڑھنے جاتی ہو نہ کہ وہاں شو آف کرنے، اب جاؤ مجھے کام کرنا ہے۔'' وہ اس کی کسی منت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے صاف انکار کر کے اس کو لیکچر دے کر دوبارہ اپنے کام میں جت گیا۔

''شہیر پلیز لاسٹ ٹائم۔'' وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

''پچھلی دفعہ بھی تمہاری لاسٹ غلطی تھی۔ دس ہزار کے نقصان کو میں نے جیسے تیسے برداشت کر لیا تھا لیکن اب یہ بات میری پوری زندگی کی ہے، میں تمہارے لیے اب اپنی چوبیس سالہ عزت داؤ پر نہیں لگا سکتا۔'' وہ صاف انکار کرتے ہوئے بولا۔

''میں تمہیں دس ہزار روپے دوں گی لیکن اب کی بار ہیلپ کر دو تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔'' وہ کسی صورت اس کے انکار کو قبول کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔

''کیا مطلب کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ آئی ایم شیور تم نے سارا پلان ترتیب دے رکھا ہو گا۔'' اب تک وہ اس کے معاملے میں دلچسپی نہ رہا تھا لیکن اب اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس نے واقعی بے وقوفی کی ہے اور اب اس کے پاس اس کو اس بے وقوفی سے نکالنے کے لیے اس کی مدد کرنی ہی تھی۔

''میں کالج جاؤں گی ناں تو تم مجھے کال کرنا، میں سب فرینڈز کے ساتھ ہوں گی تو تمہاری سب سے بات کرا دوں گی تم بس کہہ دینا کہ تم وہ ہو اور بس اتنا سا کام۔'' اس کے پرامید رویے پر وہ پرجوش انداز میں اس کو پلان بتانے لگی۔

''اچھا بس اتنا سا کام۔'' اس کی عقل پر افسوس کرتے ہوئے وہ مضحکہ خیز انداز میں بولا۔

''ہاں۔'' اس کی ہنسی اور لب و لہجے پر اس کا دل چاہا کہ دو منٹ میں اس کا گلا دبا دے لیکن اس وقت وہ اس کے کسی تمسخر پر کسی قسم کے ردعمل کی پوزیشن میں نہ تھی، اس کی ذرا سی چوں چرا اس کو مہنگی پڑ سکتی تھی، اس لیے اس وقت شہیر کی طنزیہ ہنسی، لب و لہجہ ہر اک انداز جو اس کو کم عقلی کی سند دے رہا تھا، برداشت کرنا اس کی مجبوری تھی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"اچھا اور مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ تم اس وقت فرینڈز کے ساتھ ہو؟" وہ دلچسپی سے اس کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ارے بابا میں تمہیں بتادوں گی ناں۔" اس کی حامی بھرنے پر اب وہ بہت پرجوش ہو رہی تھی۔

"اچھا اچھا اب جاؤ، مجھے کام کرنا ہے۔" وہ نظریں اس پر سے ہٹا کر لیپ ٹاپ کی اسکرین پر جماتے ہوئے بولا۔

"لیکن پکا ناں، اب مکرنا نہیں، میں اپنی فرینڈز کو بتادوں کہ تم ان سے بات کرنے پر مان گئے ہو؟" اس کے مچلنے پر اٹھتی ہوئی وہ کنفرم کرنے لگی۔

"ہاں پکا، لیکن ——" اس کے پرسوچ یقین پر وہ جاتے جاتے پلٹی۔

"کیا؟"

"فیک فیانسی کا اینڈ کیسے ہوگا؟" اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ اس سے دریافت کرنے لگا۔

"اس میں کیا مشکل ہے کہہ دوں گی ناں، مجھے تم نہیں پسند آئے تو میں نے منگنی توڑ دی۔" لاپروائی انتہا تھی شہیر نے اس کو دیکھا لاابالی انداز میں سنجیدگی کی کوئی رمق نہ تھی۔ شہیر نے ہر معاملے میں اس کی مدد کی تھی۔ اس کا ساتھ دیا تھا۔ یہ پاگل سی ایبا اس کو بہت عزیز تھی لیکن اس لمحے وہ ایک رشتے کو چٹکیوں میں مسلنے کو تیار تھی۔ آج وہ جس ڈیمانڈ کے ساتھ شہیر سے مدد مانگنے آئی تھی۔ شہیر کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا تھا لیکن چاہنے کے باوجود وہ اس کو انکار نہ کرسکا۔ ایبا کی یہ بات، یہ انداز شہیر کو کچھ سوچنے پر مجبور کررہا تھا۔

☆......☆

"مجھے سمجھ نہیں آتی۔ لوگ شادی کیوں کرتے ہیں۔ کیا فائدے ہیں اس کے؟" آفس میں فائلز کا ڈھیر لگائے بیٹھا وہ اچھے خاصے تپے انداز میں اپنے آپ سے مخاطب ہوا تھا اور نظریں بار بار پاس رکھے موبائل کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

"حد ہوتی ہے۔ انسان کو شرافت کا لبادہ اوڑھنا ہی نہیں چاہیے۔ یہ شرافت بھی یوں ہی ذلیل کراتی ہے۔" اس کی جھنجلاہٹ کا پارہ بڑھتا جارہا تھا اور بڑبڑاہٹ میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

"اب جھکتو معاذ صدیقی۔" موبائل کی خاموشی اس کو مسلسل چڑا رہی تھی۔

"السلام علیکم جناب! کیا حال ہے؟ تم آج آفس میں کیا کررہے ہو؟"

"جھک ماررہا ہوں، وعلیکم السلام۔" معاذ اسی جھنجلائے انداز میں بولا۔

"خدا خیر کرے یہ اتنی جلدی بارہ کیوں بج گئے بھوکے تو نہیں؟" شہیر تفتیشی نظروں سے اس کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"تین بج رہے ہیں بارہ نہیں، ہاں کھا چکا ہوں۔" وہ کھا جانے والی نظروں سے اس کو گھورتے ہوئے بولا۔

"ہاں تین بج رہے ہیں لیکن وہ تو گھڑی پر ہیں میں تو تمہارے منہ کی بات کررہا ہوں کہ وہاں کیوں

بارہ بج رہے ہیں۔" شہیر کے ہنسنے پر اس نے ابرو اچکا کر اس کو دیکھا۔

"یار! میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انسان کو شرافت کا مظاہرہ کرنا ہی نہیں چاہیے۔ خاص طور پر سالار صدیقی جیسے انسان کے سامنے۔" سامنے رکھی فائل کو دراز میں پٹختے ہوئے وہ اسی جارحانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"ہاہاہاہا۔" اس کی اسٹیٹمنٹ پر شہیر اپنا قہقہہ نہ روک سکا۔

"یار شہیر! تم ہنسو نہیں میرا بھیجا اس وقت بہت گرم ہے تو یہ نہ ہو۔" معاذ نے ہاتھ اٹھا کر اس کو ہنسنے سے باز رکھا۔

"ہاہاہا، اچھا نہیں ہنستا لیکن یہ تو بتاؤ ہوا کیا ہے؟" شہیر بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا۔

"یار مجھے یہ سمجھ نہیں آتی یہ سالار صدیقی نے میری شادی کیوں کروادی؟" اس کا انداز ایسا تھا کہ شہیر کوشش کے باوجود اپنی ہنسی نہ روک سکا اور اس کی خشمگیں نظروں سے بچنے کے لیے رولنگ چیئر کو گھما کر رخ دوسری طرف موڑلیا اور ہنستا چلا گیا۔

"تو دفع ہوجا یہاں سے۔" معاذ اٹھ کر اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔

"اچھا سوری، اب نہیں ہنسوں گا۔" شہیر دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کو ڈھانپتے ہوئے بولا۔

"تم بتاؤ ہوا کیا ہے اور یہ انکل کا نام کیوں لے رہا ہے، کچھ تمیز سیکھ بڑا ہوگیا ہے اب۔ سسرال میں ناک کٹوائے گا کیا ہماری؟" شہیر شرارت سے باز نہ آیا تھا۔

"شہیر تو...... بس اب نکل جا یہاں سے۔" معاذ اب اس کو وارننگ دینے لگا تھا۔

"ہوا کیا ہے؟ اتنے غصے میں کیوں ہو؟" شہیر اس کے سنجیدہ تیوروں کو دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"میں نے خواہ مخواہ یہ مصیبت گلے میں ڈال کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔" معاذ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو شہیر لمحہ بھر کو چونکا۔

"کون سی مصیبت؟" شہیر کی نظریں اس کے سامنے رکھی فائل پر پڑیں لیکن وہ تو بند پڑی تھی۔ "پھر اس کو کیا ہوا؟" شہیر پرسوچ نظروں سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

"یہی شادی اور یہ کیا کم ہے جو اور بھی کوئی مصیبت ہو؟" معاذ کا لب ولہجہ شہیر کی سمجھ میں نہ آرہا تھا۔

"تم شکل سے تو ایسے نہیں لگتے کہ بغیر کسی دلی لگاؤ کے اتنی آسانی سے انکل کی بات مان لوگے۔" شہیر بغور اس کو دیکھتے ہوئے پھر چھیڑنے لگا۔

"تجھ جیسے غدار دوست صرف شکل ہی دیکھ سکتے ہیں، دل کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔" معاذ پھر جھنجلا اٹھا۔

"اچھا بتاؤ کیا ہوا ہے۔ سب خیریت ہے ناں؟" اب کے شہیر صلح جو لہجے میں بولا جانتا تھا اس کو چھیڑنا مزید طیش دلانے والی بات ہے۔

"کچھ نہیں یار یوں ہی موڈ آف ہے۔" معاذ اکتاہٹ سے بولا۔

READING CORNER http://readingpk.blogspot.com/

''بنے تو بیٹے دلہے کا یوں ہی موڈ آف ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔'' شمیر شریر مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو معاذ دانت پیس کر رہ گیا۔

''میں بھابھی نہیں ہوں جو تمہارے نخرے برداشت کروں گا۔ بتانا ہے تو بتاؤ نہیں تو چلو باہر میں نے کچھ ڈسکس کرنا ہے۔'' شمیر اس کے تیوروں کو مزید خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولا۔

''ہاں وہ تو جیسے بہت نخرے اٹھاتی ہے ناں ایک تم رہ گئے تھے۔'' معاذ اسی موڈ میں بولا۔

''اخاہ...... بھابھی سے لڑائی ہوئی ہے کیا؟'' شمیر معاملے کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

''لڑائی تب ہوگی ناں جب پاپا اس کو ڈھیلا چھوڑیں گے ہر وقت تو اس کے باڈی گارڈ بنے رہتے ہیں۔'' وہ موبائل کو ان لاک کر کے چیک کرتا ہوا اسی انداز سے بولا۔

''ہاہاہا۔'' شمیر کے قہقہے پر معاذ نے ہاتھ پیپر ویٹ کی طرف بڑھایا تو وہ یک لخت خاموش ہو گیا۔

''یار اگر اس نے پاپا کا پرسنل سیکریٹری ہی بننا تھا تو مجھے بیس ہزار کی شیروانی پہنا کر کیوں بٹھایا تھا؟'' معاذ اس سے انصاف چاہ رہا تھا۔

''ہاں یار! یہ تو واقعی ہی زیادتی کی گئی تمہارے ساتھ۔'' مسکراتی شریر آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی تائید کی۔

''ذلیل انسان۔'' معاذ دانت پیس کر بولا۔

''کون؟'' وہ متعجب انداز میں اچھلا تھا۔

''تم اور کون؟'' وہ موبائل کو ٹیبل پر پٹختے ہوئے اس کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''لو بھلا میری کیا غلطی؟ نہ تو میں بھابھی کا باس ہوں نہ تمہیں بیس ہزار کی شیروانی پہننے کا مشورہ دیا تھا۔'' شمیر ہنستے ہوئے اپنا دفاع کرنے لگا تھا۔

''ہاں غلطی تو میری ہے ناں جو تم سب کی باتوں میں آ گیا تھا۔ جاؤ سب بھاڑ میں۔'' معاذ کا پارہ طور پر نیچے نہیں آ رہا تھا اور اس سے پہلے کہ شمیر مزید کچھ کہتا وہ اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا آفس سے باہر نکل گیا اور اس کے جارحانہ تیوروں سے گھبرا کر شمیر بھی اس کے پیچھے لپکا تھا۔

☆......☆

معاذ صدیقی ''صدیقی مینشن'' کا پہلوٹھی کا چشم و چراغ تھا۔ سالار صدیقی کے کروڑوں کے بزنس کا اکلوتا وارث لیکن معاذ کی لاابالی شخصیت، نان سیریس پرسنالٹی ہر وقت اس کو سالار صدیقی کے عتاب کا نشانہ بنائے رکھتی تھی۔ ابیہ صدیقی اور معاذ دونوں بہن بھائی ایک ہی نیچر کے مالک تھے۔ معاذ موج مستی گھومنا پھرنا، دوستیاں یاریاں نبھانے کو اولین ترجیح دیتا تھا اور ابیہ بھی الہڑپن میں اپنی مثال آپ تھی۔ انتہائی غیر سنجیدگی سے ہر ایک چیز کو ہینڈل کرتی ابیہ، سالار کی ٹینشن کا باعث بنی رہتی تھی اور موقع ملتے ہی ان دونوں کو طرح طرح کے بھاشن سے زچ کرتے رہتے تھے۔ فائقہ اپنے بچوں کی ان سرگرمیوں سے عاجز آ چکی تھیں۔ معاذ بزنس سنبھالنے کے لیے کسی طور پر آمادہ نہ تھا۔ ذہانت اور سمجھ بوجھ کے باوجود اس کی سالار صدیقی کے ساتھ بزنس میں کسی قسم کی مداخلت نہ تھی اور سالار کو اکیلے سب کرنا پڑتا تھا۔ جس پر

اٹھتے بیٹھتے اس کو سناتے رہتے تھے لیکن معاذ پر ان کی کسی ڈانٹ کا کوئی اثر نہ ہو رہا تھا۔ ابھی وہ زندگی کو اپنی مرضی سے گزارنے کے حق میں تھا۔ تمام تر لیکچرز، روک ٹوک اور محاذ آرائی کے باوجود جو سب سے بڑی سپورٹ اس کو حاصل تھی وہ سالار صدیقی کی اپنی ہی تھی۔ جن کے ڈانٹ کے بعد دوستانہ رویہ، معاذ کو اپنی روش پر قائم رکھے ہوئے تھا۔ وہ یہ بات سمجھ چکا تھا کہ سالار صدیقی کے بقول ''یہ نہ کرو، خرچہ بند کر دوں گا۔'' فائقہ صوفے پر بیٹھی گلاسز لگائے نیٹ کی شرٹ پر ڈائمنڈ لگا رہی تھیں۔ نظر کی کمزوری کے باعث ابیہ ان کے پاس بیٹھی بار بار ان کی سوئی میں دھاگہ کی ڈیمانڈ پر ابھی خاصی عاجز آئی ہوئی تھی کہ معاذ گھر میں داخل ہوا اور چلتا ہوا ابیہ کے ساتھ والے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کے چینل کلک کرنے لگا تو ابیہ جو ٹی وی دیکھ رہی تھی چلا اٹھی۔

''بھائی میں پہلے دیکھ رہی تھی ناں۔'' وہ اس کے ہاتھ سے ریموٹ چھیننے کے لیے لپکی۔

''صبر کرو ناں ابھی عمران خان اہم اعلان کرنے والا ہے۔'' وہ ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے نظریں نیوز چینل پر جمائے بولا۔

''چھوڑو ناں بھائی! کوئی اعلان نہیں ہونے والا۔'' ابیہ دھاگا ڈال کر سوئی فائقہ کو دیتے ہوئے بولی۔

''اچھا پانی پلاؤ ٹھنڈا۔'' معاذ ریموٹ سائیڈ پر رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''میں نہیں جا رہی ہوں، خود جاؤ اور پی کر آؤ۔'' ابیہ صاف انکار کرتے ہوئے بولی۔

''ابیہ! بری بات ہے ناں بیٹا کتنی بار کہا ہے اپنے ایک دم کسی بات کے لیے انکار نہیں کر دیتے۔ جاؤ بھائی کو پانی لا دو۔'' فائقہ گلاسز میں سے اس کو گھورتے ہوئے بولی۔

''بھائی! مجھے تین ہزار تین سو روپے چاہئیں۔'' ماں کو ایک نظر دیکھ کر ابیہ معاذ کی طرف مڑی اور اپنی ضرورت بیان کرنے لگی۔

''یہ لو تین سو پانی لے کر آؤ باقی کا بھی انتظام ہو جائے گا۔'' معاذ والٹ سے سو سو کے تین نوٹ نکال کر اس کو دیتے ہوئے بولا۔

''مجھے بھوک بھی لگی ہے تو چائے کے ساتھ سموسے اور......''

''بھائی! ابھی تو کراؤں نہیں صرف پانی لاؤں گی۔'' اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ جاتے جاتے پلٹی۔

''ابیہ۔''

''بیٹا!'' معاذ اور فائقہ کی ایک ساتھ ابھرتی آوازوں پر ابیہ نے حیرت سے دونوں کو دیکھا۔

''خیر ہو آج ماں بیٹے کی بڑی تال مل رہی ہے۔'' ابیہ نے ہنستے ہوئے دونوں کو چھیڑا۔

''بھائی! ابھی پاپا آنے والے ہوں گے ناں تو پھر بتا دوں گی ناں چائے۔'' وہ فائقہ کی تنبیہہ نظروں سے بچنے کے لیے بولتی معاذ کے لیے پانی لانے چلی گئی۔

''بھائی! اچھے ہزار۔'' اس کو پانی کا گلاس پکڑاتے ہوئے وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔ اسی لمحے سالار گھر میں داخل ہوئے۔

READING CORNER
http://readingscornerpk.blogspot.com

"پاپا! آپ کے پاس چھ ہزار روپے ہوں گے؟" وہ ابھی بیٹھے بھی نہ تھے کہ معاذ ان سے پوچھنے لگا تو جہاں ابیہ نے متحیر نظروں سے اس کو دیکھا وہاں فائقہ نے گلاس سرا تار کر نظریں اس پر جما دیں۔ حیرت کا جھٹکا تب لگا جب بغیر کسی تفتیش کے سالار صاحب نے بیٹھتے ہوئے چھ ہزار نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیے۔

"یہ لو بیٹا، جاؤ عیش کرو اور جب چائے بن جائے تو ما بدولت کو انفارم کر دیا جائے۔" وہ ہزار ہزار کے چھ کڑکتے نوٹ ابیہ کی ہتھیلی پر رکھ کر موبائل پر نمبر سرچ کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔ تو دل ہی دل میں بے تحاشا خوشی سے اچھلتی ہوئی ابیہ بھی وہاں سے چلی گئی۔

"کیسے ہیں آپ اور کیسا گزرا دن؟" فائقہ اپنی چیزیں سمیٹتی اٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگیں۔ تو شوز کے لیس کھول کر شوز اتارتے ہوئے سالار نے ان کی طرف دیکھا۔

"آج بہت تھکاوٹ ہو رہی ہے۔ فارن کمپنی کے ساتھ میٹنگ تھی۔" شوز کو سائیڈ پر رکھتے ہوئے وہ صوفے پر نیم دراز ہوتے ریموٹ سے نیوز چینل کی آواز اونچی کرتے ہوئے بولے۔ "ہاں کیسی رہی میٹنگ؟" فائقہ ان کے شوز اٹھا کر اندر کمرے میں جانے لگیں تو ان سے پوچھنے لگیں۔

"ڈیل کینسل ہو گئی ہے۔" سالار، فائقہ کی طرف دیکھتے ہوئے ان کو بتانے لگے۔

"کیوں سب کچھ تو ٹھیک تھا پھر کیوں کینسل ہو گئی؟" فائقہ فکرمندانہ لہجے میں بولیں اور کمرے میں جانے کی بجائے ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"بس فائقہ بیگم! کچھ اتفاق نا اہلی کی وجہ سے خیر چھوڑو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو گا۔ آپ چائے وغیرہ کا بندوبست کریں میں فریش ہو لوں۔" سالار فائقہ کو تسلی دیتے ہوئے سیدھے ہو کر بیٹھے۔

"تو آپ معاذ کو کام پر لگائیں، جب تک آپ سختی سے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ڈالیں گے ناں وہ اسی طرح آوارہ گردی کرتا رہے گا۔" فائقہ ہمیشہ کا کہا گیا جملہ پھر سے کہنے لگیں تو سالار خاموشی سے ان کو دیکھ کر رہ گئے اور کچھ سوچتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

☆......☆

"معاذ بیٹا!" وہ اس کو آواز دیتی اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ جو شوز سمیت بیڈ پر دراز تھا یک لخت اٹھ بیٹھا۔

"آئیں مما!" وہ ان کو کہتا ہوا سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"بیٹا! تم سے بات کرنی تھی۔" وہ جھجکتے ہوئے بولیں۔

"مما! یہ کیا بات ہوئی آپ اس طرح کیوں کہہ رہی ہیں؟" وہ ان کے انداز پر چونکتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"بیٹا میں اور تمہارے پاپا جانتے ہیں کہ تم اور ابیہ اپنی مرضی کے بغیر کسی روک ٹوک کے زندگی گزارنا چاہتے ہو۔ اسی لیے ہم نے بھی آپ پر کوئی بے جا پابندی بھی نہیں لگائی، آپ دونوں کی ہر خواہش پوری کی ہے۔ خاص کر تمہارے پاپا لاکھ برا بھلا کہیں لیکن کبھی آپ دونوں، بہن بھائی کی کوئی خواہش رد نہیں کی۔"

فائقہ نرم خو لہجے میں اس سے مخاطب تھیں اور معاذ نا سمجھی والے تاثرات کے ساتھ ان کو دیکھے جا رہا تھا۔

"مما سب خیریت ہے؟" بالآخر وہ بولا۔

"بیٹا! اللہ کے ڈر کے بعد لڑکی پر باپ اور بھائی کا سب سے زیادہ رعب ہوتا ہے جو اس کو گمراہی سے بچائے رکھتا ہے۔ اس کے دل میں یہ ڈر ضرور ہونا چاہیے کہ باپ یا بھائی بھی اس کی پکڑ کر سکتے ہیں یہ ڈر اس کو غلط نہج پر قدم رکھنے سے روکے رکھتا ہے۔ یہ ڈر ایسا ہے کہ وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ اس کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔" فائقہ محتاط سے لہجے کے ساتھ بول رہی تھیں۔

"سوری مما! میں نہیں سمجھ رہا ہوں آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟" معاذ شش و پنج میں جتلا متحیر نظروں سے ان کو دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"دیکھو بیٹا! ابیہ بڑی ہو رہی ہے ماشاء اللہ کالج جانے لگی ہے لیکن اس میں حد سے زیادہ بچپنا ہے۔ میں سمجھ سکتی ہوں اس عمر میں لڑکیاں ایسی ہی لاابالی طبیعت کی ہوتی ہیں لیکن بیٹا جب تک ایک رعب، ایک دبدبہ نہ ہو ناں تو یہی عادتیں پختہ ہوتی جاتی ہیں اور پھر مسئلوں کو جنم دیتی ہیں۔"

"مما! میں سچ میں نہیں سمجھ پا رہا ہوں آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں پلیز آپ کھل کر بات کریں، ابیہ سے شکایت ہے آپ کو؟" وہ سوالیہ نظروں سے ان کے الجھن آمیز تاثرات کو جانچتے ہوئے ان کے ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"نہیں ابیہ سے نہیں تم سے اور تمہارے پاپا سے شکایت ہے۔" وہ پھر اسی لب و لہجے میں گویا ہوئیں۔

"واٹ! ہم نے کیا کیا ہے؟ لیکن آپ تو ابیہ کی بات کر رہی ہیں ناں مما؟" وہ حیران ہی تو ہوا تھا۔

"تم نے ابیہ کو چھ ہزار روپے دیے پاپا سے لے کر لیکن نہ تم نے اور نہ ہی تمہارے پاپا نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ ابیہ اس رقم کا کیا کرے گی۔"

"او مما! چھ ہزار کوئی اتنی بڑی رقم نہیں کہ اس کی انکوائری ہوتی۔" معاذ متعجب متحیر نظروں سے فائقہ کی بات پر ان کو دیکھتے ہوئے لاپروائی سے بولا تھا۔

"بات بڑی رقم یا چھوٹی رقم کی نہیں ہے۔ بات ان حدوں کی ہے جن کو اس کو پار نہیں کرنا چاہیے۔" فائقہ نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

"بیٹا! خدانخواستہ میں یہ نہیں کہہ رہی ہوں کہ ابیہ کچھ غلط کر رہی ہے یا غلط رستوں پر ہے لیکن بیٹا کچھ جگہوں پر حد بندی ضروری ہوتی ہے۔" فائقہ متفکرانہ انداز میں بولیں۔

"مائی سویٹ مما! آپ فکر نہ کریں ہم دونوں، بہن بھائی لاکھ لاپرواہ سہی، فضول خرچ سہی لیکن آج بھی آپ اور پاپا کے اشاروں پر چلتے ہیں۔" معاذ، فائقہ کو اپنے ساتھ لگائے ہوئے شرارت سے بولا۔

"تم اور تمہارے باپ سے تو کچھ کہنا ہی بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔" فائقہ اس کو پیچھے کرتے ہوئے قدرے تلخی سے بولیں۔

"مما! اچھا آپ ناراض نہ ہوں میں ابیہ سے پوچھوں گا۔" وہ ان کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

"اب کیا فائدہ ایہ باتیں پہلے سوچنے کی ہوتی ہیں۔ نیکسٹ ٹائم احتیاط کرنا۔ آجاؤ اب کھانا تیار ہے۔" وہ اسی سنجیدگی سے کہتی باہر نکل گئیں تو معاذ بھی کچھ سوچنے لگا۔

☆......☆

"پاپا! یہ ٹرائی کریں۔ لاب دار چکن، تیور سیپی۔" ایبہ، سالار کے سامنے سالن کا ڈونگا رکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے پہلے فائقہ کو دیکھا اور پھر سالار کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"یہ تم نے بنایا ہے؟" سالار بشاش لہجے میں اس سے پوچھنے لگے۔

"نہیں مما نے بنایا ناں۔" ایبہ اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھتے ہوئے ان کو اطلاع دینے لگی۔

"ہاہا! اچھا وہ بھی بہت مزیدار ہے۔" سالار نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولے۔

"السلام علیکم!" معاذ فریش ہوکر ٹیبل پر آیا۔

"وعلیکم السلام!" سالار نے نظریں اٹھا کر اس کو دیکھا۔ وہی مخصوص معروف انداز، موبائل والٹ اور گاڑی کی چابیاں ڈائننگ ٹیبل پر رکھیں، گلاس میں پانی ڈالا جلدی جلدی دو چار گھونٹ لیے اور کھانا کھانے لگا۔ فائقہ نے سالار کی اس پرتگی نظروں کو بغور دیکھا تھا لیکن وہ متوجہ نہ تھا۔

"عریشہ حماد کو جانتے ہو بیٹا؟" وہ دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس سے مخاطب تھے تو اس نے ان کو دیکھا۔

"عریشہ حماد۔" اس نے زیر لب یہ نام دہرایا۔

"نہیں تو پاپا! میں نے تو پہلی بار یہ نام سنا ہے۔" وہ نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔ فائقہ اور ایبہ بھی چونکیں تھیں۔

"اہم اچھا۔" مختصر اجواب کے بعد سالار اورنج جوس گلاس میں ڈالنے لگے تو معاذ نے ایبہ کی طرف اشارہ سے پوچھا لیکن وہ بھی تو لاعلم تھی کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

"پاپا کون ہے یہ عریشہ حماد؟" اب ایبہ ان سے پوچھنے لگی تھی۔

"عریشہ حماد! تین مہینے پہلے میرے آفس میں آئی تھی۔ جاب کے لیے کل وہ گھر آرہی ہے معاذ سے ملنے کے لیے۔" سالار انتہائی سرسری انداز میں ان تینوں کو بتا رہے تھے۔

"مجھ سے ملنے کے لیے؟" معاذ تقریباً چیخا تھا۔

"پاپا! میں قسم کھا سکتا ہوں میرا کسی کے ساتھ کوئی افیئر نہیں۔" عریشہ کے ذکر پر پہلی بات جو اس کے ذہن میں آئی تھی وہ یہی تھی کہ اس پر کوئی الزام لگایا جارہا ہے۔

"میں نے کب کہا کہ تمہارا افیئر چل رہا ہے؟" سالار صدیقی اطمینان سے بولے۔

"عریشہ حماد سے میں بھی مل چکی ہوں بہت اچھی بچی ہے۔" فائقہ کے بولنے پر سالار مسکرانے لگے۔ ایبہ اور معاذ ابھی عریشہ کے نام سے انجان تھے۔ نہ کبھی پہلے اس کا ذکر گھر میں ہوا تھا۔

"عریشہ حماد کو میں نے اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔" سالار صدیقی کے الفاظ نے معاذ کو گنگ کردیا۔

"واٹ ...... بہو؟" معاذ کے الفاظ نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

"دیکھو بیٹا! کسی قسم کا کوئی شور نہیں چاہیے مجھے، عریشہ ہمارے گھر کے لیے ہر لحاظ سے اچھی ہے اور میں نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے اور ہاں شہیر اور بسمہ بھی آرہے ہیں۔ تم ان کو کل صبح دس بجے پک کرلینا۔" سالار صدیقی کا اطمینان قابل دید تھا۔ ایبہ ہونقوں کی طرح سالار اور معاذ کو دیکھے جارہی تھی جب کہ فائقہ آرام سے بیٹھی کھانا کھانے میں مشغول تھیں یوں جیسے ان کا اس سب سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

"پاپا! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" معاذ ابھی تک شاکڈ تھا۔

"کل صبح شہیر اور بسمہ کو ایئرپورٹ سے پک کرنا ہے اور شام کو عریشہ حماد سے ملاقات کرنی ہے۔" سالار اسی اطمینان سے بولے۔

"پاپا! شہیر اور بسمہ کو میں پک کرلوں گا لیکن یہ عریشہ حماد، سوری پاپا میں عریشہ حماد سے نہیں مل رہا ہوں۔" وہ زچ ہوتے ہوئے بولا۔

"بیٹا! میں نے آپ کو بتایا ہے کہ آپ نے عریشہ سے ملنا ہے۔" سالار ٹھہرے لیکن مضبوط دو ٹوک لہجے میں اس کو اپنا فیصلہ سنا رہے تھے۔

"لیکن پاپا! مجھے عریشہ سے ملنے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اس سے ملنے سے پہلے میں شادی کے لیے ہامی نہیں بھر سکتا۔ اس طرح تو آج کل لڑکیوں کی بھی شادی نہیں ہوتی میں نہیں کرسکتا۔"

"وہ ہمارے گھر اسی نیت سے آرہی ہے کہ وہ اس گھر کی بہو ہے۔" سالار بغیر اس کی طرف دیکھے بنا اس کے کسی اعتراض کا نوٹس لیے اس کو بتانے لگے۔

"وہ تمہیں اچھی لگے گی ہر لحاظ سے۔" سالار پانی پیتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کو اطلاع دینے لگے تو معاذ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"آج تک میں نے تمہاری ہر بات مانی ہے۔ ہر خواہش پوری کی ہے۔ میں ایک جوان پڑھے لکھے بیٹے کے ہونے کے باوجود سب کچھ اکیلے کرتا آیا ہوں، کبھی کسی بات کی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔ تم نے بزنس میں انٹرسٹ نہ لیا میں نے مجبور نہیں کیا، تو کیا میں اتنا سا فیصلہ نہیں کرسکتا تمہارے لیے؟" سالار چیئر سے ٹیک لگائے ہوئے دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے اس سے مخاطب تھے۔

"اتنا سا فیصلہ! پاپا آپ جانتے ہیں یہ اتنا سا فیصلہ نہیں ہے۔ آپ میری کوئی بات نہ مانیں لیکن میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتا۔" ان کا اطمینان معاذ کو تھے سے اکھاڑ رہا تھا۔ فائقہ بھی حیران تھیں کہ آناً فاناً اتنا بڑا فیصلہ کیسے کرلیا سالار نے اور ایبہ کو اپنے ہول اٹھنے لگے۔ اگر معاذ کی شادی اس طرح طے ہو سکتی ہے تو اس کی بھی ہوسکتی ہے اس کی ساری ہمدردیاں معاذ کے ساتھ ساتھ اپنے لیے بھی تھیں۔

"عریشہ سے ملنے اس سے بات کرنے کے بعد تم ایسا نہیں کہو گے اور میرے فیصلے کی داد دو گے۔" سالار نے گویا بات ختم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ معاذ نے فائقہ کی طرف دیکھا تو انہوں نے نظروں ہی نظروں میں اس کو خاموش رہنے کا کہا۔ تو معاذ مزید ایک لقمہ لیے بنا وہاں سے اٹھ گیا۔

READINGCORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

"آپ اتنا بڑا فیصلہ لینے سے پہلے ایک بار اس سے بات تو کر لیتے یا کم از کم مجھے تو بتا دیتے۔" فائنہ برتن سمیٹتے ہوئے نہایت سرسری انداز میں سالار سے مخاطب تھیں۔ ان کے اس انداز اور اتنے بڑی بات کو اتنا سرسری لینا اس فیصلے کو مشکوک بنا رہا تھا۔ ابیہ کچھ سوچتی ہوئی اٹھی تھی کہ کل بسمہ کی آمد پر خوب ہلہ گلہ کرے گا آخر اتنے عرصے بعد وہ آ رہی تھی۔

☆---☆

"عریشہ حماد۔" وہ اپنے کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلتے انتہائی نفرت سے اس سے مخاطب ہوا۔

"تمہاری قسمت بہت اچھی ہے عریشہ حماد جو اس وقت تم میرے سامنے نہیں ورنہ....." وہ دانت پیستے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔

"نہ جانے یہ مصیبت کہاں سے نازل ہو گئی۔ آج سے پہلے تو کبھی اس کا ذکر نہیں سنا اور یہ آج اس روپ میں سامنے آئی کہ....." اس کا طیش کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔

"بھائی!" ابیہ کی مدھم آواز پر وہ ادھر ادھر گھومنا ترک کر گیا تھا۔

"کیا ہے اب تمہیں؟" وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

"شش بھائی!" وہ اس کو اونچی آواز میں بولنے سے باز رکھتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

"بھائی! پوائنٹ ٹو بی نوٹیڈ۔ بھائی آپ نے کچھ سوچا ہے؟ غور کیا ہے پاپا کے فیصلے کے بارے میں؟" ابیہ رازدارانہ انداز میں اس سے مخاطب تھی۔

"کیا مطلب؟" معاذ متعجب نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بھائی پہلا پوائنٹ، عریشہ حماد کون ہے، کوئی بھی نہیں جانتا۔ مما اس کو کہاں ملیں کہ مما نے بولا کہ بہت پیاری بچی ہے؟" ابیہ کڑیاں ملاتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"دوسرا پوائنٹ پاپا نے آپ کی شادی طے کر دی۔ مطلب اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی لیکن مما کو بھی نہیں انوالو کیا، ایسا کیوں؟" ابیہ کے دوسرے پوائنٹ پر معاذ چل کر بیڈ پر بیٹھ گیا جب کہ اب ابیہ ادھر ادھر چہل قدمی کرتی ہوئی پرسوچ انداز میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" معاذ نے اس کی طرف دیکھا۔

"اور تیسرا پوائنٹ بھائی! عریشہ حماد ہمارے گھر کیوں آ رہی ہے۔ آئی مین اصولی طور پر تو اس کے پیرنٹس کو آنا چاہیے ناں؟" ابیہ اپنی ٹینشن میں معاذ کے معاملے کی کڑیاں ملا کر مطمئن ہو رہی تھی۔

"ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" معاذ کے ماتھے پر سوچ سلوٹیں ابھری تھیں۔

"تو سوچو ناں مائی ڈیئر برادر۔" ابیہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پرجوش انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔

"پاپا نے عریشہ سے بات کی کہ میری بہو بن جاؤ اور وہ مان گئی، بنا آپ کو دیکھے، ملے بغیر۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟" ابیہ ایک اور کڑی ملا رہی تھی۔

"ہاں یہ تو سوچنے والی بات ہے ناں۔" معاذ، ابیہ کی طرف سے اس عقلمندی کے مظاہرے پر حیران ہو

رہا تھا۔

"کمال ہے یہ سب میں نے کیوں نہ سوچا؟" معاذ زیر لب بڑبڑایا۔

"تو سوچو ناں بھائی! مجھے تو لگتا ہے یہ مما اور پاپا کی آپ کو سدھارنے کی کوئی چال ہے۔" ابیہ پھر گویا ہوئی۔

"واٹ؟ کیا مطلب میں بگڑا ہوا ہوں کیا؟" معاذ نے ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا۔

"بھائی میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ بگڑے ہوئے ہو۔ میں نے یہ کہا کہ آپ کو سدھارنے کی چال ہے۔" ابیہ شریر مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے بولی۔

"مطلب تو وہی ہوا ناں۔" معاذ اس کے لفظوں کے ہیر پھیر پر اس کو گھورنے لگا تھا۔

"اف بھائی! اس وقت مطلب وطلب کو چھوڑو ناں، یہ سوچو کہ عریشہ کو کیسے ہینڈل کیا جائے۔"

"کل آئے گی تو دیکھا جائے گا۔" معاذ بے بسی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے تو لگتا ہے عریشہ نامی کوئی مخلوق ہے ہی نہیں یہ صرف پاپا کی دھمکی ہے۔" ابیہ پھر بولی۔

"دھمکی..... کیسی دھمکی؟" معاذ چونکا تھا۔

"آپ کو آفس میں انوالو کرنے کی۔ آپ دیکھ لینا پاپا نے کہنا ہے ٹھیک ہے عریشہ سے شادی نہ کرو لیکن کل سے آفس آؤ سارا بزنس سنبھالو۔" ابیہ اس کو دیکھتے ہوئے ایک نیا پہلو سامنے لائی تھی تو معاذ نے اس کو دیکھا۔

"تمہیں کیسے پتہ؟" معاذ نے مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مجھے نہیں پتا بھائی! لیکن آپ خود سوچیں ناں دو دن پہلے تک تو آپ کی شادی کا کوئی پلان نہیں تھا۔ یہ اچانک عریشہ حماد کہاں سے آ گئی؟" ابیہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی اس سے پوچھتی اس کو مزید الجھانے لگی۔

"تم کس کی طرف ہو؟" معاذ اس کی طرف دیکھتا پوچھنے لگا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"آپ کی طرف ہی ہوں میں تو۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"کیا مطلب؟" وہ ابرو اچکا کر بولا۔

"بھائی! آپ میری نیت پر شک کر رہے ہو؟" وہ برا مناتے ہوئے بولی۔

"شک نہیں کر رہا ہوں لیکن یہ سارے پوائنٹس تمہارے ذہن میں کیسے آئے یہ ضرور سوچ رہا ہوں۔" معاذ سے ابھی تک ابیہ کی ذہانت ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"اب آپ کو کیسے بتاؤں بھائی کہ اپنی جان بچانے کے لیے آپ کو اس کھڑے سے نکالنا ضروری ہے۔" ابیہ کی خود کلامی معاذ تک نہ پہنچ سکی۔

"آپ سوچتے تو آپ کے ذہن میں بھی یہ سب ضرور آتا لیکن آپ تو صرف عریشہ کے خلاف خیالی محاذ آرائی ہی کیے جا رہے ہیں۔" وہ نروٹھے لہجے میں اس کی سوچ پڑھتے ہوئے گویا ہوئی تو معاذ بھی سوچنے لگا۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"تو اب کیا کرنا چاہیے۔ صبح پاپا سے کہہ دوں کہ مجھے عریشہ سے شادی نہیں کرنی میں کل سے آفس آجاتا ہوں۔" چند پل کی خاموشی کے بعد وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا پوچھنے لگا۔

"اگر آپ یہ کہہ دیں گے کہ آپ آفس جا رہے ہیں پاپا کی ہیلپ کر رہے ہیں تو پھر عریشہ حماد والا سیکرٹ کیسے سامنے آئے گا؟" ابیہ پھر بولی۔

"اہم..... پھر؟"

"میرے خیال میں کل تک انتظار تو اب کرنا ہی پڑے گا۔ عریشہ حماد کی آمد کے بعد ہی فائنل کر سکتے ہیں کہ پھر کیا ہونا چاہیے۔" ابیہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ رہی تھی کہ عریشہ حماد واقعی کوئی ہے یا سالار صدیقی کی دھمکی کا نام عریشہ حماد ہے۔

"ہاں یہ تو ہے۔ ایک بات اور۔" معاذ کے ذہن میں سوچوں کے در وا ہوئے تھے۔

"کون سی بات؟" ابیہ نے چونک کر دیکھا۔

"اگر میں آفس جاتا ہوں تو عریشہ حماد تو وہاں ہی ہوگی ناں؟" معاذ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"ہاں تو؟" ابیہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"تو یہ کہ یہ پتہ چل جائے گا ناں کہ عریشہ حماد اصل میں کوئی لڑکی ہے کہ یہ صرف پاپا کا پلان ہے مجھے آفس بلانے کا۔"

"بھائی!" ابیہ دانت پیس کر بولی تو اس نے حیرت سے اس کو دیکھا۔

"اب پاپا نے اتنی بڑی بات کی ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کی ہوگی ناں۔" ابیہ اس کی طرف رخ موڑتے ہوئے بولنے لگی تھی۔

"آف کورس بھائی عریشہ حماد آفس میں ہوگی لیکن کیا وہ اس قابل ہوگی کہ پاپا آپ کی شادی کروا دیں اس سے؟" ابیہ مسلسل سوچے جا رہی تھی۔

"ابھی دس منٹس پہلے تو تمہارا یہ پوائنٹ تھا کہ تمہیں شک ہے کہ عریشہ حماد نامی کوئی مخلوق ہے بھی کہ نہیں اور اب کہہ رہی ہو کہ وہ اصل میں ہوگی۔" معاذ الجھا ہوا اس سے بولا۔

"دیکھیں بھائی! اوا پوائنٹ از۔" ابیہ اس کے تیز لہجے کا نوٹس لیے بغیر بولی۔

"عریشہ حماد پاپا کے آفس میں ہوگی لیکن کیا وہ ایسی ہوگی کہ پاپا محض تین مہینے میں یہ ڈیسائیڈ کر لیں کہ وہ ہمارے گھر کی بہو بنے گی؟" ابیہ اس سے پوچھنے لگی تو وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"ڈیفنگلی ناٹ بھائی!" وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"پاپا نے آپ کو آفس بلانا تھا اس لیے پاپا نے اس کے نام کا سہارا لیا۔ اب آپ آفس جاتے ہی اس سے یہ تو نہیں جا کر کہیں گے ناں کہ تم عریشہ حماد ہو جو مجھ سے شادی کرو گی؟ اور پھر....."

"تمہارا پوائنٹ کیا ہے؟ میں آفس جاؤں کہ عریشہ حماد سے شادی کروں؟" معاذ پہلے تو عاجزی سے اس کی باتیں سنتا رہا لیکن اب اس کی بات کا کوئی سر پیر نہ مل رہا تھا تو وہ زچ ہوتے ہوئے بولا۔

"آپ کی مرضی جو مرضی ہے کرو۔ میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی کہ..... خیر رہنے دو، آپ جانو پاپا جانیں یا پھر عریشہ حماد۔ سانوں کی۔" وہ اٹھتے ہوئے لاپروائی سے بولتی اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

"ہاں تمہیں کیا تم جا کر سو جاؤ تاکہ دماغ ٹھکانے آئے پتہ نہیں کیا کیا اول فول میرے دماغ میں ڈالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ فتنہ کہیں کی۔" معاذ اس کی لاپروائی پر غصے سے بولا۔

"ہاہا، آپ تو جیسے بڑے صلح جو ہو ناں ایک تو میں آپ کی مدد کر رہی ہوں اس پر فتنہ بھی مجھے ہی بولا جا رہا ہے۔" وہ حقیقتاً برا مناتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں تو اور کیا اچھا بھلا میں نے پلان ترتیب دے لیا تھا عریشہ حماد سے نمٹنے کا۔ خواہ مخواہ آ کر سب پروگرام چوپٹ کر دیا ہے۔" معاذ نروٹھے لہجے میں وارڈروب کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

جاتی ہوئی ابیہ نے پلٹ کر دیکھا۔ شوق تجسس پھر بھڑکی لیکن وہ سر جھٹک کر باہر نکل گئی تھی۔

☆.....☆

دوسری صبح اس کی آنکھ عجیب سے شور شرابے اور چہل پہل سے کھلی تھی۔ گہری نیند کے باعث یک لخت آنکھ کا کھل جانا بعض دفعہ سر کو بوجھل کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی کچھ یہی معاملہ ہوا تھا۔ نظر بیڈ کے سامنے وال کلاک پر پڑی تو وہ سوا سات بجا رہی تھی۔ تو کسلمندی سے سائیڈ بدل کر اس نے پھر آنکھیں موندھ لیں لیکن پھر وہ گہری نیند سے محروم رہا۔ آٹھ بجے تک مسلسل کروٹیں بدلتے بدلتے وہ اب اکتا چکا تھا اور باہر سے آتی آوازوں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا تو اس کو بستر چھوڑنا ہی پڑا۔ عادت سے مجبور اٹھتے اٹھتے چارجر پر لگے موبائل پر ایک نظر ڈالنا نہ بھولا تھا۔ موبائل اسکرین پر نظر پڑتے ہی اس کو زبردست دھچکا لگا وہاں جگمگاتے چند حروف نے اس کے اندر کھلبلی مچا دی۔

"واٹ؟ ہاؤ از پوسیبل؟" وہ خود کلامی کرتا ہوا موبائل کو ہتھیلی پر مارتا ہوا اس کو دوبارہ چیک کرنے لگا۔ ابھی وہ اسی الجھن میں تھا کہ اس کے کمرے پر ہوتی ناک نے اس کو مزید بوکھلا دیا۔

"معاذ ڈارلنگ! اب تیری خیر نہیں، کچھ کر کچھ سوچ جلدی جلدی۔" بجتے دروازے میں تیزی ہوئی تو وہ خود کلامی کرتا ہوا واپس بستر میں گھس گیا۔ کچھ نیند کی وجہ سے پہلے ہی سر بوجھل تھا کچھ موبائل کے ہندسوں نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔ رہتی کسر اس وقت دروازے پر ہوتی ٹھک ٹھک نے پوری کر دی تھی۔

"اف یہ..... یہ دونوں گھڑیوں میں اتنا فرق کیسے آ گیا۔" وہ ابھی تک بے یقینی میں مبتلا تھا۔

موبائل کی اسکرین پر گیارہ بج کر پچیس منٹس جب کہ وال کلاک اب آٹھ بیس بجا رہی تھی۔ دس بجے تو اس نے شہیر اور بسمہ کو پک کرنا تھا۔ لیکن کسی نے اس کو جگایا کیوں نہیں؟ وہ مسلسل سوچے جا رہا تھا کہ پھر سے دروازے پر ناک نے اس کو ادھر متوجہ کیا اس کا مطلب ہے شہیر اور بسمہ گھر پہنچ چکے ہیں۔ سالار کے عتاب کے لیے خود کو تیار کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بوجھل سر کو تھامتا دروازے کی جانب بڑھا۔

"بھائی!" ابیہ کی مدھم آواز پر اس کو یہ تسلی ہوئی کہ دروازے کے دوسری جانب سالار صدیقی نہیں ہیں۔

"بھائی خیریت تو ہے ناں؟" اس کے دروازہ کھولتے ہی ابیہ تیزی سے اندر داخل ہوئی تشویش ناک انداز میں اس سے استفسار کرنے لگی۔

"مجھے جگایا کیوں نہیں؟" ابیہ کی اوٹ سے وہ باہر جھانکتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا۔

"بھائی آپ تو گھوڑے گدھے بیچ کر یوں سو رہے تھے۔ ہزار بار دروازہ بجایا گیا لیکن آپ..... توبہ توبہ یوں لگ رہا تھا کہ اللہ نہ کرے اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ پھر پاپا کا فرمان جاری ہو گیا سویا رہنے دو اس نالائق کو۔ تو ہم مجبور ہو گئے اور آپ کو سویا ہی رہنے دیا ابھی ابھی ماں کی محبت کے سمندر نے ٹھاٹھیں مارا کہ ان کے اکلوتے سپوت کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اتنی دیر تک تو پہلے کبھی نہ سویا تو بابدولت تشریف لے آئی۔" ابیہ شاہانہ انداز میں اس کو بتانے لگی۔

"ہاں سر درد کر رہا ہے اس لیے نہ اٹھ سکا۔" وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بے دلی سے بولا۔ تو ابیہ نے اس کے بوجھل انداز اور سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھا۔

"اچھا بھائی آپ فریش ہو جائیں۔ ناشتہ کر لیں پھر پین کلر کھا لیں۔ شہیر اور بسمہ آ گئے ہیں۔" وہ فکرمندی سے اس سے مخاطب ہوئی تو وارڈ روب سے ٹاول نکالتے معاذ نے اسے دیکھا۔

"پاپا کدھر ہیں؟"

"وہ شہیر کے ساتھ آفس گئے ہیں بسمہ مما کے پاس ہے اور ابیہ آپ کے سامنے۔" وہ شرارت سے چہکی تھی۔

"واٹ، شہیر بھی آفس چلا گیا مجھ سے ملے بغیر۔" وہ متعجب لہجے میں چیخا تھا۔

"وہ تو ملنا چاہ رہا تھا پاپا نے منع کر دیا تھا کہ آپ کی نیند ڈسٹرب ہو گی۔" ابیہ لفظ بہ لفظ ویسے بولی جیسے سالار نے کہا تھا۔

"فٹافٹ جاؤ اب چائے بناؤ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔"

"ہاہاہا میں نا اسٹیٹمنٹس میں بے ایمانی نہیں کرتی۔ پیغامات کو لفظ بہ لفظ ویسے ہی پہنچاتی ہوں جیسے بیان کیے گئے ہوں۔" ابیہ ڈھٹائی سے بولی۔ تو معاذ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"بھائی اچھی سی شرٹ پہننا مجھے لگتا ہے پاپا اور شہیر اب عریشہ حماد کو ہمراہ لے کر ہی لوٹیں گے۔" ابیہ جاتے جاتے پلٹی تھی اور اس سے پہلے معاذ ٹاول کا گولہ بنا کر اس کی طرف پھینکتا وہ وہاں سے بھاگ گئی۔

☆.....☆

"رئیلی سوری یار! قسم سے انکل کے کہنے پر گیا تھا۔ ورنہ تم تو جانتے ہو ناں میں تمہارے ساتھ ایسی غداری ہرگز نہیں کر سکتا۔" شہیر آفس سے واپس آیا تو معاذ نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا جس پر وہ اس کو منا رہا تھا۔

"ہاں ہاں جانتا ہوں۔ تم تو بہت ستی ساوتری ٹائپ کا چیلہ ہو ناں پاپا کے۔" وہ اسی نروٹھے اکھڑے مزاج کے ساتھ اس کے روبرو تھا۔

"ہاہاہا نہیں خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، ہماری تو بد معاشیاں بھی اسی تواتر سے قائم ہیں۔" شہیر

ہنستے ہوئے آنکھ دبا کر بولا۔

"اچھا۔" معاذ ہنس کر اس کی طرف بڑھا۔ پل بھر میں ان کی وہی شوخیاں عروج پر تھیں۔ شہیر اور بسمہ دونوں بہن بھائی فائقہ کے چچیرے بھائی عبدالرحمن اور عتیقہ کی اولادیں تھیں۔ سالار صدیقی کی لاہور والی برانچ میں عبدالرحمن پینتیس پرسینٹ کے پارٹنر تھے۔ جس کی زیادہ باگ ڈور شہیر نے ہی سنبھال رکھی تھی۔ یوں ہر تین مہینے کے بعد وہ ساری رپورٹس نفع و نقصان کی ساری تفصیلات سالار صدیقی کو دینے آتا تھا۔ بسمہ، ابیہ سے تین سال چھوٹی تھی لیکن دونوں کی خوب دوستی تھی۔ ابیہ اپنی الہڑ نیچر کے باعث شہیر سے بھی ہنسی مذاق میں آگے آگے تھی اور یوں ان کی بھی دوستی ہوتی چلی گئی۔ ابیہ کی شوخیوں اور من مانیوں کو شہ دینے میں شہیر کا بھی ہاتھ تھا۔ یوں ان چاروں کی آپس میں الگ الگ ٹائپ کی دوستی تھی۔ شہیر جب جب کراچی آتا ابیہ بہانے سے بسمہ کو بھی بلا لیتی تھی۔ یوں یہ سلسلہ چلتا چلا جا رہا تھا۔

"شہیر ایک بات تو بتاؤ۔" وہ دونوں باہر جا رہے تھے کہ گاڑی کا ڈور ان لاک کرتے ہوئے معاذ اس سے مخاطب ہوا۔

"جی جی حکم کرو سرکار۔" شہیر اپنے مخصوص چلبلے پن میں بولا۔

"عریشہ حماد کو تو جانتے ہو ناں تم؟" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ اس کی طرف والا لاک کھول کر ڈور کھولتے ہوئے اس سے استفسار کرنے لگا۔

"عریشہ حماد کون؟" شہیر متحیر نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم عریشہ حماد کو نہیں جانتے؟" معاذ چونکا تھا۔

"بھائی! مجھے تو لگتا ہے عریشہ نامی کوئی مخلوق ہے ہی نہیں یہ صرف پاپا کی دھمکی ہے۔" دوسرے پل ابیہ کی باتیں اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

"اگر عریشہ سچ میں کوئی لڑکی ہوتی تو شہیر تو باخبر ہوتا ناں یہ تو آفس میں آتا جاتا ہے اور اسٹاف میں کون کون شامل ہے اس کو تو خبر ہونی چاہیے ناں، تو اس کا مطلب ہے ابیہ کی بات ٹھیک تھی۔"

"عریشہ حماد کہیں تم اس عریشہ کی بات تو نہیں کر رہے جو انکل کے آفس میں کام کرتی ہے؟" شہیر ذہن پر زور دیتا ہوا اس سے پوچھنے لگا تو وہ جو ابیہ کی باتوں پر اس کی سمجھ کی داد دے رہا تھا پل بھر میں بدمزہ ہوا۔

"ہاں ہاں وہی۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بے دلی سے بولا۔

"سنا ہے وہ بہت اچھی ہے، بہت ہارڈ ورکنگ ہے۔ ویسے تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" شہیر صاف گوئی سے بولتا اس کی طرف مڑا تھا۔

"اس لیے کہ تمہارے چہیتے انکل نے اسے اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔" وہ تپ کر بولا تو شہیر ہکا بکا رہ گیا۔

"رئیلی! یہ کیسے ہوا؟" شہیر کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"ہاں رئیلی۔ لیکن مجھے نہیں پتہ کہ کیسے ہوا۔" معاذ گاڑی کو مین روڈ پر چڑھاتے ہوئے اسی بے زار

http://readingcornerpk.blogspot.com/

انداز میں اس کو بتا رہا تھا۔

"کیا مطلب تمہیں نہیں پتا؟"

"مطلب یہ کہ کل شام کھانے کی ٹیبل پر پاپا نے اپنا فیصلہ سنایا تھا اور بتایا تھا کہ آج شام کو عریشہ گھر آ رہی ہے مجھ سے ملنے کے لیے۔" معاذ سی ڈی پلیئر میں سی ڈی ڈالتے ہوئے اس کو آگاہ کر رہا تھا۔ جب کہ وہ بیوقوفوں کی طرح اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"اچھا، ویل آئی ایم شیور وہ اچھی ہو گی۔" شہیر اس کو تسلی دینے لگا تھا۔

"شکریہ۔" معاذ کاٹ دار لہجے میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو پل بھر میں شہیر کا قہقہہ اس کو مزید تپا گیا۔

"دیساں دا راجہ، میرے بابل دا پیارا، امڑی دے دل دا سہارا اور میرا گھوڑی چڑھیا۔"

"ستھے دے چکن وال میرے بنڑے دے۔" شہیر باقاعدہ تالیاں بجاتے ہوئے گاتا ہوا اس کو مزید طیش دلا رہا تھا۔

شہیر پر اس کی کڑی نظروں کا کوئی اثر نہ ہو رہا تھا۔

"اب اگر ایک لفظ بھی اور بولا ناں تو میں گاڑی کہیں دے ماروں گا یا تجھے باہر دھکا دے دوں گا۔" ڈرائیونگ کرتے کرتے معاذ دانت پیس کر بولا اور ساتھ ہی ایکسیلیٹر پر پاؤں دبایا تو شہیر کو مجبوراً اپنے گیتوں کا سلسلہ بند کرنا پڑا۔

☆......☆

شام کی گیدرنگ تھی۔ سب لوگ آرام سے بیٹھے تھے۔ شہیر اور سالار صدیقی کسی فائل کو کھولے بیٹھے تھے۔ اسی پر ڈسکس کر رہے تھے۔ ابیہ اور بسمہ الگ بیٹھی سرگوشیوں میں مصروف تھیں۔ فائقہ ٹیبل پر رکھی ڈرائی فروٹ کی ٹرے کو سیٹ کر رہی تھیں لیکن وہ تھا کہ بے چینی سے پہلو بدلتا جا رہا تھا۔ ریموٹ پر بار بار چینل بدلتے وہ مسلسل عریشہ حماد کے بارے میں سوچے جا رہا تھا کیوں کہ سالار کے ساتھ وہ نہیں آئی تھی اور ابھی اندھیرا پھیلنے کو تھا۔ اس کا مطلب ہے وہ نہیں آئے گی؟ کسی سے پوچھ بھی نہ سکتا تھا۔ وہ بور اور مایوس ہو چکا تھا اور وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ سالار صدیقی کے بجتے فون نے اس کو ادھر متوجہ کیا۔

"اچھا اوکے ٹھیک ہے۔" ان تین لفظوں کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا اور چند منٹوں کے بعد اٹھ کر باہر چلے گئے۔ تو شہیر بھی فائل سمیٹ کر سائیڈ پر رکھنے لگا اور اٹھ کر اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔

"چپ چپ بیٹھے ہو ضرور کوئی بات ہے۔" تفتیشی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے شہیر شرارت سے بولا۔

"پلیز اب کوئی بکواس نہ شروع کرنا میرا موڈ نہیں اس وقت۔" معاذ کے جارحانہ انداز کو شہیر نے بڑی گہری نظروں سے دیکھا تھا اور مزید ایک لفظ بولے بنا اٹھ کر ڈرائی فروٹ ٹرے سے بادام اٹھاتا ہوا ابیہ اور بسمہ کو جوائن کرنے لگا۔

"سوری یار!" معاذ، شہیر سے مخاطب ہوا۔

"اٹس اوکے میں سمجھ سکتا ہوں اس وقت تمہارے دل کی حالت۔" شہیر آنکھ دباتے ہوئے بادام اس کی طرف پھینکتے ہوئے پھر شریر ہوا تھا۔ تو بادام کیچ کرتے معاذ نے کشن اس کی طرف اچھالا تھا۔ ابھی ان کی کشن فائٹ اسٹارٹ ہونے جا رہی تھی کہ اسی لمحے سالار واپس آئے تو ان کے ساتھ ان سے دو قدم پیچھے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس لڑکی نے معاذ کی سانسیں روک دیں۔ ابیہ نے یک لخت معاذ کی طرف دیکھا، اسی لمحے اس کی نظریں ابیہ سے ٹکرائیں۔ ہاتھ میں پکڑے کشن کو صوفے پر رکھتے ہوئے وہ یک دم سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔

"یہ ہے عریشہ حماد۔" سالار صدیقی، معاذ پر نظریں جمائے ہوئے اونچی آواز میں بولے تو ان کی نظروں سے سٹپٹا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم!" عریشہ دو قدم آگے ہوتی مدھم آواز میں بولی تو سب نے زیر لب اس کے سلام کا جواب دیا سالار اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس کو لے کر آگے بڑھے۔

"عریشہ بیٹا! یہ فائقہ، ان سے تو آپ مل ہی چکی ہیں ناں۔" سالار اس کا انٹروڈکشن کرانے لگے تھے۔ فائقہ آگے بڑھ کر اس سے ملیں تو معاذ نے کھا جانے والی نظروں سے ابیہ کو دیکھا لیکن وہ متوجہ نہ تھی۔

"جی انکل!" وہ فائقہ سے ملتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"اور یہ ابیہ۔" فائقہ اس کا ہاتھ تھامے اس کی دوسری طرف کھڑی تھیں۔ ان کے اس انداز پر معاذ بل کھا کر رہ گیا۔ معاذ کی طرف دیکھتی ابیہ، عریشہ سے ملی۔

"یہ ہماری چھوٹی بیٹی بسمہ اور شہیر کو تو آپ جانتی ہی ہیں ناں۔" بسمہ اس انٹروڈکشن پر خوشی سے پہلے سالار کی طرف بڑھی۔

"تھینک یو انکل!" ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے وہ خوش دلی سے بولی تو سالار ہنس دیے اور پھر وہ عریشہ سے ملی۔

"آپ ہمارے گروپ میں شامل ہو گئی ناں۔" اس سے ملتے ہوئے بسمہ چہکی تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

"اور وہ ہے معاذ۔" سالار، معاذ کی طرف اشارہ کر کے عریشہ کو بتانے لگی تو عریشہ نے مسکرا کر اس کو دیکھا اور سر ہلا کر سلام کیا جب کہ معاذ اتنے روکھے پھیکے تعارف پر بل کھا کر رہ گیا اور پھر وہ سب بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ عریشہ بہت روڈ تھی لیکن ابیہ اور بسمہ کو بور نہیں کر رہی تھی۔ معاذ گاہے بگاہے ایک نظر اس پر ڈال رہا تھا۔ سمپل سی ڈریسنگ، شولڈرز تک بال، جو یقیناً رولنگ کی وجہ سے شولڈرز تک آئے تھے۔ ڈیپ ریڈ لانگ شرٹ جس پر ڈائمنڈز لگے تھے اور بلیک چوڑی دار پاجامہ، بلیک نیٹ کا دوپٹہ جو سر پر پن اپ کیا گیا تھا۔ ملٹی کلر کی موتیوں والی شال کندھوں پر پھیلائی ہوئی تھی۔ میک اپ سے عاری چہرہ اس کو خاص بنا رہا تھا۔ ایک خاص کشش تھی اس میں کہ معاذ کی نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس کا انداز سلجھا ہوا تھا۔

READING CORNER

"لیکن پہلی بار تو گھر آئی ہے اتنا لیے دیے تو رہنا ہی ہے اس کو۔" ایک نیکو سوچ ابھری تھی۔ معاذ نے نوٹ کیا تھا عریشہ نے ایک بار بھی اس کی طرف نہ دیکھا تھا۔ زیادہ تائم ابیہ، بسمہ سے باتوں میں گزرا اور سالار کے ساتھ اس کی کافی دوستی معلوم ہوتی تھی۔

"آپ اپنی دلی کیفیت پر چند جملے کہنا چاہتے ہیں کیا؟" شہیر گم صم سے معاذ کے پاس آکر بیٹھا اور اپنے مخصوص انداز میں اس کو زچ کرنے لگا۔ تو معاذ نے اسے دیکھا۔

"یار کچھ گڑبڑ ہے۔" وہ رازداری سے بولا۔

"کیا مطلب؟" شہیر چونکا۔

"لڑکی کے ماں باپ کو یہ ہی نہیں اور یہ اپنی شادی طے کرتی پھر رہی ہے۔" معاذ کو یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ عریشہ خود اس کے گھر آئی ہے۔

"ہم..... ہاں یہ تو ہے انکل سے پوچھو۔" شہیر نے مشورہ دیا۔

"اور یہ عریشہ اس نے ایک دفعہ بھی میری طرف نہیں دیکھا۔"

"اوہ.....! اچھا اصل پرابلم یہ ہے۔"

"نہیں یار! لیکن جس سے لڑکی کی شادی ہو رہی ہو وہ اس کے بارے میں جاننا یا اس سے ملنا نہیں چاہے گی کیا؟" معاذ واقعی الجھ رہا تھا۔

"ہاں یہ تو ہے ہو سکتا ہے سب کی موجودگی میں وہ جھجک رہی ہو۔" شہیر ان سب کی طرف دیکھتا ہوا اس سے بولا تھا۔

"ہم..... شاید لیکن پھر بھی۔" معاذ مطمئن نہ ہوا تھا۔

اور پھر سب نے مل کر کھانا کھایا۔ عریشہ کا وہی انداز رہا اور معاذ بل کھاتا رہا لیکن نہ جانے کیوں معاذ عریشہ کو ریجیکٹ نہ کر سکا۔

پھر وہ انتظار میں رہا کہ شاید سالار اس کو بولیں کہ اب عریشہ کو گھر چھوڑ آؤ لیکن اس کی اس امید پر بھی سالار صدیقی نے پانی پھیر دیا اور خود ہی عریشہ کو ڈراپ کرنے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی معاذ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆.....☆

"بھائی!" وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا تھا کہ ابیہ کی آواز پر اسی طرح لیٹے لیٹے سر گھما کر اس کو دیکھا تو ابیہ کے ساتھ بسمہ کو دیکھ کر یک لخت اٹھ بیٹھا اور سوالیہ نظروں سے اس کو دیکھا۔

"بھائی عریشہ حماد کیسی لگی آپ کو؟" ابیہ سنجیدگی سے اس سے استفسار کر رہی تھی۔

"اب اتنی سی ملاقات سے میں تو کوئی بھی ڈیسیشن نہیں لے سکتا ناں۔" وہ زچ ہوتا ہوا اکتاہٹ سے بولا۔

"لیکن میرے خیال میں تو انکل نے فیصلہ کر لیا ہے۔" بسمہ، معاذ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"اور بھائی! عریشہ آپی واقعی اچھی ہیں۔" بسمہ بولی تو ابیہ نے بھی سر اثبات میں ہلایا۔

"آہم..... میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ بری ہے لیکن۔" بالوں میں ہاتھ پھنسا کر اس کو سیٹ کرتا ہوا مدد طلب نظروں سے ابیہ کو دیکھا۔

"بھائی! پاپا پوچھ رہے تھے آپ کا ہم آپ کو بلانے ہی آئی تھیں۔" ابیہ کی اطلاع پر گہرا سانس لیتا وہ اٹھ کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔

"پاپا! آپ نے مجھے بلایا تھا۔" کچھ دیر بعد وہ سالار صدیقی کے سامنے ان کی اسٹڈی روم میں کھڑا تھا۔

"ہاں بیٹا آؤ۔" سالار کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ گلاسز اتار کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولے۔

"ہاں تو بیٹا تمہارا کیا خیال ہے؟" اس کے بیٹھتے ہی وہ بغیر کسی تمہید یا اضافی بات کے اس سے پوچھنے لگے۔

"پاپا! اتنی سی ملاقات کے بعد تو کوئی خیال نہیں ہو سکتا ناں۔" معاذ قدرے تنک لہجے میں بولا۔

"لیکن ابھی میں تمہیں اس سے زیادہ ملاقات کی اجازت نہیں دے سکتا۔ عریشہ ایک شریف لڑکی ہے اور میں قطعاً نہیں اجازت دوں گا کہ تم قبل از وقت اس کو ہوٹلوں پارکوں میں لیے پھیرو۔" سالار نے اس کی دکھی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"واہ پاپا! کمال ہے وہ شریف ہے تو میں تو جیسے زمانے بھر کا بدمعاش ہوں ناں۔" معاذ اونچی آواز میں بولا۔

"اپنی آواز کو نیچے رکھو بیٹا میری نرمی میرا پیار ہے کمزوری نہیں۔" سالار کا اطمینان اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"پاپا! میں بزنس جوائن کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن اتنی سی ملاقات کے بعد عریشہ سے شادی نہیں کر سکتا۔" بالآخر اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"میں عریشہ سے کہہ چکا ہوں اب اپنی زبان سے نہیں پھر سکتا۔" سالار دوٹوک الفاظ میں بولے۔

"پاپا! اب آپ زیادتی کر رہے ہیں۔" وہ اب گھبرایا تھا۔

"اور جو لڑکی اپنی شادی خود طے کر رہی ہے اپنے ماں باپ کو انفارم کیے بنا میں....."

"عریشہ کے کردار پر ایک لفظ بھی بولا تو میں بھول جاؤں گا کہ تم میرے اکلوتے بیٹے ہو۔" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی سالار تیزی سے اس کی بات کاٹ کر اس کو وارن کرنے لگے تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ سالار صدیقی نے اس کے احتجاج کے سارے دروازے بند کر دیے تھے۔ تو وہ مجبوراً یا مصلحتاً ان کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا لیکن دل میں محاذ آرائیاں جاری تھیں۔ احتجاج عروج پر تھا اور عریشہ دلہن بن کر صدیقی مینشن میں آ چکی تھی لیکن معاذ کے پلان اس وقت فیل ہونے لگے جب عریشہ اس کو اگنور کرنے لگی۔ جو کچھ اس نے عریشہ کے ساتھ اپنا رویہ رکھنے کا سوچا تھا وہ رویہ عریشہ کا اس کے ساتھ تھا۔ عریشہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ نہ معاذ نے جاننے کی کوشش کی نہ ہی عریشہ نے اس کو بتانے کی۔ عریشہ کا اس

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

سے لاتعلق رہنا اور سالار صدیقی کے ساتھ ساتھ آفس کے معاملات کو ہینڈل کرنا دن بدن بڑھتا جا رہا تھا اور معاذ کو اپنا آپ بے کار لگنے لگا تھا۔ عریشہ سے نفرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو؟" وہ اسٹڈی روم میں بیٹھی کسی فائل پر کچھ نوٹس لکھ رہی تھی کہ معاذ اندر داخل ہوا پچھلے پانچ گھنٹے سے وہ سالار صدیقی کے اسٹڈی روم سے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ان کے وہاں سے قدم باہر پڑتے ہی وہ دبے پاؤں اندر داخل ہوا اور اب اس کے روبرو تھا۔ اس کے جارحانہ انداز پر اس نے سر اٹھا کر اس کو دیکھا لیکن پھر فائل پر جھک گئی۔

"میں تم سے بات کر رہا ہوں عریشہ معاذ صدیقی۔" وہ فائل اس کے سامنے سے کھینچتے ہوئے پھر بولا۔

"میں اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتی۔" وہ اسی محتاط لہجے میں بولی۔

"عریشہ! تم یہاں میری وجہ سے ہو۔" وہ بازو پکڑ کر اس کو کھڑا کرتے ہوئے دانت پیس کر بولا۔

"غلط میں یہاں صرف اور صرف انکل کی وجہ سے ہوں۔" اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کراتی ہوئی وہ اس سے دور ہٹتے ہوئے بولی۔

"لیکن مت بھولو کہ تم میرا نام اپنے نام کے ساتھ جوڑ چکی ہو۔" وہ اپنے جارحانہ تیوروں کے ساتھ ایک بار پھر اس کے قریب ہوا تھا۔

"آپ بھی مت بھولیں کہ یہ جوڑ آپ کی مرضی کے خلاف ہوا تھا۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر اس کو باور کرانے لگی۔

"اور تمہاری مرضی سے ہوا تھا ناں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں، یہ سراسر انکل کی مرضی سے ہوا ہے۔" وہ رخ موڑتی مضبوط لہجے میں بولتی اس کو کم مائیگی کا احساس دلا گئی۔

"کیا مطلب؟" اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تو اس کے ہاتھ میں پکڑے پیپرز نیچے گر گئے۔

"مطلب یہ کہ....."

"کیا ہو رہا ہے یہ....؟" اس سے پہلے عریشہ کوئی وضاحت دیتی سالار صدیقی واپس آ گئے اور نیچے بکھرے پیپرز کو دیکھ کر کرخت لہجے میں پوچھنے لگے تو معاذ نے پلٹ کر ان کو دیکھا اور عریشہ کا بازو چھوڑ کر برق رفتاری سے وہاں سے نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی عریشہ نیچے جھک کر پیپرز اٹھانے لگی تھی سالار نے گہری جانچتی نظروں سے اس کو دیکھا تھا۔

"معاذ! کیا کہہ رہا تھا؟" وہ اپنی چیئر پر بیٹھتے ہوئے سرسری انداز میں اس سے پوچھنے لگے تو وہ سٹپٹا گئی۔

"کچھ بھی نہیں۔" نظریں چراتی وہ مدھم لہجے میں بولی۔ تو سالار صدیقی نے نظریں اٹھا کر اس کو دیکھا۔

"انکل!" سارے پیپرز فائل میں رکھ کر وہ ان کو پکارنے لگی۔ تو انہوں نے خاموش، سوالیہ نظروں

سے اسے دیکھا۔

"کیا یہ سب سچ ہے انکل! آپ معاذ سر سے بات کریں میرے بارے میں ان کو جاننے کا حق ہے۔" وہ ہاتھ مروڑتی ہوئی کسی الجھن کا شکار ہوئی جا رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں یہ شاید صحیح طریقہ نہیں ہے لیکن تم فکر نہ کرو جلد ہی سب کلیئر ہو جائے گا۔" سالار اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر رہے تھے اور اس کو تسلی بھی دے رہے تھے۔

"معاذ سر ابھی بہت غصے میں ہیں انکل۔" عریشہ متفکرانہ انداز میں ان سے گویا ہوئی۔

"میں ہینڈل کر لوں گا بیٹا ڈونٹ وری۔" سالار مسکراتے ہوئے بولے تو اب اس کے پاس کوئی بات نہ رہی تو چند پل وہاں رکے رہنے کے بعد وہ اسٹڈی روم سے باہر نکل گئی۔

☆.....☆

"کیا..... شش..... شادی.....؟" وہ یوں اچھلی جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

"شش شادی نہیں۔ صرف شادی۔" بسمہ مضحکہ خیز انداز میں بولی۔

"لیکن یہ صرف شادی میری کیوں تمہاری کیوں نہیں؟" وہ گھورتے ہوئے اس سے استفسار کرنے لگی۔

"وہ اس لیے مس ابیہ صدیقی صاحبہ کہ آپ مجھ سے بڑی ہیں اور انکل نے فیصلہ کیا ہے کہ پہلے آپ کو رخصت کر دیا جائے۔" بسمہ نے وضاحت دینے کے ساتھ سالار صدیقی کا فیصلہ بھی اس کے گوش گزار کیا تھا۔

"میں تم سے بڑی ہوں لیکن ہوں تو چھوٹی ناں جاؤ جا کر کہہ دو اپنے انکل کو کہ ابیہ صدیقی نے انکار کر دیا ہے۔" ابیہ اچھے خاصے تپے انداز میں اس کو کہنے لگی تھی۔

"نہیں میں تو نہیں کہہ رہی ہوں، نہ ہی تمہارا یہ انکار شدہ پیغام لے کر جا رہی ہوں۔ تم تو بچ جاؤ گی انکل کا لیکچر مجھے سننا پڑے گا۔" بسمہ اس کے بیڈ پر رکھے ویلوٹ کے غلاف کو نزدیک کرتے ہوئے اس سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوئی تھی تو ابیہ نے قہر آلود نظروں سے دیکھا تھا۔

"اور ویسے بھی میں نے ساری پلاننگ کر رکھی ہے۔ معاذ بھائی کی شادی بھی ہنگامی صورت میں ہوئی تھی اب تمہاری پر تو میں اپنے ارمان پورے کروں گی مایوں پر میں ریڈ چوڑی دار پاجامہ، پیرٹ گرین شرٹ اور وائٹ دوپٹہ، مہندی پر گھاگرہ چولی وہ جو بنجارن ٹائپ کی ہوتی ہے ناں۔ شادی پر ہیوی شلوار سوٹ پلین وائٹ اور گولڈن ربن اس کے ساتھ بلیو ڈائمنڈز والی جیولری اور ویسے پر....."

"اوئی اللہ یہ کیا بدتمیزی ہے؟" بسمہ آنکھیں بند کیے اپنی پلاننگ بتا رہی تھی کہ ابیہ نے چپکے سے ہاتھ بڑھا کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا ملک شیک کا گلاس اٹھا کر اس پر انڈیل دیا۔ جس پر وہ تلملا اٹھی۔

"یہ بدتمیزی نہیں۔ جو نیند میں بڑبڑا رہا ہو ناں اس پر پانی گرا کر ہی اس کو جگایا جاتا ہے تب ہی اس کی عقل ٹھکانے آتی ہے۔ اب پانی تھا نہیں اس لیے ملک شیک سے کام چلایا۔" ابیہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"میری عقل ٹھکانے پر ہے تمہاری ہی گھاس چرنے گئی رہتی ہے ہر وقت۔" بسمہ سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کو مزید چڑانے لگی۔

"شادی کے ذکر پر تو بڑا خیال آتا ہے کہ میں تم سے بڑی ہوں لیکن یہ بات ذرا اپنے دماغ اور اس قینچی کی طرح چلتی زبان کو بھی سمجھا دیا کرو کہ میں تم سے بڑی ہوں۔" ابیہ نہ جانے کیوں تپی ہوئی تھی۔ وہاں سے واک آؤٹ کرتی ہوئی ناگواری سے بولی۔

"اچھا سوری..... سوری اچھا معاف کر دو ناں۔" بسمہ اس کی ناراضی برداشت نہ کر پائی تھی۔ تب ہی جھٹ سے اس کے پیچھے لپکی۔

"نہیں چاہیے تمہارا سوری، ہر بار ایسا ہی کرتی ہو اور پھر میں بھی پاگلوں کی طرح تمہارے اس جھوٹے سوری سے خوش ہو کر سب بھول جاتی ہوں کہ کس لہجے میں بات کی تھی لیکن میں بتائے دیتی ہوں میں ابھی کوئی شادی وادی نہیں کر رہی ہوں۔" بات کرتے کرتے وہ یک دم رک کر بولی تو بسمہ جو اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی بمشکل اپنے قدم روک پائی ورنہ اس سے ٹکرا چکی ہوتی۔

"شادی تو کرنی ہے ناں ورنہ میری ساری ڈریسنگ آؤٹ آف فیشن ہو جائے گی۔" بسمہ اس کے سامنے آتی ہوئی بولی اور اس کو گلے لگایا۔

"تم ایسا کرو یہ سارے ڈریسز مجھے دے دو اور تم شادی کرا لو۔ اب اتنی چھوٹی تو تم بھی نہیں ناں۔ میں یہ ڈریسز پہن لوں گی تم یہی سمجھنا تم نے پہنے ہیں اور یہ چاپلوسی بند کرو ہٹو پیچھے۔" ابیہ اپنے آپ کو اس کے حصار سے نکالتے ہوئے بولی۔

"یہ ڈریسنگ تو میرے خواب ہیں ناں جو تمہاری شادی کے لیے آنکھوں میں سجا کے رکھے ہیں۔" بسمہ روتی صورت بنا کر مصنوعی آنسو صاف کرتی اس کو مزید زچ کرنے لگی۔

"ایسے خواب نہیں دیکھنے چاہیے ناں جو پورے نہ ہو سکیں، اب دیکھ لیے تو کوئی بات نہیں میں تمہارے خواب اپنی آنکھوں میں سجا کر رکھ لیتی ہوں لیکن میری شادی کا خیال دل سے نکال دو۔" ابیہ [illegible] انداز میں بولتی اس کو وارن کرنے لگی۔

"خیال ہی نکال دوں لیکن کیوں؟" بسمہ بضد ہوئی۔

"دیکھو بسمہ! میرا دماغ مزید نہ خراب کرو۔ پہلے ہی اس شہیر کے بچے نے میرا بہت نقصان کیا ہے میرا موڈ بہت آف ہے۔" ابیہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"ہیں کیا شہیر بھائی کے بچے۔" بسمہ نے حیرت کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا۔

"اچھا..... اچھا جو کہنا ہے جا کر انکل سے کہو یا آنٹی سے۔" ابیہ نے نظریں ادھر ادھر دوڑائیں تو بسمہ اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے وہاں سے نکل گئی اور جاتے جاتے اس کو سالار کی عدالت میں خود ہی اپنا مقدمہ لڑنے کا مشورہ بھی دے گئی اور ابیہ سر جھٹک کر شہیر کی تلاش میں آگے بڑھ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ)

READINGCORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

صالحہ محمود

ناولٹ

میرے پیار کا اُجلا شہر

محبت، رنگ، پھول، خوشبو کی مانند
ابھی تک مجھے قید رکھتی ہے
نجانے کتنے خوابوں کی اسیری میں
میری حیات قید رہتی ہے

تیرے چند لفظوں نے
میری روح کو قید رکھا ہے

بہت تیزی سے وہ گنگناتی ہوئی کار پارکنگ کی طرف بیگ سے ڈیلف کی طرف جا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی رفتار کم ہوتی گئی۔ اس نے گاڑی پارکنگ لاٹ میں بڑے گرم جوشی سے کار کا دروازہ بند کر کے چابی کی رنگ کو انگلی میں ڈالے ہوئے، گول گول گھماتی ہوئی بلیک رنگ کا لمبے سے اسکرٹ کے اوپر براؤن رنگ کا ٹاپ پہنے، سر پر بلیک رنگ کا Bandhana باندھے وہ اپنے اپارٹمنٹ کی طرف جاتے ہوئے گنگنا رہی تھی۔

تیرے چند لفظوں نے
میری روح کو قید رکھا ہے
اے جانِ جاناں پھر بھی
تو مجھے یاد آتا ہے
کہ میری اسیری تیرے
ہاتھوں کی ریکھا میں لکھی ہے

اس نے لفٹ کا بٹن دبایا کسی کو ہائے کہتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔ اس وقت مما شاور لے کر باہر آئی تھیں۔ ڈیڈا بھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ ابھی وہ بیٹھنے ہی والی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو!“ دوسری طرف سے کوئی مانوس سی آواز سنائی دی۔

”آئی ایم کیرا!“ اس کے بعد کیا ہوا، اسے خود نہیں معلوم تھا۔ آواز بہت قریب سے آئی تھی۔ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ وہ بغیر سنے ہوئے صوفے پر گری تھی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

ممانے بڑھ کر جلدی سے ریسیور اٹھایا تھا۔
"ہیلو۔۔۔ ہیلو۔۔۔" لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔
"رامین کون تھا؟" ممانے چہرے کی طرف غور سے دیکھا تھا۔
"مما! کبیر۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔ چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ گویا تھک کر چور چور ہوگئی ہے اور پھر کوئی سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔
"واٹ نانسینس۔" ممانے پیار سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ جو صوفے سے ٹیک لگائے گم صم سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ گویا وہ وان گاک کا منتشر شاہکار ہے، پینٹنگز ہے، جس کو جس زاویے سے بھی دیکھو وہ منتشر ہی نظر آئے گی۔ رامین کی زندگی بھی ایسے ہی ایک زاویے پر آکر اٹک گئی تھی۔ ہر چند کہ وہ ہالینڈ میں ہی پلی بڑھی تھی لیکن ایک حادثہ اس کی زندگی میں ایسا آیا۔ جب اسے احساس ہوا کہ وہ کبیر کو بے حد پسند کرتی ہے۔
کبیر کوئی اتنا غیر بھی نہیں تھا۔ اس کے ڈیڈ کے دوست کا بیٹا کبیر حسام اور ان کی فیملی پاکستان میں سیٹل تھی۔ جبکہ ان کے بچپن کے دوست ولید حیدر ہالینڈ میں اپنی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ حسام اور ولید بہت ہی قریبی دوستوں میں سے تھے۔ سال میں ایک بار یعنی عید کے موقعے پر رمضان گزارنے کے لیے ولید حیدر پاکستان ضرور آتے تھے اور ایک ماہ کی چھٹیاں وہ حسام رضوی کے یہاں گزارتے تھے۔ رامین، علی اور حماد ساتھ ہی ہوا کرتے تھے۔ کبیر، دانیہ اور عزہ حسام رضوی کے بچے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا حماد ان دنوں امریکہ میں تھا۔ اس بار ولید حیدر پاکستان آئے تھے اس امید کے ساتھ کہ وہ اپنا بچپن کا وعدہ دوستی سے رشتے داری میں تبدیل ہوجائے۔ حماد اور دانیہ کی انگیج منٹ کریں گے یا پھر نکاح لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔ عین چاند رات کے دن حماد نے فون پر دانیہ کو سوری کہہ کر فون بند کردیا تھا کہ وہ یہاں امریکہ میں شادی کرچکا ہے۔ ساری عید کی تیاریاں ایک پل میں سوگواری میں ڈوب گئیں۔ ولید حیدر، حسام رضوی کے سامنے شرمندہ تھے۔
طے تو یہی ہوا تھا کہ صرف حماد اور دانیہ کا نکاح ہوگا۔ تاکہ دونوں فیملی ایک دوسرے سے اور قریب آجائیں لیکن اچانک اس سانحے کے بعد کبیر کے اندر اچانک ایک تبدیلی آئی تھی۔
"پاپا! اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ میں ہوں نہ میں رامین سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے ایک ایسا سرپرائز دیا تھا جس سے سب خوش تو ہوگئے تھے۔ لیکن ماں کو اور رامین کو خود یہ بات معلوم تھی کہ وہ اپنی ایک کلاس فیلو ایمان کو بے حد پسند کرتا ہے۔ کبیر کے دل کے گرد کوئی نہ جان سکا اور یوں چند لمحوں میں پھر ایک خوشی پلٹ کر آئی۔
اس دن رامین دلہن بنی اسٹیج پر تھی تب کبیر نے جھک کر کچھ آہستہ سے اس کے کان میں کہا تھا۔ رامین نے اپنی بوجھل پلکیں اٹھا کر ایک نظر کبیر کو دیکھا جہاں اس کی آنکھوں میں نفرت اور غصے کے بجھے بجھے طنزیہ رنگ تھے۔
"رامین اگلے برس میں بھی تم لوگوں کو ایسا ہی سرپرائز دوں گا جیسا حماد نے ہم لوگوں کو دیا ہے۔ یہ صرف چند لمحوں کی خوشی ہے رامین بہت دیر پا نہیں۔ مجھے معاف کردینا کہ کبیر نے سب کچھ کھو کر تمہیں قید کیا ہے۔ میں اپنی بہن دانیہ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکا۔" اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔
"کبیر بھائی ابھی سے رامین آپی کے دیوانے ہوگئے۔ دیکھنا۔" علی کی کزن نے شور مچایا تھا۔ تب ہی رامین نے ایک گہری سانس لے کر بہت غور سے کبیر کو دیکھا تھا۔
شور، ہنگامے اتنی بڑی گیدرنگ میں جو ولید حیدر

نے عید کی خوشی میں اپنے گھر پر ارینج کی تھی۔ کبیر مسکرا مسکرا کر سب سے مبارک باد لے رہا تھا۔ ہر شخص بے حد مطمئن اور خوش تھا۔ جبکہ رامین بہت تیزی سے اپنے بیڈروم کی طرف چلی گئی تھی اور رو رو کر اس کا برا حال تھا۔ دانیہ بار بار اسے پیار کررہی تھی۔
"یقین کرو رامین! حماد کا دکھ خوشی میں تبدیل ہوگیا ہے۔ دیٹس گریٹ کبیر بھائی۔ انکل ولید اور پاپا کی دوستی پھر سے مضبوط ہوگئی۔ رئیلی رامین! یور آر لکی کہ کبیر بھائی تمہیں مل گئے۔ یہ تو ہماری بچپن کی خواہش تھی۔ ممی اور پاپا کی بھی یہی مرضی تھی لیکن کبیر بھائی ایمان میں بہت زیادہ انٹرسٹڈ تھے۔ اس لیے ہم کچھ نہیں بول سکے۔ کبیر بھائی بہت اچھے انسان ہیں۔ رامین تم بہت لکی ہو۔" لیکن رامین روئے چلی جارہی تھی۔ کبیر کے لفظوں کی بازگشت اس کی سماعت میں ابھی تک ٹھہری ہوئی تھی۔
"یہ خوشی بہت دیرپا نہیں ہے۔ میں نے بہت بھاری قیمت ادا کی ہے۔ اسی پل تم دونوں کو خوشی کے دن ایسا ہی سرپرائز دوں گا جو حماد نے دیا ہے۔ اپنے ہونٹوں کی مسکراہٹ سمیٹ لو رامین اور صرف دانیہ کی طرف دیکھو کہ اس کی آنکھوں میں کتنا سناٹا ہے۔ میں ایک ایک پل کا سناٹا تمہاری بھی آنکھوں میں اتار دوں گا۔ جب تک دانیہ کے ہونٹوں پہ ہنسی نہیں آتی۔ تم شرعی طور پر میری دسترس میں قید ہو۔ کیا سمجھ رکھا ہے تم لوگوں نے کہ ہم لوگوں کے کوئی احساسات نہیں ہوتے۔ ہم ہالینڈ کے وہ ماڈرن پھول نہیں جو خوش رنگ تو ہیں لیکن خوشبو نہیں۔ رامی! حماد نے کیا سمجھا تھا، کیا ہم خاموش بیٹھے رہیں گے۔" وہ بڑی بے رحمی سے رامین کے خوابوں کو ریزہ ریزہ کررہا تھا۔ وہ سماعت سے بے بہرہ ہونا چاہتی تھی۔ لیکن دانیہ اسے جھنجھوڑ کر زندگی کا احساس دلا رہی تھی۔ روتے روتے بھی دانیہ اسے پیار کررہی تھی۔
"رامی! یہ کیا یہ سب کیوں کررہی ہو۔ چوڑیاں اور گجرے کیوں اتار رہی ہو۔ رامی! ابھی تو کبیر نے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں۔" اس نے اس کے مہندی سے بھرے دونوں ہاتھ اٹھا کر ہونٹوں سے لگالیے۔ لیکن رامین کی آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برس رہی تھیں۔ تین لفظوں کا حصار اتنا مضبوط ہوتا ہے انسان کو معتبر بنا کر اگر چھین لیا جائے تو انسان ریزہ ریزہ ہوکر گر جاتا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی رشتے سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن وہ دائرہ اسلام میں رہ کر اس چیز کا پابند ہوتا ہے۔ یہ احساس رامین کو بہت دیر میں ہوا۔
اس واقعے کے بعد سے زیادہ تر کوشش کرتا کہ رامین کا سامنا نہ ہو۔ اب تو یوں بھی ہالینڈ واپس جانے کا وقت قریب آنے والا تھا۔ تب ہی ایک دن رامین اس کے کمرے میں رات کے کسی پہر جب کبیر کسی اخبار کے لیے کوئی آرٹیکل لکھ رہا تھا وہ دبے پاؤں چل ہوئی تھی۔ کبیر نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ برابر میں رکھی ہوئی کین کی چیئر کو گھسیٹ کر اس کے سامنے آن بیٹھی تھی۔ کبیر نے بہت حیرت سے اسے دیکھا اور پھر دال کلاک کی طرف رات تین کا پہر تھا۔
"کیا ہوا مجھے دیکھ کر کچھ حیرت سی ہوئی؟" رامین نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جو لکھتے لکھتے رک گیا تھا۔
"کوئی خاص نہیں۔" اس نے قلم بند کرکے ٹیبل پر رکھا۔
"میں جانتی ہوں کبیر! مجھے تمہارے احساسات کی خبر ہے۔ تمہارا دکھ میرا دکھ ہے۔ میری آنکھوں میں آنسو رامین کے نہیں۔ یہ آنسو دانیہ کے ہیں، آنکھیں میری ہیں۔ جس دکھ پر تم نے مجھے اسیر کیا ہے۔ کبیر! اگر میں خود چاہتی سزا تم نہیں دے سکتے تھے۔" وہ کہتے کہتے رو پڑی۔ کبیر نے بہت غور سے دیکھا۔ وہ لیمن کلر کے شب خوابی کے لباس میں خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے قرب و

جوار میں بسنے والی ایمان بہت دور جا چکی تھی۔ لیکن کبیر کی اندر کی نفرت نے اس کی آنکھوں کو سرخ بنا دیا تھا۔

"اگر کبھی حماد سے اس سلسلے میں بات ہو تو مجھے امید ہے کہ تم میرا پیغام اسے دو گی اور ہاں رامین واپسی کے تمام راستے بند ہیں۔ جب تک وانیہ کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں آتی۔"

"میں جانتی ہوں کبیر کہ یہاں یہ بہت بڑی بات ہے بلکہ ایک سانحہ ہے۔ کسی لڑکی کی انگیج منٹ ٹوٹ جانا اچھا نہیں سمجھتے۔ لیکن کبیر کبھی فرصت ملے تو لکھنا کسی کالم میں مغرب کی بھی لڑکی جو دائرہ اسلام میں رہتی ہے۔ وہ بھی اس کا انکار نہیں کر سکتی ہے۔ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے کہ تم نے مجھے اپنے نام کے ساتھ منسوب کر کے ایک کمزور لڑکی بنا دیا کل تک خود کو میں بہت بولڈ سمجھتی تھی۔ انگیج منٹ اور شادی کو اتنا مضبوط بندھن تصور نہیں کرتی تھی۔ لیکن وانیہ کی بھیگی ہوئی آنکھوں اور لوگوں کے چہرے پر پھیلے ہوئے دکھ اور ملال کو میں نے محسوس کیا ہے اور میرے محسوسات تمہاری وابستگی کے بعد وانیہ سے الگ تو نہیں ہو سکتے۔ بس میں یہی کہنے آئی تھی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور وہ کھڑی ہو گئی۔

"رامین بیٹھ جاؤ۔" اس کی آواز میں ایسا کیا تھا کہ رامین کے پیر زمین پر تھم سے گئے اور وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں اور کبیر دیکھ رہا تھا۔ کبیر نے ٹشو باکس اٹھا کر اس کے سامنے رکھا۔

"رامین! آنسو پونچھ لو سوری یہ ایک حقیقت ہے جسے تم اب فیس کرو گی۔ مجھے دکھ ہے کہ تم یہ ملال اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہو لیکن یہ بھی کم نہیں کہ ہم بھی بہت دکھی ہیں۔ حماد نے ہمارے ساتھ جو مذاق کیا ہم اس کے لیے تمہارے سامنے شرمندہ ہیں۔ تم ایک اچھی دوست ہو لیکن اب یہ رشتہ بدل گیا۔"

رامین نے اپنے آنسوؤں کو پونچھ کر کبیر کو دیکھا جو اس کو کئی بار خوابوں میں ملا تھا۔ جو اس کے قریب رہتا ہو ابھی کل دور تھا آج قریب آ کر بھی دور تھا۔

اداسی تو کبیر کے بھی چہرے پر پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن رامین کے چہرے پر وانیہ جیسے دکھ اور ملال سے پلکیں بوجھل تھیں۔ وہ بہت دیر تک کبیر کو دیکھتی رہی۔ کبیر کے اطراف میں کاغذ اور کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ شاید وہ بھی مقدر کا کوئی ایک صفحہ تھی۔ جو کاتب تقدیر نے لکھ کر کبیر کے سامنے رکھ دیا تھا۔

آج موسم بے حد خوبصورت تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی کے بعد سفید بادلوں سے سنہری دھوپ جھانک رہی تھی۔ اس نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کچھ کاغذ فائل میں رکھے تھے۔ ادھر ادھر نظر ڈالی۔ صبح کی فائل کاپی کو اس نے اپنے اسسٹنٹ کے حوالے کرتے ہوئے سائن کیا تھا۔ پھر تھکے تھکے انداز سے کوٹ کو شولڈر پر لٹکائے ہوئے زینے سے نیچے اترا تھا۔ جہاں ایمان کار میں بیٹھی ہوئی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ایک پل میں اسے نجانے کیا یاد آ رہا تھا۔ کبیر نے جونہی کار کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ کبیر بے حد تھکا تھکا سا نظر آ رہا تھا۔ کار کے اسٹارٹ ہوتے ہی ایمان نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"تو کبیر کل کے سفر کی تیاریاں مکمل ہیں۔" ایمان کی انگلیاں اسٹیرنگ پر ہلکی سی لرزی تھیں۔ کبیر نے بھی اس کی آواز کی سمت مڑ کر دیکھا تھا۔

"میں فائل کاپی بھیج کر آ رہا ہوں۔ پھر بھی تم صبح چیک ضرور کر لینا۔ میری غیر موجودگی میں اگر کوئی پرابلم ہو تو مجھ سے کانٹیکٹ کر لینا۔"

"چھوڑو کبیر کبھی اپنی بھی ذات کے بارے میں ہم بات کریں ہر وقت ہمارے سروں پر آرٹیکلز، سنگ، کالمز کا بھوت سوار رہتا ہے۔ ہم اس دنیا میں اتنے خوش اور مطمئن ہو گئے ہیں کہ ہم اپنی ذات کو

نظر انداز کر رہے ہیں۔" ایمان بہت تھکے تھکے انداز میں ڈرائیو کرتی ہوئی بول رہی تھی۔

"تم کسی حد تک سچ کہتی ہو۔" اس نے ونڈو سے دور دور تک پھیلی ہوئی روشنی کو دیکھا۔ خوبصورت فٹ پاتھوں پر لہراتے ہوئے خوبصورت رنگین گلاب قطار در قطار گاڑی کی رفتار سے بھی تیز ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

کبیر ایمان نے گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی تھی اور پھر مڑ کر اس کی جانب سے پکارا تھا۔ وہ بھی نجانے کس پاتال سے لوٹا تھا۔

"کبیر میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ تمہارے پاس اگر تھوڑا وقت ہے اس قریبی ہوٹل میں بیٹھ کر چائے پی لیں۔ یوں بھی اب پانچ بجنے والے ہیں۔" اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ کر۔" وہ بہت دلکش انداز میں ایمان کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔ اس کی اس مسکراہٹ پر ایمان اندر سے ٹوٹ گئی۔ اب وہ اس محبت کی حق دار نہیں تھی۔ لیکن کبیر اس بات کو نہیں مانتا تھا۔ جونہی وہ اپنی کافی کی ٹرے اٹھا کر ٹیبل پر لایا۔ کافی کے ایک ہی گھونٹ نے ایمان کو اتنا تو مضبوط بنا ہی دیا تھا کہ وہ کبیر سے آج بات کر سکے۔ کوشش تو اس نے کئی بار کی تھی لیکن کبیر کسی نہ کسی بہانے سے ٹال جاتا تھا۔ لیکن آج شاید اس ٹیبل پر اس نے اسے کہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"دیکھو کبیر! تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ چار سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے۔ رامین کو اس طرح سے تم قید کر کے مجھے نہیں پا سکتے۔ تم اس غلط فہمی کو اب دور کر لو۔ خواہ نتائج کچھ بھی ہوں۔ لیکن میری ماں کسی جواز کو نہیں مانتی اور میں خود بھی یہ بات محسوس کرتی ہوں کہ وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔ میری عمر کے بہت خوبصورت سال کتنی تیزی سے بیت گئے۔" اس نے کافی کو ہونٹوں سے دوبارہ لگایا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو ایمان؟" اس کی سیاہ گہری آنکھوں میں اندھیرے اتر آئے تھے۔

"یہی کبیر! کہ تم رامین کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ نہ صرف میرے خیالوں میں بھی رہتے ہو اور اب میں یہ کچھ زیادہ اچھا فیل نہیں کرتی۔ جانتے ہوئے کہ رامین تمہاری بیوی ہے۔"

"واٹ دا ہیل یو آر ٹاکنگ اباؤٹ۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو میں کیا بول رہی ہوں۔ پلیز کبیر کبھی اپنی ذات سے بھی باہر نکلو اور تمہیں تو یہ اعزاز حاصل ہے کہ تم بین الاقوامی تنازعات کے حل کے لیے کام کرنے والی تنظیم آئی۔ کے۔ وی (IKV) کے سیمینار میں شریک ہو رہے ہو۔" اس نے اسے یاد دلایا۔

"سو واٹ! اس سے اس بات کا کیا لنک ہے۔" وہ بے حد سنجیدہ ہو چکا تھا۔

"یہ ویسی ہی بات ہے کہ وڈیرے اور ہمارے سیاست دان غریب ووٹرز کا اسمبلیوں میں بیٹھ کر سودا کر دیتے ہیں۔ کاروکاری کے عظیم ستون ہوتے ہیں۔ پھر بھی خود کو منصف اور ملک کے ہمدرد اور خیر خواہ کہلاتے ہیں۔"

"ایمان! مائنڈ یور اون بزنس۔ بالکل ڈیفرنٹ میٹر ہے۔ رامین کو تم اس وقت ڈسکس مت کرو۔ وہ میرا ذاتی میٹر ہے۔" اس نے غصے سے چیختے ہوئے ریسٹورنٹ پر ادھر ادھر نظر ڈالی۔

"واٹ نان سینس کبیر! ہم ایک ساتھ چھ برسوں سے کام کر رہے ہیں۔ ہماری اور تمہاری انڈر اسٹینڈنگ ہے اور سب سے بڑی بات کبیر یہ ہے کہ تم جس سیمینار میں شرکت کرنے جا رہے ہو۔ وہاں کشمیر، کوسوو، عراق اور فلسطین کے مظلوم عوام کے بارے میں گفتگو ہو گی۔ تنازعات کے حل کے بارے میں مکالمہ ہو گا۔ یہ بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے گی کہ یورپ کی سول سوسائٹی ان تنازعات کے حل کے

میں کیا کردار ادا کرتی ہے۔ کبیر! لیکن تم خود اپنے گریبان میں تھوڑی ہی دیر کے لیے نہیں جھانک سکتے۔ یہ کتنے دکھ کی بات ہے۔ ظاہری طور پر تم ایک نامور جرنسلٹ ہو اور تمہارا بہت شاندار اکیڈمک ریکارڈ بھی ہے۔ تمہارے کالمز انصاف اور حق پر مبنی ہوتے ہیں۔ لیکن رامین جہاں کردار کے بارے میں تمہاری سوچ ذاتی کیسے ہوگئی۔ تم یہ خواب تو دیکھتے ہو کہ برسوں کی جمی ہوئی برف پگھل جائے لیکن نفرت کی دیوار جو تم نے خود کھڑی کی ہے جس پر تمہیں اختیار بھی ہے۔ اس پر تم ایک رحم کی نظر نہیں ڈال رہے۔ کوسوو، کشمیر، فلسطین کا دکھ بانٹنے کے لیے تم اشتراکی طور پر دوسرے ملکوں میں سیمینار منعقد کر کے ثابت کرنا چاہتے ہو کہ ہم امن کے پجاری ہیں۔" وہ ابھی رکی بھی نہ تھی کہ وہ بول پڑا۔

"بس بس ایمان! مجھے معلوم ہے کہ تم بہت اچھا بولتی ہو۔ کالج لائف میں بھی ایک ڈبیٹر تھیں۔ بٹ اٹ ناٹ میٹر کہ تم مجھے غلط ثابت کر سکو۔ ویسے بھی ٹائم بہت کم ہے۔" وہ ایک جھٹکے سے ٹیبل سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"پلیز کبیر مجھے اپنی بات تو کلیئر کرنے دو۔"

"یہ کوئی اتنا اہم ایشو نہیں ہم پھر بھی اس معاملے میں بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔"

"لیکن کبیر تمہیں آج میری ایک بات سننی پڑے گی۔ میں تمہیں اب اور زیادہ ٹائم نہیں دے سکتی۔ میں زندگی کے جس حصے میں ہوں وہاں میری ماں کو ہاں کر دینی چاہیے۔" وہ چلتے چلتے مسلسل بول رہی تھی۔

"واٹ ڈو یو مین، کیا تم شادی کرنے جا رہی ہو؟" وہ ایک لمحے کے لیے ٹھہر گیا۔

"میں یہی بکواس تو دس دن سے کر رہی ہوں کہ اب ختم کرو اس محبت کے ناٹک کو۔ میری ماں مجھ سے بے زار ہوتی جا رہی ہے۔ میں مزید اب کچھ نہیں برداشت کر سکتی اور کبیر! لسن ٹو می کہ میں امین کے بارے میں بہت زیادہ سوچتی ہوں۔" پارکنگ کی طرف جاتے جاتے بولے جا رہی تھی۔

"لیکن میں نے کبھی نہیں سوچا تو تم کیوں سوچتی ہو۔" بے رحمی سے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اف کبیر! یہی تو پرابلم ہے کہ تم کبھی سمجھتے نہیں ہو۔ بہر حال اگر وہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہیں کی یہ بات کلیئر کر دوں Coming Sunday ایک چھوٹی سی گیدرنگ ہے۔ میں معاذ سے منسوب کر دی جاؤں گی۔" اس نے بہت آرام سے کبیر کو اطلاع دے کر اس کے چہرے کے تاثرات کو نوٹ کرنے لگی۔

"واٹ؟" اسے کرنٹ سا لگا۔ "تو تم معاذ سے شادی کرنے جا رہی ہو کافی ویل آف فیملی ہے۔ ہم تو میں تمہارا ملازم کہلایا کروں گا۔" وہ بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔

"یہ بات نہیں ہے کبیر! معاذ نے ڈائریکٹ میری ماں کو اپروچ کیا ہے۔ میں اس کے بعد شاید جاب چھوڑ دوں گی۔ یہ زندگی کی ایک حقیقت ہے تم لمبے مضامین اور کالمز لکھ کر جو تسکین حاصل کرتے ہو وہ وقت کی ضرورت تو ہے۔ لیکن کبیر یہ بھی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ میں تنہا زندگی نہیں گزار سکتی۔ فرض کرو تم دس برس کے بعد واپس پلٹتے ہو تب بہت دیر ہو چکی ہوگی۔"

کبیر نے بہت غصے سے گاڑی کا دروازہ بند کیا تھا۔

"کول ڈاؤن کبیر! تنہائی میں کبھی میری باتوں پر غور کرنا۔ تمہیں حقیقت خود ہی نظر آ جائے گی۔ اپنے ذاتی مسائل کو بھی حل کرنا چاہیے۔ ہم پوری کائنات میں پھیلے ہوئے انسانوں کا دکھ محسوس کرتے ہیں لیکن کبیر ہم نے کبھی اس بلی کے بارے میں

جو گھر میں بھوکی اور پیاسی بند رہتی ہے۔ ہم انسان ہیں، جانور اور انسان میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آج کے دور میں کسی انسان کو قید نہیں کیا جا سکتا۔" وہ بہت بے دلی کے انداز میں مخاطب ہوا تھا۔

"بس میں بتلانا چاہتی ہوں کبیر کہ کسی بھی انسان کو بہت دن تک قید نہیں کیا جا سکتا۔" وہ اس کے چہرے کی طرف مسلسل دیکھے جا رہی تھی۔

پھر اس نے تھوڑی ہی دور جا کر کبیر کے گھر کے سامنے گاڑی روک دی تھی۔ بغیر کچھ کہے کبیر نے بہت زور سے کار کا دروازہ بند کیا تھا۔ آج اسے ایمان کی باتوں پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ لیکن اس نے بے بسی سے مڑ کر ایمان کو چپکے سے ایک بار ضرور دیکھا تھا۔ تب وہ دو تین ہارن دے کر اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ صبح کی فلائیٹ سے اسے کل ہالینڈ چلا جانا تھا۔ ابھی وہ اپنے ساتھ لے جانے کی کچھ چیزیں ڈال ہی رہا تھا کہ حسام رضوی آ گئے تھے۔

"کبیر بیٹا! تم اپنے ولید انکل کا فون نمبر اور ایڈریس بھی رکھ لینا۔" انہوں نے کبیر کو یاد دلایا تھا۔

"جی پاپا وہ میری ڈائری میں موجود ہے۔"

"جانے کیوں اسے اس وقت ولید انکل کا ذکر اچھا نہیں لگا تھا موڈ بے حد آف تھا۔

"کیوں تو آج رات تھوڑی دیر کے بعد میں ولید سے فون پر بات کروں گا۔" حسام نے رک کر کہا تھا۔

"پاپا! کیا بہت ضروری ہے کہ آپ ولید انکل کو اطلاع دیں۔ ویسے بھی ہوٹل میں ٹھہرنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ میرا خیال ہے پاپا کہ آپ انہیں نہ ہی اطلاع کریں تو بہتر ہے۔" اس نے اپنی بیگ زور سے بند کی تھی۔ تب ہی حسام رضوی کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ گئے تھے۔

"دیکھو بیٹا جو بھی ہے اس رشتے کو اب نبھانا ہے۔ تمہیں اپنے اندر تھوڑی لچک پیدا کرنی ہوگی۔ رامین کے ساتھ تمہارا رویہ اچھا نہیں ہے اور دوسری بات اب وانیہ کا بھی گھر آباد ہو چکا ہے۔ مجھے بے حد شرمندگی ہے اس لیے میں نے ولید کو اس بات کی اطلاع بھی نہیں دی۔ تم یہ بات محسوس نہیں کر سکتے کہ میں ولید اور اس کی فیملی کو ہر خوشی میں کتنا مس کرتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ اس کو دوست نہیں بھائی سمجھا ہے۔ کبیر! رامین مجھے بے حد عزیز ہے جو ہوا سو ہوا۔ اب اسے تم بھول جاؤ حماد کی سزا تم اسے دے چکے ہو۔" حسام رضوی بہت پیار سے بیٹے کو سمجھا رہے تھے۔ لیکن کبیر اپنی ضد پر آج تک قائم تھا۔

"پاپا! فار گاڈ سیک مجھے کنفیوژ نہ کریں مجھے رات ابھی کچھ تیاری بھی کرنی ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایک بار انہیں ضرور کال کروں گا۔ اب آپ اطمینان رکھیے میں کال کر لوں گا۔" اس نے حسام رضوی کو اطمینان دلایا تھا۔

لیکن حسام رضوی کو بھی کب چین تھا۔ وہ اپنی بیوی سے بھڑ گئے۔

"دیکھو عالیہ! میں تم سے پھر کہہ رہا ہوں کہ تم کبیر کو اچھی طرح سمجھا دو کہ میں اپنی دوستی میں دراڑ زیادہ دن تک نہیں برداشت کروں گا۔" حسام رضوی نے دل کی بھڑاس بیوی پر نکالی تھی۔

"یہ بات آپ کبیر سے خود کیوں نہیں کرتے۔" عالیہ نے بھی جواب دیا۔

"میں ابھی ولید سے بات کرتا ہوں۔" انہوں نے ریسیور اٹھایا تھا۔

"دیکھیں میں پھر آپ کو بتلا رہی ہوں کہ رامین کا پاکستان میں ایڈجسٹ ممکن نہیں ہے کہ وہ یہاں ایڈجسٹ ہو سکے۔" عالیہ بیگم بہت دور کی کوڑی لائی تھیں۔

"جب وانیہ کا رشتہ طے ہو رہا تھا حماد سے، تب تم نے یہ نہیں سوچا کہ وہ ہالینڈ میں کیسے ایڈجسٹ

ہوگی۔" حسام رضوی نے سوال کیا تھا۔

"کمال کرتے ہیں آپ، ہماری مشرقی بیٹیاں وہاں جا کر ایڈجسٹ ہو جاتی ہیں لیکن وہاں کی۔" انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر حسام رضوی کو دیکھا تھا۔

"عالیہ بیگم! صرف بیرون ملک لینگویج کا مسئلہ ہوتا ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ بیرون ملک رہنے والے مسلمان اپنے کلچر کو ختم کر دیتے ہیں۔ تمہیں شاید اس بات کا علم نہیں کہ حسام رضوی نے وہاں اپنے بچوں کی کس طرح سے پرورش کی ہے۔ رامین اور فلزہ کو کبھی کسی غیر مسلم لڑکی سے دوستی بھی نہیں کرنے دی۔ حتیٰ کہ وہ کسی فنکشن میں بھی وہاں شریک نہیں ہوتیں۔ ہاں پاکستانی گیدرنگ میں انہیں اپنے ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ مجھے ایک ایک پل کی خبر ہے۔ یہاں تو لڑکے راتوں کو گھروں سے غائب رہتے ہیں۔ حماد تو اٹھارہ برس کا ہو گیا تھا تب بھی اسے کسی لڑکے سے باہر ملنے کی اجازت نہیں تھی۔" حسام رضوی نے اپنے دوست کی طرف سے کئی دلائل دیئے تھے۔

"یہی حماد نے ہمارے ساتھ ایسا کیا۔" وہ بہت نفرت بھرے لہجے میں بولی تھیں۔

"لیکن اس نے تمہیں دھوکے میں نہیں رکھا جبکہ ہمارے بیٹے نے ان لوگوں کو دھوکہ دیا۔ تم یہ بات جانتی ہو کہ کبیر نے غصے میں اچانک فیصلہ کر کے رامین سے نکاح کا ڈھونگ رچایا۔ یہ ان لوگوں کی شرافت ہے کہ رامین کسی صورت سے علیحدگی نہیں چاہتی۔ یہ ہمارے کلچر کا ایک حصہ ہے ورنہ مغربی تہذیب میں فوری طور پر علیحدگی اختیار کر لی جاتی ہے۔" حسام رضوی نے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی جو کہ اب رامین کے بجائے کبیر کی پسند میں زیادہ انٹرسٹڈ تھیں۔ یہ الگ بات کہ آج ہی ایمان نے فیصلہ کن بات کبیر سے کر ڈالی تھی۔

"بہرحال میری کوشش ہے کہ رامین واپس آئے۔" انہوں نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"میں ابھی ولید حیدر سے بات کرتا ہوں۔ بتاتا ہوں کہ کبیر دو چار دن کے لیے وہاں آ رہا ہے۔" انہوں نے بیوی کو خبر پہنچائی تھی۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے ولید حیدر سے فون پر بات کی تھی کہ کبیر I.K.V (ہیگ میں قائم انسٹی ٹیوٹ آف سوشل اسٹڈیز) کے اشتراک سے قائم ہونے والے سیمینار میں شرکت کرنے ہالینڈ آ رہا ہے۔ ولید حیدر نے بھی بے حد اصرار کیا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کبیر بغیر ملے ہوئے چلا جائے۔ انہوں نے فلائٹ نمبر سب کچھ نوٹ کر لیا تھا۔

"حسام! تم فکر ہی نہ کرو کبیر ہمارا بیٹا ہے۔ میں اسے منا کر گھر لاؤں گا یہ کیا بات ہوئی کہ وہ ہوٹل میں رہے۔" وہ بہت دیر تک ایک دوسرے سے ڈسکس کرتے رہے ان کی دوستی بہت گہری اور پرانی تھی۔ ان کے دکھ اور سکھ خوشی اور غم میں دونوں ایک دوسرے کا بے حد ساتھ دیتے تھے۔ بچپن کی دوستی آج تک قائم تھی۔ اب دونوں کی دلی خواہش تھی کہ دلوں کی رنجشیں مٹ جائیں۔ دو خاندان جو الگ الگ ہو گئے ہیں پھر آپس میں ایک ہو جائیں۔

☆☆☆

جونہی وہ ایمسٹرڈیم کے ایئرپورٹ سے باہر آیا تیز بارش ہو رہی تھی۔ ابھی وہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ ولید حیدر اسے نظر آ گئے۔ وہ خود بھی بڑی گرم جوشی سے ان کی طرف بڑھا تھا۔ بہت دیر تک اسے پیار کرتے رہے۔

"بیٹے یہ کیسے ممکن ہے کہ تم ہوٹل جاؤ گے۔ چلو گھر چلو تمہاری آنٹی اور سب انتظار کر رہے ہیں۔" انہوں نے بڑے پیار سے اس کے ہاتھ سے بھاری بیگ کو تھاما تھا۔

"تھینکس ولید انکل! آپ مجھے ہوٹل میں ڈراپ

کر دیجیے۔ میں فریش ہو کر آپ سے کل ضرور ملوں گا۔ آپ تو جانتے ہیں میرے کام کی نوعیت مجھے کچھ تھوڑا بہت لکھنے پڑھنے کی بھی ضرورت ہوگی۔ جونہی مجھے فرصت ملی میں خود حاضر ہو جاؤں گا۔"

ولید حیدر اسے ڈراپ کر کے گھر تنہا واپس آئے تھے۔

تب بڑی بے چینی سے رامین نے باپ کی طرف دیکھا تھا خود مسز ولید نے بھی سوالیہ نظروں سے ولید حیدر کو دیکھا تھا چونکہ وہ اسی ارادے سے گئے تھے کہ کبیر ان کے ساتھ آئے گا۔ سب چہرے اس وقت بجھے بجھے سے تھے تب ولید حیدر نے بتایا تھا۔

"بھئی! وہ یہاں بہت اہم کانفرنس میں شرکت کے لیے آیا ہے۔ یقینی طور پر اس کو کچھ فرصت کے لمحات درکار ہوں گے۔ یوں بھی وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ میں نے خود ہی اس سے کہا کہ وہ فریش ہو کر کل مجھے کال کرے گا۔" سب کو انہوں نے اطمینان دلایا تھا۔

پھر انہوں نے رات ڈنر پر رامین سے بات کی تھی۔ "بیٹے رامین کبیر یہاں پر آیا ہے۔ بہت عرصے کے بعد یوں تو تم اس سے ملتی رہی ہو۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں اس سے ملو اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ حسام بھی یہی چاہتا ہے اور میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔" انہوں نے بہت پیار بھرے انداز میں بیٹی کی طرف دیکھا تھا۔

"جی ڈیڈی!" کہہ کر وہ دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"رامین! میں تو بے حد مصروف ہوں کبیر پہلی بار ہالینڈ آیا ہے۔ تم اسے تھوڑا بہت ادھر ادھر شہر میں گھما دو تو میں ایزی ہو جاؤں گا اور ہاں کچھ شاپنگ بھی حسام نے تم سب کے لیے بھیجی ہیں کبیر کہہ رہا تھا۔" ولید حیدر نے کہا۔

"ڈیڈ! چھٹی کرنا تو میرے لیے بھی ناممکن ہے آج کل یوں بھی بچوں کے پیپر ہو رہے ہیں اور میں آف نہیں لے سکتی۔" اس نے کہا تھا۔

"ظاہر ہے اس کے بعد تمہارے پاس جو وقت ہوگا تم اس میں کبیر کو کمپنی دے سکتی ہو۔ میں تمہیں ایسا کرنے پر مجبور نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم اس بات کو بہت اہمیت دو۔"

"ٹھیک ہے ڈیڈ! اگر ضرورت ہوئی تو میں وقت نکال کر کمپنی دینے کی کوشش کروں گی۔"

کانفرنس کا آغاز ہوٹل کارلٹن کے ہال میں ہوا تھا۔ اس نے باہر آ کر ولید حیدر کے گھر فون کر کے بتایا تھا کہ آج شام وہ ان کے گھر آ رہا ہے۔ ولید حیدر بہت خوش تھے۔ البتہ ان کی مسز کے چہرے پر اچھے تاثرات نہیں تھے۔ رامین بھی بہت چپ چپ سی تھی اور خاموش تھی۔ لیکن پھر بھی اسے ویلکم کہنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ رمضان کا احترام تو سبھی گھروں میں ہوتا ہے۔ لیکن ولید حیدر کچھ زیادہ ہی صوم الصلوٰۃ کے پابند تھے اور کھانے پینے کے بھی شوقین تھے۔ پچیس برس سے ہالینڈ میں رہتے ہوئے بھی وہ اپنے کلچر سے ایک لمحے کے لیے بھی الگ نہیں ہوئے تھے۔

انہوں نے گھر میں بھی سب کو ہدایت کی تھی کہ "کبیر کو کوئی بھی ایسا تاثر نہیں ملنا چاہیے کہ ہم اس سے ناراض ہیں کیونکہ بہرحال ہم نے یہ رشتہ خود کو جوڑنے کے لیے کیا ہے تاکہ فاصلے بڑھانے کے لیے۔" اور پھر جب کبیر شام کے وقت گھر آیا تو وہ حیران تھا کہ ہر شخص وہاں روزے سے اور ان کے گھر کا ماحول بالکل ہی پاکستانی ماحول جیسا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں رامین اس سے ملنے آئی تھی۔

ممی، ڈیڈی ہال میں موجود تھے۔ فلزہ بھی بہت کبیر سے چہک چہک کر باتیں کر رہی تھی۔ یہ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ کبیر یہاں پہلی بار آیا ہے۔ رامین جونہی ہال میں داخل ہوئی تو فلزہ نے بڑی گرم جوشی

سے ہنستے ہوئے رامین کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"کبیر بھائی ان سے ملیے یہ ہیں ہماری رامین آپی۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔

"نائس ٹو میٹ یو!" کبیر نے کھڑے ہو کر کہا تھا۔

جواب میں اس نے "السلام علیکم" کہا تھا۔

اس لمحے کبیر کچھ تھوڑا سا نروس ضرور ہوا تھا اور رامین بھی اپنی ماں کی طرف متوجہ ہو کر بولی تھی۔ "ممی ٹیبل تیار ہے اور اب گھڑی کے مطابق روزہ کھولنے کا وقت بھی ہوا چاہتا ہے۔" وہ خود کو بے حد مصروف ثابت کرتی ہوئی اٹھی تھی۔

"آؤ بیٹا دیکھو کہ آج گھر میں تمہارے لیے رامین اور تمہاری آنٹی نے کیا کیا اہتمام کیا ہے۔" ولید حیدر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"شیور انکل۔" کبیر بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ڈیڈ ہر روز ہی اتنا اہتمام افطاری میں کرواتے ہیں کوئی خاص بات تو نہیں۔" رامین جاتے جاتے پلٹ کر بولی تھی۔

پھر روزہ کھولنے کے بعد نماز کی ادائیگی کے بعد سٹنگ ہال میں سب جمع ہو گئے تھے۔

"بیٹا اب تم اچھی سی کافی لے کر آؤ۔" انکل ولید نے رامین آپی سے کہا تھا۔

"جی ڈیڈی میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

ولید اپنے بچپن کے کچھ واقعات کبیر کو ہنس ہنس کر سنا رہے تھے کہ وہ اور حسام چچا بچپن میں کتنا انجوائے کرتے تھے اور کبیر بھائی بھی ان میں فوراً گھل مل گئے۔ گویا یہاں پر ان کی برسوں کی شناسائی تھی۔ تب رامین ٹرے اٹھائے ہوئے اندر آئی تھی۔ کبیر کی نظریں ایک بار بھی اس کی سمت نہیں اٹھی۔ کافی لیتے وقت بھی وہ خود تھوڑا سا شرمندہ سا نظریں جھکائے کافی میں شگر چلا رہا تھا۔

لیکن رامین نے مکمل کانفیڈنس سے اس سے پوچھا تھا۔ "آپ شگر کتنی لیتے ہیں۔"

پھر افطار کے بعد ایک بہت ہلکا سا ڈنر جس میں سوپ، بریڈ اور کوئی فروٹ ڈیزرٹ کا اہتمام تھا۔

ولید حیدر نے بے حد اصرار کر کے کبیر کو روک لیا تھا۔

رامین نے اپنی ونڈو سے باہر دیکھا جلتی بجھتی روشنیوں میں تیز بارش ہو رہی تھی۔ کافی ٹھنڈ بھی تھی۔ نجانے کیوں اسے بار بار کبیر ہی کے بارے میں دھیان جا رہا تھا۔ مختلف سوالات تھے۔

نجانے وہ ڈیڈی کی اس فراخ دلی کا کیا مطلب نکالے گا۔

وہ اس ملک سے آیا تھا جہاں عورت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے۔ وہ ایسا نہ سمجھتا ہو جیسی میں ہوں۔ وقت نے ہمیں اور کبیر کو کتنی دور کھڑا کر دیا ہے۔ کبھی ہم مل کر کتنی شرارتیں کرتے تھے۔ کبیر کو میں آئیڈیلائز کرتی تھی پھر بھی میں نے اس کا اظہار نہیں کیا میں جانتی تھی کہ وہ ایمان کو پسند کرتا ہے۔ پھر بھی نجانے کیوں غیر ارادی طور پر میں اس سے بہت قریب ہوتی چلی گئی۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ میری فیلنگز محسوس نہ کرتا ہو۔ وانیہ مجھے بہت پیار کرتی تھی۔ کبیر کی شوخ نظروں کا تصادم۔ اس کے کالم پڑھ کر میں اسے کتنا تنگ کرتی تھی۔ لیکن کس طرح اس نے مجھے پانے کے بعد ریجیکٹ کیا۔ میں کس طرح سے ہرٹ ہوئی۔ میں بھی اس سے کسی طور کم تو نہ تھی۔ میرا بھی زبردست اکیڈمک ریکارڈ تھا، گولڈ میڈلسٹ تھی۔ لیکن وہ میرا آئیڈیل تھا۔ پھر بھی میں تنگ کرنے کے لیے اس سے کہتی تھی۔ "جرنلسٹ مجھے سخت ناپسند ہیں میرا آئیڈیل تو کوئی ڈاکٹر ہے۔"

اور انہی دنوں ولید حیدر کے ایک اور دوست کا بیٹا پاکستان میں جیرا اسپیشلائزیشن کر کے حال ہی میں لوٹا تھا۔

"تو کیا خیال ہے مجتبیٰ ہے تو کیا ہوا ہے تو سرجن۔ کہتا ہوں انکل ولید سے کہ اس بار رامین کے ہاتھ

پیلے کرتے جائیں۔" کبیر نے شوخی سے اسے چھیڑا۔

"یو شٹ اپ کبیر! پسند اور شادی میں فرق ہے۔ آئندہ اس گنجے کا نام بھی مت لینا۔"

"ویسے میں نے اپنے کانوں سے یہ بات سنی ہے کہ ولید انکل تمہیں بہت جلد پاکستان میں ہی کسی کے حوالے کر کے چلے جائیں گے۔ بائی دا وے میں جیری کی بات ان کے کان میں ڈال دوں گا۔" جواب میں کشن اٹھا کر کبیر کے اوپر دے مارا تھا۔

"میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ تم ایمان کے ساتھ خوب انجوائے کرتے ہو۔" تب ہی کبیر نے اپنے دفاع کرتے ہوئے دوسرے کشن کو روکنے کے لیے اس کی کلائی کو زور سے پکڑا تھا۔ وہ مزاحمت کے باوجود نجانے کیا ہوا کہ وہ نظریں نہ اٹھا سکی تھی۔

کیسے کیسے لمحے تھے جو آنکھوں میں سمائے چلے جا رہے تھے۔ مری کے اونچے نیچے ٹیلوں پر ہائیکنگ کرتے ہوئے وہ تینوں کہاں گم ہو گئے۔ اسلام آباد کی پُرفضا مقام میں "حسام ولا" کے ونڈو کی وہ شامیں جب کبیر کے دیر سے آنے پر ہم سب اسے تنگ کرتے تھے اور کیسے کیسے ہم اس کے کالمز پر اس کے بخیے ادھیڑتے تھے اور کئی بار تو وہ حماد بھائی سے ناراض ہو کر لڑ پڑا تھا۔

"انسانی حقوق کی جنگ آپ تنہا لڑ رہے ہیں کبیر بھائی۔" اس نے کبیر کے صبح آنے والے کالم پر تبصرہ کیا تھا۔

"چلو رامین میں تنہا ہی صحیح لیکن اپنے جینے کا حق تو ادا کر رہا ہوں تم کیا کر رہی ہو فی الحال بھی کہ آج کل سنا ہے کہ وانیہ کے ساتھ کوکنگ کلاسز لینے جا رہی ہو۔"

"ظاہر ہے آپ جب بھی ہالینڈ آئیں گے تو میں آپ کو اچھی اچھی ڈشیں پکا کر کھلاؤں گی۔"

"میں اتنے اونچے خواب نہیں دیکھتا ایک معمولی سا جرنلسٹ تمہارے شہر میں کیا خاک آئے گا۔ میں تو غریب باپ کا بیٹا ہوں۔ ہاں تم لوگ البتہ ولید انکل کی دولت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔ مانو نہ مانو لیکن یہ بہت بڑی عیاشی ہے کہ تم لوگ صرف عید انجوائے کرنے کے لیے پاکستان آتے ہو۔" اس نے رامین کو چھیڑا تھا۔

"ٹھیک ہے میں ابھی جا کر ڈیڈ کو بتاتی ہوں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے بھی وارننگ دی تھی۔

"ارے یہ کیا غضب کر رہی ہو تم۔" کبیر نے بھاگ کر اس کا راستہ روکا تھا۔ وہ دھمکی دے کر ہنسنے لگی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ کبیر اسے یوں ہی تنگ کر رہا ہے اور آج جب اسے قسمت یہاں لے کر آئی ہے تو میں اسے اچھی طرح سے بات بھی نہیں کر سکتی۔ یہ کیسا رشتہ ہے۔ یہ کیسا حجاب ہے جو ہمارے درمیان آ گیا ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔

☆☆☆

ولید حیدر نے کبیر کے کمرے میں آ کر جھانکا تھا۔

وہ اس وقت لیمپ کی روشنی میں کچھ بیٹھا لکھ رہا تھا۔ آہٹ پر اس نے نظریں اٹھا کر ولید انکل کو دیکھا تھا اور جلدی سے کھڑے ہونے کی پوزیشن میں آنا چاہتا تھا کہ ولید انکل نے اسے وہیں روک دیا۔

"بیٹا اگر کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف کہہ سکتے ہو۔"

"تھینکس انکل میں بلا تکلف کچھ بھی لے سکتا ہوں، نظرو سے کہیے کہ وہ مجھے ایک کپ چائے پہنچا دے۔" واقعی وہ بلا تکلف چائے طلب کر بیٹھا تھا۔

رات کافی بیت چکی تھی۔ کبیر کی بھی آنکھوں سے نیند بہت دور تھی۔ اس نے ونڈو سے پردہ کھینچ کر باہر جھانکا۔ شیشے پر گرنے والی بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ کرتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ اس وقت بڑا گہرا سناٹا

تھا۔ آج پہلی بار اسے رامین پر کی جانے والی زیادتی کا احساس ہوا تھا۔ پھر ولید انکل کی فراخ دلی، ان کی محبتیں سب کچھ اس وقت اس کے دل میں عجیب سا احساس پیدا کر رہے تھے۔ وہ بہت دیر تک شیلف سے کوئی کتاب نکال کر لے آیا تھا۔ اس کے باوجود نیند سے بہت دور تھا۔ جب آنکھیں بند کرتا تو آج نجانے کیوں بار بار رامین کا چہرہ ابھر کر سامنے آجاتا۔ برسوں کی کہانی لمحوں میں اختتام کر رہی تھی۔ لیکن ضد اور خودسری انسانیت پر سر پکار تھی، آزادی اور غلامی، امن کے گیت، دنیا میں پھیلے ہوئے دکھ، روتی ہوئی کشمیر، بوسنیا اور عراقی خواتین کے چہرے سب یکساں لگ رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ کسی کھنڈر میں امن کے پجاریوں نے امن کا شعلہ جلا تو دیا ہو لیکن دور دور تک اندھیرا ہو۔

رات کافی بیت گئی۔ مگر وہ بے چین سا کروٹیں بدلتا رہا۔ دوسری جانب بھی حالت کچھ ایسی ہی رامین کی بھی تھی کہ دکھ سے اس کی آنکھیں بھیگتی رہیں لیکن وہ سو نہ سکی۔

نیند تو شاید ولید انکل کو بھی نہیں آئی تھی۔ کوئی ڈھائی کے پہر ان کی نیند ٹوٹ چکی تھی۔ وہ اٹھ کر کچن میں اپنے لیے چائے بنانے گئے تھے۔

صبح رامین جلدی بیدار ہو گئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ڈیڈ نے اسے بتایا تھا کہ کل صبح کبیر Peace Palace (امن محل) جائے گا۔ جلدی جلدی وہ شاور لے کر باہر آئی تھی کہ وہ کبیر کو ڈراپ کرتی ہوئی جاب پر چلی جائے گی۔ اس وقت وہ پنک کلر کا ٹراؤزر اور شارٹ شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ یہ ڈریس دانیہ نے اسے پاکستان سے بھیجا تھا۔ جو کہ اچھی اس پر سوٹ کر رہا تھا۔ کبیر صرف ایک کپ چائے لے کر چینج کر کے اپنا بریف کیس لے کر کمرے سے جب باہر آیا۔ سمیعہ چچی سامنے کھڑی تھیں۔ وہ انہیں خدا حافظ کہتا ہوا آگے بڑھا تو رامین دروازے پر کھڑی انتظار کر رہی تھی۔

”اللہ حافظ چچی جان! شاید میں لنچ پر نہ آسکوں۔ انتظار مت کریے گا۔ مجھے لائبریری میں کچھ کام ہے۔“ وہ جونہی مڑا ایک نظر رامین کو دیکھ کر وہ وہیں رک سا گیا۔ پنک ٹراؤزر اور شارٹ شرٹ میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔ خفت سے اس وقت اس کا چہرہ اور زیادہ پنک نظر آرہا تھا۔

”آیئے میرے ساتھ ڈیڈ نے یہ ڈیوٹی مجھے سونپ دی ہے۔ میں آپ کو ڈراپ کر کے انسٹی ٹیوٹ چلی جاؤں گی۔“ وہ لفٹ میں کبیر سے بے حد قریب کھڑی تھی۔ کبیر کی گرم نظروں کی تپش اسے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اپنے اردگرد کھڑے ہوئے انسانوں سے لاتعلق لفٹ کے نمبر کو دیکھ رہی تھی۔

جونہی اس نے کار اسٹارٹ کی کبیر نے مڑ کر اس کے چہرے کی طرف ایک بار پھر دیکھا تھا۔ لیکن وہ بالکل لاتعلق سی ڈرائیو کر رہی تھی۔ دونوں کے درمیان بہت گہری خاموشی تھی۔

”یہ ”پیس پیلس“ جس کو ہم اردو میں ”امن محل“ کہتے ہیں کارلٹن ہوٹل سے بہت قریب ہے۔ میں آپ کو ڈراپ کرتی ہوئی آگے چلی جاؤں گی۔ واپسی کے لیے آپ مجھے رنگ کر سکتے ہیں۔“ وہ بہت تیز ڈرائیو کر رہی تھی۔ کبیر اس وقت نجانے کن خیالوں میں گم تھا۔ وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا کہ اس نے گاڑی روک دی۔

”ویل کبیر! یہ سامنے امن کا محل ہے۔ اس امن محل میں قانون کی کتابوں اور قانونی دستاویزات کی اہم ترین لائبریریوں میں سے ایک یہاں موجود ہے۔ جس سے دنیا بھر کے لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ اس کے صدر دروازے پر امن کا شعلہ ہر لمحہ فروزاں رہتا ہے اور لوگوں کو امن کی اہمیت یاد دلاتا رہتا ہے اور اس بات کو بھی ان کے ذہنوں میں اجاگر

کرتا ہے کہ دنیا میں ابھی تک امن قائم نہیں ہو سکا۔ یہ ”پیس پیلس“ کا دروازہ ہے۔ جہاں پر تم کھڑے ہو۔“ اس نے انگلی سے اشارہ کیا تھا۔

”ویل کبیر! اس کی زمین دنیا کے کسی ملک کی نہیں بلکہ یہ زمین دنیا کے تمام انسانوں کی ہے ایک ایسی تاریخ ساز عمارت کے قریب تم کھڑے ہو۔ اس کی تعمیر میں نیدرلینڈ کی حکومت نے تعاون کیا اور اس کا تعمیراتی اور آرائشی سامان دنیا کے پچیس ملکوں سے آیا تھا۔ یہ ”پیس پیلس“ ہے۔ یہ وہی ”امن محل“ ہے جہاں پہلی بین الاقوامی امن کانفرنس ہوئی تھی۔ اس ”پیس پیلس“ کو بین الاقوامی قانون کا تخت کہا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کی قائم کردہ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے علاوہ تنازعات کے تصفیہ کا قدیم ترین ادارہ بھی اسی ”پیس پیلس“ میں قائم ہے۔“ اس نے جلدی جلدی سے دو چار باتیں سرسری طور پر کبیر کو بتائی تھیں۔ پھر وہ اس کو ڈراپ کر کے جا چکی تھی۔ کبیر لائبریری کی طرف کسی سے گائیڈ لیتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔

جب کبیر گھر واپس لوٹا تو کافی شام ہو چکی تھی۔ ولید انکل اس کا ہی انتظار کر رہے تھے۔

”کیسا رہا بیٹا آج کا دن؟“

”بیوٹی فل انکل! بہت ساری معلومات کے ساتھ ساتھ میں نے انجوائے بھی کیا۔“ وہ بہت فریش اور مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

”میں بارٹ بھی ہوں۔ ڈرائیو نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی ذمہ داری رامین کو سونپ دی ہے۔ وہ دو چار دن تک ضرور تمہیں وقت دے گی۔ آج کے دن وہ بہت مصروف تھی۔“ ولید انکل نے ذکر کیا تھا۔

”تو تھینکس انکل تقریباً دو چار جگہ تو میں آج ہی دیکھ چکا ہوں۔ آپ رامین کو تکلیف نہ دیں۔ یہاں کی لائف بے حد فاسٹ اور مختلف ہے۔“

”تکلیف نہیں بلکہ یہ میری خواہش ہے کہ آپ اور رامین دو چار دن تک ساتھ رہیں اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہم اور حسام بھی چاہتے ہیں۔ ہم اپنی دوستی اور تعلق کو ختم نہیں کر سکتے۔ لہٰذا تم دونوں کو کسی ایک نقطے پر تو پہنچنا ہے۔ خواہ نتائج کچھ ہوں وہ قابل قبول ہوں گے۔ لیکن دوریاں اور فاصلے اگر طویل ہوں تو یہ دائمی روگ بن جاتے ہیں اور ہم ایسا نہیں چاہتے۔ اور نہ ہی ہم رامین پر اپنی کوئی رائے مسلط کر سکتے ہیں۔ یہ تو کبیر کہ وہ یہاں براٹ اپ ہوئی ہے۔ لیکن پھر اس کا پاکستانی ہے۔ لیکن اس کی سوچ پر شاید میرا اختیار نہ ہو۔ لیکن پھر بھی میری تربیت کا ایک حصہ ہے کہ اس کی کوئی بھی دوست غیر مسلم نہیں۔ میں نے اپنے بچوں کو اس ماحول سے بہت دور رکھا ہے۔ میں حماد کی وجہ سے شرمندہ ضرور ہوا تھا۔ لیکن آئی ایم پراؤڈ آف ہِم کہ وہ امریکہ میں ٹوٹلی چینج ہو چکا ہے اور اس نے وہاں جس لڑکی سے شادی کی ہے وہ مسلم ہے اور وہ حجاب کرتی ہے۔ خود حماد بہت تبدیل ہو چکا ہے۔ شاید نظریات کی تبدیلی نے اسے فیصلہ کرنے پر مجبور کیا ہے۔ ورنہ وہ کسی صورت بھی دانیہ سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔“ ولید انکل نے اس پر ایک نیا انکشاف کیا تھا۔ اسے یوں لگا کہ وہ ہمیشہ کے لیے ولید انکل کی نظروں میں گر چکا ہو۔ ان کے گھر کا ماحول، ان کا حسن سلوک اور اب حماد کی نظریاتی تبدیلی یہ سب ایسے عوامل تھے جو اس کے اردگرد بہت تیزی سے پھیلنے لگے۔

”ویری نائس انکل! حماد سے بات کروں گا۔ آئی ایم سوری انکل!“ نجانے کس بات کی سوری کہہ کر وہ اٹھ کر شاور لینے کے بہانے جا چکا تھا۔ ولید حیدر بھی ایک لمحے کے لیے سوچنے لگے کہ سوری کس بات کی۔

اس دن بہت موسلا دھار بارش ہوئی تھی۔ شفاف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی رنگین کاریں اور اونچی اونچی

عمارتیں اور ڈھلے ہوئے درخت سب کچھ نکھرا نکھرا سا لگ رہا تھا۔ وہ ڈیلف کے ساحل کے ساتھ ہی ایک ریسٹورنٹ کے قریب اس نے اپنی کار روک دی تھی۔ سامنے سمندر کی لہریں نظر آرہی تھیں۔

"سامنے دیکھو کبیر! یہ بہت یادگار سمندر ہے۔ بوڑھا سمندر جو آج بھی قائم ہے۔ جہاں سے چار سو برس پہلے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز روانہ ہوئے تھے۔ یہ وہی جگہ ہے اور اسی عمارت میں اس کمپنی کا دفتر بھی تھا۔ ڈیلف، ہالینڈ کے ان چھ شہروں میں سے ایک تھا جہاں سے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہازوں نے پہلی مرتبہ ہندوستان کا رخ کیا تھا اور اس رخ نے برصغیر کے انسانوں کی تقدیروں کو تہہ و بالا کر دیا۔"

رامین تو یہ کہہ کر بہت دور دیکھنے لگی لیکن کبیر اس وقت بے حد اداس تھا۔

"کبیر اس وقت تمہاری حالت دیکھ کر اندازہ ہوا کہ تم یہ سب کچھ دیکھ کر اندر سے افسردہ ہو۔ تم جس مقصد کے لیے یہاں آئے ہو وہ بہت اہم ہے۔ سب سے اہم ایشو کشمیر ہے۔ لیکن پھر بھی۔" وہ رک کر کبیر کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہزاروں میل دوری پر بیٹھے ہوئے تم لوگ کشمیر یا فلسطین یا عراق میں ہونے والی خون ریزی پر پریشان نہیں ہوتے ہو۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ آگ فاصلے پر بھی لگی ہو تو اس کی چنگاریاں ہوا کے ساتھ اڑ کر دور تک جاتی ہیں۔ "نائن الیون" کے بعد امریکہ نے افغانستان اور عراق پر جو غیر قانونی حملے اور ناجائز قبضے کی راہ اختیار کی ہے۔ ہم چار سو برسوں پرانا دکھ انگریزوں کی غلامی بھول چکے ہیں۔ کیونکہ وہ اتنی دور نہیں تھا۔" کبیر اس لمحے بے حد اداس اداس سے لہجے میں رامین سے مخاطب تھا۔

عراق، فلسطین اور کرد نمائندے بھی اس کانفرنس میں موجود تھے۔ ان کے علاقوں میں ہونے والے خونین تصادم زیر بحث تھے لیکن اس میں، میں نے اولیت اور اہمیت کشمیر کو دی تھی اور اس بات پر سب ہی کا اتفاق رہا کہ یہ تنازعہ دو طرفہ مذاکرات کے ذریعے حل ہونا چاہیے تاکہ کشمیری ایک پُرامن اور پُرسکون زندگی کا پھر سے آغاز کر سکیں۔" کبیر اپنے مسائل پر ابھی تک الجھا ہوا تھا۔

"ویل کبیر! پھر بھی اس ٹاپک پر ہم بات کریں گے۔ ہم سب کے دکھ مشترک ہیں۔ کشمیری، عراقی، فلسطینی یہ سب ہم سے بہت دور نہیں، بہت قریب ہیں اور جو لوگ دل سے قریب ہوتے ہیں کبھی دور نہیں جاتے۔"

کبیر نے دھواں دھواں سی ہوتی ہوئی آنکھوں سے باہوش و حواس اسے نظر بھر کر دیکھا تھا۔ اسے لگا جیسے کسی کھنڈر میں دور کہیں اس کی آواز کی بازگشت سنائی دی ہو۔

"چلو چھوڑتے ہیں اس ٹاپک کو تم اس وقت بہت خوبصورت دکھائی دے رہی ہو۔" اس نے ایک شرارت بھری مسکراہٹ اس پر ڈالی تھی۔

"اوہو کبیر! یہ جملہ تم بچپن میں بھی کہتے رہے ہو۔" وہ بہت دیر بعد کبیر کے اس جملے پر ہنسی تھی۔

"لیکن اس وقت میں بہت سیریسلی کہہ رہا ہوں۔ اف یو ڈونٹ مائنڈ۔"

رامین کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بیدار ہوئی تھی۔

"تعریف سننا اچھا لگتا ہے۔" وہ تھوڑا سا مسکرائی۔

"لیکن میں ہر ایک کی تعریف نہیں کرتا اور میں نے آج محسوس کیا ہے کہ تم واقعی بہت خوبصورت ہو۔ ضد اور انا کو بھاڑ میں ڈالو۔ رامین میں بڑا احمق اور بے وقوف تھا جو تم سے اتنی دور رہا۔ تم میرے ساتھ چلو گی۔ بس پاپا اور ولید انکل کی خوشی کو میں زیادہ دن نہیں چھین سکتا۔" اس نے تو بہت آسانی

سے اپنا مسئلہ حل کر لیا تھا۔

"کبیر یہ بات اب شاید اتنی آسان نہیں ہے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان چار سال کا فرق چار صدیوں کا فاصلہ پیدا کر چکا ہے۔ یہ کوئی ایک لمحے کی کہانی نہیں۔" اس نے بھی فوری طور پر جواب دیا تھا۔

"ایکچلی رامین! میں ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔" اس نے ٹیبل سے جوس کے گلاس کو اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگایا۔

"امید فیصلہ کرنے میں ہمیشہ رکاوٹ بنتی ہے کبیر! یہ بات تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔" اس وقت رامین بے حد سنجیدہ تھی۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟" اس نے ہونٹوں سے گلاس الگ کر کے ٹیبل پر رکھ دیا۔

"ویل کبیر! ایکچلی ہم دو چار ملاقات میں اتنی جلدی واپسی کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ وہ برسوں کی رفاقت جب تم نے محبت کا روپ دھار کر مجھے اپنا شریک سفر بنایا تھا اور آج چند لمحوں میں واپسی کا سفر اتنا سہل نہیں۔ سوری کبیر۔" اس نے صاف صاف کبیر کو جواب دیا تھا۔

"Ahaam! تم کیا reveal ______ (ظاہر) کرنا چاہتی ہو؟"

"میں نے کہا نہ کہ یہ سب اب میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ Your remark was just like a slap to my face I will rmember as long as i live."

"You no what! your totally out of your mind. اچھا تمہارا دماغ خراب ہے۔"

"شاید تم ایسے سوچتے ہو مگر میں وہ دن وہ لمحے سب کچھ مجھے یاد ہے۔ وہ انسلٹنگ فیس اور تمہارا وے آف میز سب کچھ کبیر یاد ہے۔" اس نے دل کے اندر جوار بھاٹا رہا تھا۔

"او کے، کول ڈاؤن اینڈ کمپوز یور سیلف (خود پر قابو رکھو) ہم پھر کبھی ڈسکس کریں گے۔" کبیر اپنی جلد بازی پر تھوڑا پشیمان ہوا تھا۔

"Dont you dare say that again" اس نے غصے سے چابی ٹیبل سے اٹھائی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کبیر اس کے احساسات سے بالکل بے خبر لیکن اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہے تھے۔

جب اس نے وائپر آن کیا تو فوراً کبیر نے ڈیش بورڈ سے ٹشو اٹھا کر اس کو پیش کیا تھا۔

"باہر تو ہر چیز کلیئر ہے تم اپنی آنکھیں صاف کر لو۔" وہ بہت دھیرے سے مسکرایا تھا۔ وہ بہت سیریس اور خاموش ڈرائیو کر رہی تھی۔ باہر ہونے والی بارش بظاہر شیشے پر گر رہی تھی مگر اسے یوں لگ رہا تھا کہ آنکھوں میں کالی گھٹا میں دل میں برس رہی ہیں۔

جب وہ کبیر کے ساتھ ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی تو ولید حیدر نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔ سمیعہ چچی نے اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ لی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

"Is every thing is fine?" ممی نے پیار سے اس کے چہرے کو تھام کر دیکھا تھا۔

"نو مام! وہ واپسی کی بات کر رہا ہے۔" یہ کہہ کر وہ بے تحاشہ رونے لگی تھی۔ پھر یہ بات ولید حیدر تک بھی پہنچ چکی تھی کہ کبیر رامین کو واپس لے جانا چاہتا ہے۔

ولید حیدر کو کبیر نے بتلایا تھا کہ کل صبح کی فلائٹ سے وہ چلا جائے گا۔ وہ ایک بار پھر ایکسکیوز کرنے کے لیے رامین کے پاس گیا تھا۔ ہلکی ہلکی دھوپ میں

کوریڈور میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ تب ہی آہٹ پر اسنے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ کافی کے دو مگ لیے ہوئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"اگر اجازت ہو تو میں بیٹھ جاؤں۔" رامین نے دونوں پیر کرسی پر رکھے ہوئے تھے۔ تو اس نے فوراً ہی اپنے دونوں پیر نیچے کر لیے تھے۔ اس نے ایک مگ رامین کی طرف بڑھایا۔ "یہ میں تمہارے لیے بنا کر لایا ہوں۔ بہت اسٹرانگ کافی ہے۔ پی کر دیکھو پاکستانی ذائقہ محسوس ہوگا۔" اس نے مگ اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا اور وہ خود برابر والی چیئر پر بیٹھ گیا۔

"بائی دا وے رامین! اتنی چہرے پر کس بات کی سوگواری ہے۔" جواب میں اس کے ہلکے ہلکے آنسو نظر آئے تھے۔ تب ہی اس نے کافی کا گھونٹ لیا۔

"میں کل رات بہت دیر تک تمہارے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ یقیناً کل بھی اور آج بھی میں غلطی پر ہوں۔ میں نے پہلے بھی خود غرضی سے کام لیا۔ تمہارے احساسات کو بغیر جانے ہوئے ایک فیصلہ مسلط کیا گیا اور آج بھی میں تمہارے اس احساس سے بالکل ناواقف تھا۔ آئی ایم ٹوٹلی رانگ رامین! پلیز رامین! تم جو چاہتی ہو وہی ہوگا۔ اب میری مرضی کا اس میں کوئی بھی دخل نہیں۔ یو بی لیو می رامین کہ تمہارے نرم رویے اور سلوک سے مجھے اپنی غلطی کا زیادہ احساس ہوا تھا۔" اور پھر وہ کچھ آگے کہتے رکا تھا۔ رامین نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"دراصل رامی محبت کے لیے کئی برسوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس ایک لمحہ ہوتا ہے جب انسان اپنے کسی بھی فیصلے پر نظر ثانی کر لیتا ہے۔" رامین نے ایک گہرا سانس لے کر کافی کا گھونٹ لیا تھا۔ اور سامنے بیٹھے ہوئے کبیر پر ایک نظر ڈالی تھی۔

"یہ بات نہیں کبیر کہ محبت برسوں میں ہوتی ہے یا ایک لمحے میں محبت تو ایک پل کا دھوکا بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ شاید تمہیں ہوا۔" اس نے دوبارہ کافی کا گھونٹ لے کر کبیر کو دیکھا تھا۔

"کبیر کو بھی دھوکا نہیں ہوا محبت ایک ایسا الوہی جذبہ ہے جو پھول کی مانند اور خوشبو سے معطر بنا۔ تمہارے احساسات ایک پل میں کبیر کے دل میں اترے تھے۔ ایسا ممکن ہی نہیں تھا کہ میں تم سے واپسی کا اظہار کرتا۔" کبیر بڑی دیانت داری سے اپنی بات اجاگر کر رہا تھا۔

"کبیر!" اس نے بہت آہستہ سے اسے پکارا تھا۔

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں تم کہتے تھے نا کہ عورت بہت کمزور ہے۔ مرد ہمیشہ فاتح کہلایا ہے اور میں کہتی تھی کبیر عورت مرد سے زیادہ پاور فل ہے۔ تم کہتے تھے کبیر کو پاور فل بن کے دکھاؤ۔ میں کہتی تھی نہ عورت چٹکی میں ایک مرد کو گھما سکتی ہے۔ ایک جاہل عورت پی۔ ایچ۔ ڈی کو فیل ڈال سکتی ہے۔ سو میں نے آج تمہارا یہ ایک امتحان تھا۔ کبیر میں نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت مرد سے زیادہ پاور فل ہے۔ میں تمہیں جیت کر ہارنے کے موڈ میں ہے انتہا خوش ہوں۔ میں کوئی راہ چلتی ہوئی معمولی سی لڑکی تو نہ تھی جس کو تم نے اپنی شدید نفرتوں میں دفن کر دیا تھا۔" وہ کبیر سے اپنے سارے حساب چکا رہی تھی۔

"لیکن رامین! صرف میں اتنا جانتا ہوں کہ میں نے چار دن میں خود کو تمہارے بہت قریب پایا ہے۔ ہر چند کہ میں بہت فاصلے پر تھا۔ میرے احساسات بھی غلط نہیں ہوتے رامین تمہیں مجھ سے محبت ہے۔" اس نے آخری سپ لے کر مگ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

ہلکی ہلکی زرد سورج کی کرنیں کبیر کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ رات شاید وہ دیر تک سو نہیں۔

ایک میچ غائب ہے۔ میچ نمبر 17

"لیکن نجانے کیوں مجھے یہ احساس ہے کہ شاید تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" کبیر کا لہجہ بہت بجھا بجھا سا تھا۔

"میں نے کہا ناں کہ میں تم سے کبھی محبت نہیں

کرتی تھی اور نہ کرتی ہوں۔ پلیز کبیر! میری خاموش دنیا میں جو پتھر پھینکا ہے تمہیں شاید اس کی آہٹ کا اندازہ نہیں۔ ڈیڈ ہارٹ پیشنٹ ہیں، ممی بھی بیمار ہیں۔ ہم سب اپنی زندگی میں اب بے حد مصروف اور مطمئن تھے کہ تم نے یوں اچانک آ کر ہماری زندگی میں ہلچل مچا دی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں لیکن ولید انکل کی یہ دلی خواہش تھی کہ میں تمہیں کسی صورت سے بھی راضی کر لوں۔" کبیر نے وضاحت کی تھی۔

"لیکن ہمارے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہے کہ کبیر واپسی کا کوئی جواز ہو۔ تمہارے پاس وانیہ کے آنسوؤں کا جواز تھا۔ سو تم نے اپنی محبتوں کا قرض چکا دیا۔ لیکن ہمارے پاس ایسا کچھ نہیں۔ نہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ تو محبت کی کہاں گنجائش نکلتی ہے۔"

"آر یو شیور رامین کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو۔" اس نے بہت گہری نظروں سے اس کے دل کے اندر جھانک کر دیکھا تھا۔

"آف کورس میں محبت نہیں کرتی ہوں ہمارے درمیان ایسی کوئی بات نہیں ہے جو واپسی کا جواز بنے۔ اگر ڈیڈ نے تمہیں میرے لیے بھیجا ہے تو انہیں بھی تم اس بات کا یقین دلا دینا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتی۔" اسکی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ وہیں مگ چھوڑ کر بہت تیز رفتار اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔

صبح جب وہ سو کر اٹھی تو اس نے وقت سے پہلے گھر چھوڑ دیا تھا۔ وہ جانتی تھی آج صبح کی فلائیٹ سے کبیر پاکستان جا رہا ہے۔

"سوری انکل! میں نے رامین سے بہت ساری باتیں ڈسکس کی ہیں وہ ایک پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی جا سکتی۔ میں پہلے بھی اس کا مجرم ہوں۔ ٹھیک ہے میں ہر تلافی کے لیے تیار تھا لیکن رامین کے پاس ہمارے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نفرتیں، محبتوں کو توڑ سکتی ہیں۔ لیکن اس کی محبت حاصل کرنا شاید میرے اختیار میں نہیں۔ آپ جو بھی فیصلہ اس کے بارے میں کرنا چاہیں گے، مجھے منظور ہے۔" اس لمحے اس کی آنکھوں میں نمی اور شرمندگی کے آثار تھے۔

"نہیں بیٹا! میری موجودگی میں ایسا نہیں ہوگا۔" ولید انکل کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ سمیعہ چچی نے بھی دکھ سے کبیر کی جانب دیکھا تھا۔

"لیکن انکل یہ ایک حقیقت ہے میں نے آپ سب کی محبتوں کو توڑنا چاہا تھا۔ لیکن اس جذبے کی آبیاری میں محبت کا تعاون ایک دوسرے کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔"

تھوڑی دیر میں اسے روانہ ہونا تھا اور وہ گھر پر موجود نہیں تھی۔ وہ اپنے انسٹی ٹیوٹ جا چکی تھی۔ فلزہ کبیر کا ہاتھ پکڑ کر رامین کے کمرے تک لے کر آئی تھی۔

"کبیر بھائی! رامین آپی جھوٹ بولتی ہیں۔ I want a show you something very special۔" اس نے باری باری تمام ڈارز کھول دیئے تھے۔ یہ دیکھیں سب آپ کی تصویریں، سب آپ کے کالمز، یہ رہی آپ کی کتاب۔ تمام چیزیں وہ جمع کرتی رہتی ہیں۔ دراصل وہ آپ سے بہت زیادہ ہرٹ ہوئی ہیں۔" فلزہ کبیر کا ہاتھ پکڑے رو رہی تھی۔ تب ہی کبیر کے ہاتھ سے بریف کیس زمین پر گرا تھا۔ چند لمحے پہلے اسے یہی خیال تھا کہ وہ پاکستان جا کر ڈائیورس کے پیپر بھیج دے گا۔ لیکن اب ایسا ممکن نہیں تھا اور شاید یہ والی بات سمیعہ چچی اور انکل ولید کو بھی نہیں معلوم تھی کبیر کے انکشاف پر وہ لوگ بھی حیرت زدہ تھے کہ رامین اس حد تک کبیر کو پسند کرتی ہے۔ لیکن کبھی اس نے احساس تک نہیں ہونے دیا۔

تب ہی ولید انکل نے بہت خاموشی سے اس کے

دراز اور شیلف بند کر دیے تھے اور ہر ایک سے کہا تھا کہ اس بات کا احساس رامین کو نہ ہو کہ ہم سب کچھ جان گئے ہیں۔ وہ سب ہی لوگ انجان سے بنے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تب ہی وہ بہت تھکی تھکی سی گھر کے اندر داخل ہوئی تھی۔ کبیر کو سامنا بیٹھا دیکھ کر ایک لمحے کو چونکی اور پھر شولڈر سے اپنا بیگ اتار کر وہ اپنے روم میں گئی تھی۔ فریش ہو کر جب وہ باہر آئی تو ہال میں ٹی وی کی آواز کے باوجود بڑی خاموشی تھی۔ تب ہی ولید انکل نے بہت پیار سے اسے اپنے پاس بلا کر بٹھایا تھا۔

"رامی! میری طرف دیکھو اب اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔" اسے معلوم تھا کہ ولید کیا کہنے جا رہے ہیں۔

"پلیز ڈیڈی!" وہ آنسوؤں سے رونے لگی۔

"رامین! میں نے حسام سے ابھی ابھی وعدہ کیا ہے کہ رامین کبیر کے ساتھ پاکستان جائے گی۔ حسام میرا بھائی ہے اور وہ اور ہم الگ الگ نہیں ہیں۔ کیا میں رہوں گا اور تمہیں یہ اطلاع ملتی تو تم کیا کرتی؟ مجھے جواب دو۔"

"ڈیڈی پلیز!" وہ اور زیادہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ "ممی پلیز ڈیڈی کو سمجھایئے۔"

"نو، رامین! تمہیں جانا ہے وہاں سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں کبیر اکیلے نہیں جائے گا۔ ہم نے اسے روکا ہے۔ محبت کرنے والوں کو دکھ نہیں دیتے۔" انہوں نے بیٹی کے ماتھے کو بہت پیار سے چوما تھا۔ تب وہ ممی سے لپٹ کر بہت روئی تھی۔

کبیر فوراً وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ دوسرے دن رامین اور کبیر کی پاکستان روانگی تھی۔ پاکستان میں "حسام ولا" میں ایک بار پھر جشن کا سماں تھا۔ علی اور وانیہ بے حد خوش تھے اور حسام انکل کا تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔

عید کا آج تیسرا دن تھا۔ "حسام ولا" میں ایک بڑی عید گیدرنگ کا اسی شاندار طریقے سے انتظام کیا گیا تھا۔ حسام رضوی بے حد خوش نظر آ رہے تھے۔ وانیہ نے پوری تیاریاں کی ہوئی تھیں۔ اس کی دونوں دوست حفصہ اور عمیمہ صبح سے آ گئی تھیں۔ البتہ عالیہ بیگم کو بہت گہری فکر لاحق تھی۔ اللہ جانے ہالینڈ سے آنے والی لڑکی پاکستان میں ایڈجسٹ ہو گی بھی یا نہیں۔ وہ ادھر ادھر خواتین سے عندیہ لیتی رہیں۔

وانیہ اسے سیدھا لے کر روز بیوٹی پارلر چلی گئی تھی اور جب وقت مقررہ پر وانیہ کے ساتھ رامین آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی ریڈ کارپٹ پر چلتی ہوئی اسٹیج کی جانب بڑھی تو علی، وانیہ، قلزہ اور حفصہ، عمیمہ اور دانش نے پھولوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ یوں بھی فرش پر اتنے گلاب راستے پر بچھائے گئے تھے۔ ان کے روندے جانے کا دکھ ہو رہا تھا۔ وانیہ اس کے ڈریس کو سنبھالے ہوئے آگے بڑھی تھی۔ کبیر نے اسٹیج سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا تھا۔

"Congratulations to both of you۔" کہتے ہوئے سب سے پہلے جھک کر ایمان نے کہا تو رامین نے ہنسے تھام لیا۔ "My pleasure۔"

"آہستہ آہستہ تم یہاں ایڈجسٹ کر لوگی۔ کچھ دن تک۔ ہو سکتا ہے تم کچھ پرابلم فیس کرو، ہو سکتا ہے تمہیں کچھ وقت لگے۔" کبیر نے آہستہ سے سرگوشی میں کہا۔

"کوئی ایسا مسئلہ نہیں۔ پیا کا دیس پیارا لگے۔" اس نے اٹکتی ہوئی اردو میں بہت پیار سے کہا تو کبیر کو یوں لگا جیسے ساری فضا گنگنا اٹھی ہو۔ تب ہی ولید حیدر اور حسام رضوی دونوں یک ساتھ چلتے ہوئے اسٹیج کی طرف آئے تو دونوں ایک ساتھ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس وقت ہی کبیر کے ہاتھ نے اس کا دست حنائی تھام رکھا تھا۔

☆

ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں

السلام علیکم!

صوبہ پنجاب کے ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں۔ ادارہ ماہنامہ "رداڈائجسٹ" نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نیوز ایجنٹ حاجی محمد یاسین طاہر کو صوبہ پنجاب بالخصوص فیصل آباد و گرد و نواح کے شہروں میں ماہنامہ "رداڈائجسٹ" کی ترسیل (سپلائی کے لیے) سول ڈسٹری بیوٹر نامزد کیا ہے۔

ان شہروں کے ایجنٹ حضرات محمد یاسین طاہر سے اس موبائل نمبر 0321-7531597 پر رابطہ کریں۔

چیف ایڈیٹر صالحہ محمود

READING CORNER
http://readingcomer.pk.blogspot.com

افشاں علی

افسانہ

میرا وجود دلفروز

"مجھے اپنی ذات پر بھی اتنا یقین نہیں۔ جتنا اپنے ہاتھوں کی لکیروں پر ہے۔" اپنے ہاتھوں کی لکیروں پر اتنا گمان رکھنے والی کوئی اور نہیں نشاط ملک تھی۔

پرکشش نقوش اور گوری رنگت رکھنے والی یہ لڑکی اپنی باتوں اور ذہانت سے ملنے والوں پر ایسا جادو کرتی کہ لوگ اس کی ساحرانہ آنکھوں اور باتوں کے گرویدہ ہو جاتے۔ کالج کی ہر نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتی۔

نشاط کا تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا۔ اس لیے دولت کا حصول ہی اس کی اولین خواہش و ترجیح رہی تھی۔

"یار! اتنی بھی خود اعتمادی ٹھیک نہیں، ہیں تو یہ لکریں ہی قسمت کب بدل جائے کس کو کیا خبر۔" ہم سب دوستیں نشاط کو اکثر سمجھاتیں پر وہ نشاط ہی کیا جو کسی کی بات سمجھے اور مانے۔

"نہیں یار! یہ لکیریں ہی تو ہماری قسمت ہیں۔ ایک بات بتاؤں میں بھی کسی غریب لڑکے یا مڈل گھرانے میں شادی نہیں کروں گی۔ کسی امیر کبیر لڑکے ہی سے شادی کروں گی اور پھر اپنی باقی زندگی عیش و آرام سے گزاروں گی۔ کیوں کہ دولت ہی وہ واحد ہتھیار ہے جو اگر آپ کے پاس ہو تو آپ کو فاتح عالم بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" وہ بولتی رہتی اور ہم سب دوستیں کوفت و بیزاری سے اسے سنتے، کیوں کہ کسی کے پاس بھی وہ الفاظ یا جملے نہ تھے جسے کہہ کر وہ اس کی سوچ یا ارادے کو بدل سکیں۔

نشاط کے بچ کا عمیس بھی اس کی ساحرانہ شخصیت کا گرویدہ تھا۔ لمبا قد، اسمارٹ ہینڈسم یونیورسٹی کا ہونہار اور اسمارٹ لڑکا وہ جس لڑکی سے بھی بات کر لیتا، لڑکیاں اسے خوش نصیب سمجھتیں مگر پھر بھی نشاط عجیب ہی قسم کی لڑکی تھی۔ وہ عمیس کی دیوانگی اور نظروں کے پیغام کو جانتے ہوئے بھی ہمیشہ نظر انداز کر دیتی اور اسے کبھی خاطر میں نہ لاتی۔

"یار نشو! عمیس اتنا تو ہینڈسم ہے بالکل اپنے نام کی طرح، تو تو خوش قسمت ہے کہ عمیس جیسا لڑکا تیرا دیوانہ ہے پر تو ہے کہ اسے گھاس تک نہیں ڈالتی۔" بالآخر ایک دن یونیورسٹی کے لان میں ہم نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"میں اس للو پنجو کو لفٹ کرواؤں؟ وہ میرے لائق ہے ہی نہیں۔ عمیس کے پاس شکل و صورت کے سوا ہے ہی کیا؟ ہے تو مڈل کلاس ہی، مجھے اپنی لکیروں پر بھروسا ہے تم لوگ دیکھ لینا میرا مستقبل بہت شاندار ہوگا۔" نشاط نے اپنے اس پختہ یقین کی وجہ بتائی۔

"پامسٹری۔"

"واٹ......؟" اس انکشاف پر ہم سب

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

حیرانگی سے اس کا منہ تکنے لگے۔

''ہاں! ایک پامسٹ نے میرا ہاتھ دیکھ کر بتایا تھا میرا پارٹنر بہت امیر اور اسمارٹ ہوگا۔ وہ مجھے تمام خوشیاں دے گا اور میرے نصیب میں بیرون ملک کا سفر بھی ہے۔'' اس کی بے تکی باتیں سن کر ہم سر تھام کر بیٹھ گئے۔

☆......☆

پامسٹ کی باتوں اور ہاتھوں کی لکیروں پر اندھا دھند اعتماد اور دولت کی چاہ اور امیری کے سپنوں کی خاطر نشاط نے نا صرف اپنے کزن بلکہ عمیس کا آیا ہوا پروپوزل بھی ٹھکرا دیا۔ والدین سے لے کر دوست احباب تک سب نے نشاط کو سمجھا بجھا کے دیکھ لیا۔ پر اس کی ضد ٹس سے مس نہ ہوئی۔ چار سال کا عرصہ بیت گیا، دوستوں کے گروپ سے کچھ نے پڑھائی جاری رکھی جب کہ کچھ پیا دیس سدھار گئیں۔ سب سمجھتے رہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ نشاط نے عقلمندی کی کتاب کی ورق دانی کر لی ہوگی۔ وہ پامسٹ کی باتوں کو بھلا کر ہاتھوں کی لکیروں پر یقین کرنا چھوڑ چکی ہوگی مگر ایسا کچھ نہ تھا۔

چار سال بعد یونیورسٹی کے Reunion میں جب سب دوستیں پھر سے ملیں تو نشاط کا سپنا ہنوز جوں کا توں برقرار تھا۔ اس نے تو پامسٹ کی باتوں پر ہی اپنے سپنے، مستقبل اور زندگی کی بنیاد رکھ دی تھی۔

''آپ نشاط ہیں ناں؟ میں عمیس بھائی کی کزن ہوں۔''

تبھی یونیورسٹی کی بیک سائیڈ پر موجود لان میں کھڑے خوش گپیاں کر رہے تھے، تبھی ایک لڑکی پاس سے گزرتے ہوئے رک کر بولی۔

''او اچھا! عمیس کی کزن ہو، کیسے ہیں تمہارے عمیس بھائی؟'' نشاط نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی ناممکن سی کوشش کی۔ پر اس کے الفاظوں سے جھلکتا طنز نمایاں تھا۔

''کیسے ہو سکتے ہیں؟'' وہ دکھی انداز سے بولی۔

''جب سے نشاط باجی آپ نے انکار کیا وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو کر رہ گئے تھے۔ بالکل ٹوٹ ہی گئے تھے۔ اسی دوران ان کے ممی پاپا کا باہر سیٹل ہونے کا موڈ بن گیا تو عمیس بھائی بھی ان ہی کے ہمراہ آسٹریلیا شفٹ ہو گئے۔ شاید وہاں کی آب و ہوا کا اثر ہے کہ وہ اب کافی بہتر اور کامیاب ہیں۔ اپنی لائف میں آگے بھی بڑھ چکے ہیں۔ پچھلے سال ہی انہوں نے وہیں آسٹریلیا میں شادی بھی کر لی۔ اب وہ ایک پرفیکٹ اور بہت اچھی لائف گزار رہے ہیں۔'' عمیس کی کزن تو بتا کر جا چکی تھی۔ جب کہ ہماری نظر نشاط کے چہرے کا طواف کر رہی تھی۔ جہاں ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک رنگ جا رہا تھا۔

''نشاط! دیکھا تم نے عمیس کو ٹھکرانے کا نتیجہ۔ اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ کچھ نہیں رکھا ان ہاتھوں کی لکیروں میں۔ اب تو ان چکروں سے باہر آؤ اور کچھ ہوش کے ناخن لو۔''

''جو کچھ بھی ہوا اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری لکیریں اور قسمت میرے ساتھ ہیں مجھے امید ہے دولت اور میری محبت مجھے جلد ملے گی۔'' وہ کہہ کر آگے چل دی ندامت و پشیمانی کا سایہ تک نہ تھا شاید اس ٹھوکر سے بھی اس کا سنبھلنا ممکن نہ تھا۔ تبھی اس کے کھائی کی جانب بڑھتے ہوئے قدموں کو چاہ کر بھی ہم نہ روک پائے۔

☆......☆

افسانہ

قاتل حیا

"گڈ مارننگ، گڈ مارننگ۔" وہ سر کے اشارے سے نیو کمرز کو جوابی وش کر رہی تھی۔ موٹی چھوٹی، جگہ جگہ سے بکھری ڈولتی جھلتی لڑکیوں اور عورتوں کے یکے بعد دیگرے گزرنے کے بعد آخری وش پر وہ حیران رہ گئی۔

"ارے شہنی! تم پھر.....!" بینا نے حیرت و کسی قدر غصے سے اسے دیکھا اور اچنبھے سے چلا کر کہا۔

"بینا وومن سلمنگ سینٹر۔" کو اس پوش علاقے میں اچھی خاصی اہمیت حاصل تھی اسے ابتداء میں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کیوں کہ ہمارے ہاں ابھی خواتین کو ان سینٹرز کی طرف رجوع کرنے کا رجحان نہیں ہے اور پھر غیر تربیت یافتہ من چلے افراد ان سینٹرز کے عموماً اردگرد ہی پائے جاتے ہیں مگر بینا کی مستقل مزاجی اور پرکشش و جاذب نظر فگر نے آس پاس کی عورتوں کو ضرور اس طرف راغب کیا تھا۔ بہر حال دلکش دکھائی دینا ہر عورت کا خواب ضرور ہوتا ہے۔

بینا سلمنگ سینٹر میں سب سے پہلے داخل ہونے والی لڑکی "شہنی" تھی۔ جو متناسب بدن کی مالک تھی مگر اسے خود کو دلکش و قابل دید بنانے کا جنون تھا۔

بینا پہلی نظر میں اسے دیکھ کر الجھن کا شکار ہوئی تھی۔ کیوں کہ وہ ہر لحاظ سے ایک پرفیکٹ گرل کہلائے جانے کے لائق تھی مگر وہ خود سے جانے کیوں مطمئن نہیں تھی وہ خود کو بقول اس کے "قاتل فگر" کا حاصل بنانا چاہتی تھی۔ پہلے پہل تو بینا کو لگا وہ لڑکی خود نمائی کا شکار ہے اور خود کو ماڈل شو پیس دوسروں کی نگاہوں میں چبھتا ہوا بلکہ گھستا ہوا دیکھنا چاہتی ہے مگر کمال حیرت سے اسے اب تک شہنی میں ایسی کوئی غلط اور قابل گرفت عادت دکھائی نہیں دی تھی۔ وہ خود کو چادر میں لپیٹ کر آتی اور مختلف قسم کی ایکسرسائز کر کے واپس لوٹ جاتی۔

اس میں شک نہیں کہ وہ بینا کے سلمنگ سینٹر کی پروموٹر بھی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی کافی لڑکیاں جن میں سے اکثر کا تعلق شہنی کی کزن، فرینڈ، پڑوسی ہونے کا تھا سینٹر جوائن کر چکی تھیں۔

بینا نے تین ماہ کے کورس رکھے تھے اور پہلے بیچ میں سے کامیاب شہنی قرار پائی تھی جو ہر لحاظ سے آئیڈیل فگر کی مالک تھی مگر شہنی نے دوسرا بیچ بھی جوائن کیا تھا اگرچہ بینا کے نزدیک یہ غیر ضروری تھا تاہم اس نے شہنی سے کوئی اعتراض نہیں کیا مگر آج تیسرے بیچ کے پہلے دن نئے چہروں کے ساتھ شہنی کو پھر دیکھ کر بینا کو حیرت کم غصے کا شدید جھٹکا لگا۔ اسی لیے تو وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"اوے شہنی! کیا سب مردوں کو قتل کرنے کا ارادہ ہے؟" شہنی نے عجیب سوگوار حسن کے ساتھ محض ایک ابرو تان کر اسے دیکھا اور دھیمے سے کہا۔

"سب کو نہیں صرف ایک کو۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی، بینا کو اس کے ادھورے مگر قابل فہم جملے

READING COMPANY
http://readingcompany.blogspot.com/

سے اچھا ہوا اگر وہ سر جھٹک کر اپنے کام سے لگ گئی۔

☆......☆

تمام تر دن کی تھکا دینے والی ایکسر سائز کے بعد شمنی بھیگی چپکی ہوئی شرٹ کے ساتھ ہانپتی ہوئی گھٹنوں کے بل رکوع کی طرف جھک کر تیزی سے سانس لینے لگی۔ بینا اس کے شرابور وجود کو تاول سے خشک کرنے لگی۔

شمنی اس بے تکلفی پر ذرا سی نروس ہوئی اور بینا کے ہاتھوں کو خود سے دور کر دیا۔ بینا کو اندازہ لگانے میں دقت نہیں ہوئی شمنی سوچ کے اعتبار سے غلط ہو سکتی تھی مگر فضلاً کھلے ذہن کی حامل نہ تھی۔ ورنہ اس کا یوں نروس ہو جانا بنتا نہ تھا۔

"یار شمنی! آج صبح تم نے کہا کہ صرف ایک کو قتل کرنا چاہتی ہو، مجھے حیرت ہے کہ تمہارے اس روپ کو دیکھ کر وہ اب تک زندہ رہا ہوگا کیا؟" بینا نے بات کو مزاح کے انداز میں کہا تھا مگر شمنی کے اترے چہرے کو دیکھ کر سنجیدہ ہو گئی۔

"کیا ہوا شمنی! کیا کسی بلائنڈ (اندھے) سے واسطہ تو نہیں پڑ گیا۔" بینا نے اب کی بار بھی مزاح کا رنگ اپنائے رکھا۔

"کاش کہ اس کی آنکھیں نہ ہوتیں کم سے کم اپنی ناقدری پر اتنی تکلیف تو نہ ہوتی۔" بینا کا کرینا تھا کہ شمنی کے دکھی دل کی آہوں کو زبان مل گئی۔ اس کے روہانسے لہجے اور لفظوں سے اس کے دلی کرب کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔

"وہ ہمارے کرائے دار انکل کے گھر گیسٹ بن کر آئے تھے۔ ابو نے اپنی دوست کی فیملی کو فرسٹ فلور کرائے پر دے رکھا تھا۔ ہمارا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا معمول کی بات تھی۔ اسی ہی روٹین میں، میں گھر کے رف حلیے میں انکل کے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی تھی۔ وہاں وہ صوفے پر نیم دراز تھے۔ انتہائی پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ بغیر شرٹ کے کسرتی جسم میں چند لمحوں سے زیادہ نہیں دیکھ سکی مگر اتنی نظر انداز کر دینے والی چیز تو میں بھی نہیں تھی۔ پھر کیوں انہوں نے ایک نگاہ غلط انداز تک نہ ڈالی، میں اندر جا کر کے لوٹ بھی آئی مگر اس بت میں جان نہیں پڑی۔ یہ ہماری پہلی ملاقات تھی بعد میں انکل کی بیٹی اسماء جو میری کالج فیلو بھی ہے اسی نے تعارف کرایا کہ وہ اس کے کزن "احمد حسان" ہیں۔ بزنس کے معاملات کے سلسلے میں کچھ عرصے ہمارے شہر میں رہنے آئے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتی کہ مجھے انہیں دیکھتے ہی کوئی فوبیا ہو گیا یا میں ان کی شاندار پرسنالٹی پر فدا ہو گئی تھی۔ وہ کوئی دیو مالائی شخصیت یا یونانی دیوتا نہیں تھے، بس ایک مضبوط جسم کے صحت مند لمبے چوڑے شخص تھے مگر کیا وہ آدمی نہیں تھے۔ دکھائی نہیں دیتا تھا یا گہری نیند میں تھے۔ انہوں نے ایک نظر تو ڈالی ہوتی ان کی پہلی بے رخی میرے لیے تازیانے سے کم نہیں تھی۔

صرف پہلے اثر کو زائل کرنے کے لیے اور ان کا جوابی ردعمل دیکھنے کے لیے میں بلاوجہ گیٹ سے نکلتے ان کے وجود سے جان بوجھ کر جا ٹکرائی تھی۔"

بینا جو خاموشی اور غور سے اس کی بات سن رہی تھی، یکدم خاموشی پر چونک اٹھی چند لمحے شمنی کے بولنے کا انتظار کیا مگر وہ مزید بات کرنے کے موڈ میں نہیں لگ رہی تھی۔ سو تجسس کے مارے دریافت کرنے لگی۔

"تو پھر کیا ہوا انہوں نے تمہیں گرنے سے بچانے کے لیے تھام لیا ہوگا۔ تم نے خود کو متوازن کرنے کے لیے ان کی شرٹ مٹھیوں میں دبالی ہوگی اور یقیناً احمد حسان نے جواب میں کہا ہوگا۔

"سنبھل کر ہم ہیرے کو زمین پر گرنے نہیں

دیتے۔" بینا کی انشاء پردازی کمال کی تھی مگر شمنی کے غمزدہ چہرے پر مزید اذیت کے آثار دیکھ کر وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"کاش کہ یہ سب نہیں تو اس کا پاف ہی ہو جاتا مگر احمد حسان کی ساری حسیں منجمد تھیں جو وہ مجھے دیکھ پائے نہ میرے پرفیوم کی مہک ہی انہیں متوجہ کر سکی۔ جب کہ ان کے کلون نے مجھے ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیا تھا۔ سو زمین پر گری اس آسمان کو دیکھتی گئی اور وہ مغرور پیکر آگے بھی بڑھ گیا۔" شمنی نے یہ سب اتنی دلگرفتگی سے کہا کہ بینا اس کی ہم خیال نہ ہونے کے باوجود رنجیدہ ہی دکھائی دی۔

"اور پھر تم نے سلمنگ سینٹر جوائن کر لیا تاکہ احمد حسان کے رویے سے تمہارے اندر جو کمپلیکس پیدا ہو گیا تھا اس کا ازالہ کر سکو۔" بینا نے اس کی کہانی سے جو نتیجہ اخذ کیا تھا وہ من و عن بیان کر دیا جس پر شمنی کے چہرے سے جھلکتے سر نے اثبات کی مہر ثبت کر دی مگر سوال یہ تھا کہ شمنی اب بھی خوش کیوں نہیں تھی۔

☆......☆

احمد حسان ایک پریکٹیکل انسان تھے۔ زیادہ تر وقت دو شخص وہ میں گزارنے والے شخص کے لیے زندگی کی رعنائیوں میں دلچسپی ذرا کم تھی، خود کو دیتی تسلی میرے آگے بڑھتے قدم روک دیتی مگر ایسا تو کچھ نہیں تھا وہ نہ صرف رنگ زندگی سے واقف تھے بلکہ ان کے حلقہ احباب میں کثیر تعداد، ہر رنگ، مزاج اور سائز کی خواتین بھی شامل تھیں خود انکل کی بیٹی اسماء کے ساتھ ان کی بے تکلفی میری نگاہوں سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ اصولاً مجھے ان کی ذاتیات سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے تھا مگر قلق یہ تھا کہ بے نیازی کی صفت میرے لیے کیوں تھی؟

شمنی کو اس کے سراہنے والے تو جانے کیا خواب دکھاتے تھے۔ وہ خود پسند تھی نہ خود نمائش پسند۔ ہاں کسی کی حد سے زیادہ بے رخی نے اس کے اندر آگ سی بھر دی تھی۔ وہ صحیح غلط کا فرق فراموش کر گئی تھی، اپنی تعلیم اور گھر کی دیگر ذمہ داریوں سے کنارہ کش وہ محض خود کو بنانے سنوارنے اور کسی کے اندر اتارنے کے جتن میں مصروف تھی۔ سارا دن فائلوں میں سر کھپاتے والد اور گھر بستی میں مگن قدرے لاپرواہ والدہ کے لیے اس کے اطوار پر شک کرنے کے لیے شاید وقت ہی نہیں تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ اسے کبھی کسی نے نظر انداز نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ کوئی اپسرا تھی کہ راہ چلتے لوگ رک کر اسے دیکھتے اور ایسی عامیانہ خواہش وہ رکھتی بھی نہیں تھی مگر احمد حسان کے معاملے میں وہ اتنی جذباتی اور غیر معیاری سوچ کی حامل کیوں ہو گئی تھی؟ یہ وہ سوال تھا جو بینا اس کی شخصیت کا تجزیہ کرتے ہوئے اس سے دریافت کر اٹھی۔

"میں جانتی ہوں میں ایسی منفرد نہیں کہ جو زاہد سے اس کا زہد اور عابد سے اس کا تقویٰ چھین لے مگر اتنی غیر اہم بھی تو نہیں کہ احمد حسان جیسا عام انسان جو نہ فرشتہ تھا۔ نہ فرشتہ خصلت مجھ سے نگاہ نہ ملائے۔ کلام نہ کرے، وہ میری ضد تھی کہ چاہت مگر ان کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنے کی خواہش دن بدن شدت اختیار کرتی جا رہی تھی مگر اس سنگ دل نے گرم لوہے پر ایک اور ضرب تب لگائی جب میں نے ان سے اکنامکس کی تیاری کے لیے مدد چاہی، کتنا واضح انکار تھا جو ان کے بھاری لبوں سے ادا ہوا۔

"اس بورنگ کام کے لیے نہ تو میرے پاس وقت ہے نہ ہی مجھے کوئی انٹرسٹ ہے۔" احمد حسان نے ایک سرسری نگاہ سے اسے دیکھتے گلاس منہ سے لگا لیا۔ وہ پانی حلق سے اتار رہے تھے اور شمنی اندر گرتے آنسوؤں کو نگل رہی تھی۔ ان کی ہر بات

اسے توہین کیوں محسوس ہوتی تھی۔ حالانکہ ایک بزنس مائنڈ شخص سے ایسے ہی جواب کی توقع کی جاسکتی تھی۔

شنی کے غصے سے واک آؤٹ کر جانے کے باوجود احمد حسان نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا اور رغبت سے کھانا کھاتے رہے۔

شنی دن بھر کھولتے دماغ کو پرسکون کرنے کے لیے تاویلیں دیتی رہی کہ شاید وہ اچھا کھانے کے رسیا ہیں۔ اسی لیے دوران طعام میری بات کی طرف توجہ نہیں دے سکے۔ احمد حسان کی جانب سے اس کے پاگل دل نے خود ہی عذر تراشا اور خود ہی ان کے تلخ رویے کے سدباب کی خاطر اگلے ہی دن مصالحہ دار بریانی سے سجی پلیٹ اٹھائے وہ انکل کے گیسٹ روم میں چلی آئی جہاں وہ آج کل مقیم تھے۔

احمد حسان شاید شاور لے کر نکلے تھے۔ بھیگے بالوں کو تاول سے خشک کرتے دکھائی دیے۔ روم میں ایک مخصوص مہک رچی تھی۔ شنی کو ناک کے بعد روم میں داخل ہوتے ہی ایک خوشگوار احساس ہوا شاید اس کی وجہ احمد حسان کے وجیہہ چہرے پر وہ نرم مسکراہٹ تھی جو شنی نے خود بخود اپنے لیے فرض کرلی تھی۔

"میں آپ کے لیے بریانی لائی تھی آپ کو پسند ہے ناں۔" اسماء سے حاصل کی گئی معلومات کے تحت اس نے مان بھرے انداز میں پلیٹ ان کے سامنے کی۔ احمد حسان نے روایتی شکریہ کے ساتھ اس کے ہاتھ سے بریانی وصول کی تھی۔ اس سے بڑھ کر نہ تو کوئی حال احوال کی ٹرین چلی نہ وضاحت انکار پیش ہوئی مگر وہ پچھلی کئی راتوں تک بے سکون نیندوں کی خریدار بن گئی۔ اپنی کپکپاتی انگلیوں پر ان کی بھیگی انگلیوں کا لمس جو پلیٹ پکڑتے کے دوران ذرا سا میسر آیا وہ نظر التفات کی پیاسی اسے زاد راہ سمجھنے لگی۔

☆......☆

چند دن خواب غفلت میں نہ گزرے تھے کہ وہ دشمن جاں ایک بار پھر میرا سکون لوٹ لے گئے۔

اسماء کے سرسری تذکرہ کرنے پر کہ احمد حسان کو فلو ہو گیا تھا۔ میں فلو کو فیور اور فیور کو بھی ڈینگی فیور بنا کر ایسے تڑپ اٹھی جیسے آج کے بعد وہ روئے زمین پر کبھی دکھائی نہیں دیں گے۔ دیسی مرغ کی یخنی خوب لگن سے تیار کر کے میں ان کے روم میں ایک بار پھر چلی آئی تھی۔ ہاتھوں میں تیمارداری کے اصول نبھاتے ہوئے پھولوں کا بکے لیا تھا اور شاید یہ ایک سنگین غلطی تھی۔ فلاور الرجک احمد حسان نے میرے روم میں انٹری دیتے ہی چھینکوں کی برسات میں ہاتھ کے اشارے سے بکے باہر لے جانے کی درخواست کی جو میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ ایسے کسی مرض سے میں پہلے کب واقف تھی جو وجہ چھینک جان پاتی۔ الٹا انہیں سکون دینے کے لیے یخنی کی چمچ بھر کے ان کے منہ میں ڈالنے لگی۔ لگاتار چھینکوں سے بے حال مریض کے لیے تیمارداری کا یہ روپ ہضم کرنے والا کہاں تھا۔ اس کے اپنے منہ میں ڈالتے چمچ والے ہاتھ کو جھٹک دینا اصولی تھا۔

چمچ کوسوں دور جا گرا اور میرا ہاتھ بے جان ہو کر میرے پہلو میں گر گیا۔ آنسوؤں کی دھند میں، میں ان کا روکنا اور اشارے کرنا کچھ بھی نہ دیکھ پائی اور رات بھر تکیے کو بھگو کر ان کی بے توجہی کا ماتم کرتی رہی۔

"اف ہو۔۔۔ شنی جب تم ہر عمل کے پس محرک سے واقف ہو تو پھر دل پر کیوں لیتی ہو؟" بینا اس کی انوکھی ضد سے عاجز آگئی تھی۔ اس لیے اب کی بار اچھا خاصا چڑ کر گویا ہوئی مگر شنی پر کوئی اثر ہوتا دکھائی نہیں دیا وہ ہنوز خود ساختہ غم میں مبتلا نظر آئی۔

"ہاں تو جب میں ان کے موڈ اور مزاج کو پرکھ

اور برت رہی تھی۔ تو پھر وہ کوئی نئی حرکت کر کے میرا دل کیوں توڑ دیتے ہیں۔" شنی یوں اترا کر اپنا کارنامہ بتانے لگی۔ گویا احمد حسان نے خود کو سمجھنے کی اہم ذمہ داری اس کے سپرد کی ہو۔ جسے نبھانے کی وہ ہر ممکن کوشش کر رہی ہو، بینا کے لیے وہ ایک نفسیاتی کردار بنتی جا رہی تھی۔

"میرے بکے دینے پر انہیں چھینکوں کا بخار چڑھ گیا تھا تو اسی رات میں نے انہیں کار میں کسی دوشیزہ کے ساتھ کہیں جاتے دیکھا تھا اور بینا اس محترمہ کے ہاتھوں میں پھولوں کے گجرے تھے اور موصوف کو اس وقت کوئی الرجی نہیں تھی۔" اب کے بار بینا کو اس کے موقف میں ذرا سی سچائی اور اس کے دکھ میں باریک سی ہمدردی محسوس ہوئی۔

میرے بھلکے دل نے اس الجھن کا بھی سرا ڈھونڈ لیا کہ شاید مجھ میں اور اس دوشیزہ میں اس جینز شرٹ کا فرق تھا۔ جو وہ زیب تن کیے ہوئے تھی میرا سادہ لباس انہیں اٹریکٹ کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اسی لیے کچھ دنوں بعد جب وہ بزنس ٹور سے واپس لوٹے تو ان کے استقبال کے لیے گیٹ میں نے کھولا اور میں نے اس دن جینز شرٹ کا سہارا لیا تھا ان کی نگاہ میں سمانے کے لیے۔

"تم کہو بینا! مجھ پر یہ لباس سوٹ کرتا ہے یا نہیں؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے بینا کو تکنے لگی اور بلاشبہ بینا کی خاموشی اور نگاہوں کی پسندیدگی اس کی بات کا جواب تھی۔ کیوں کہ وہ شنی کو بارہا اس پیرہن میں بجلی گراتے دیکھ چکی تھی۔

بلیک ٹائٹ جینز اور وائٹ شارٹ شرٹ جس کی ہاف سلیوز کٹ کی بدولت کاندھوں تک عریاں نظر آتی تھیں شرٹ ٹائٹ ہونے کی وجہ سے گلا ڈیپ ہو گیا تھا۔ لباس آتش فشاں تھا تو جذبات بے لگام وہ خود کو ان کی آنکھوں میں سجا دیکھنا چاہتی تھی۔

احمد حسان نے ایک بھرپور اور گہری نگاہ سے اس کا جائزہ لیا دروازے پر ایستادہ ایک مرد کا بت خواہ چند سیکنڈ کے لیے تھا مگر اس کے بے کل دل کو طفلانہ خوشی بخش گیا تھا۔

آج پہلی بار وہ خود کو اس پر حاوی محسوس کر رہی تھی مگر یہ مرعوبیت اور شنی کی خوش فہمیوں کا سیریل جلد ہی اختتام پذیر ہو گیا۔ کیوں کہ وہ موبائل کان سے لگائے آگے بڑھ گئے تھے اور جاتے سے خدا حافظ تک کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

شنی جو ان کی زبان سے ایک طویل تعریفی قصیدہ سننے کی متمنی تھی۔ اس تمام آرائش وزیبائش سے مقصود بھی شاید یہی سوچ تھی مگر معاملہ برعکس نکلا احمد حسان لفظوں کے ہیر پھیر کے بجائے ڈائریکٹ ہیرا پھیری پر اتر آئے۔ اس رات اسماء کے منہ سے لباس کے نام پر بے لباسی کا لیکچر سن کر وہ اچھی طرح جان گئی تھی کہ اسماء کے منہ میں کس کی زبان رواں ہے۔

☆—☆

بینا کے لیے شنی ایک دلچسپ کردار بنتی جا رہی تھی۔ اس کے اندر معصومیت، ضد، جنون اور مستقل مزاجی کا مربوط امتزاج تھا۔ وہ دل سے سوچنے کی قائل تھی اور یہ دل ہی تھا جو اس کی معصومیت اور سادگی کا دشمن بن گیا تھا۔ اسی دل نے اس کی پسندیدگی کو ضد میں بدل کر اب جنون کی شکل اختیار کر لی تھی اور اس جنون کو جس مستقل مزاجی سے شنی قائم رکھے ہوئے تھی وہ بینا کے لیے دلچسپ صورت حال تھی۔

"جہاں تک میرا خیال ہے احمد حسان ایک مضبوط ارادے کے مالک اور سیلف کنٹرولڈ مین ہیں۔ آئی تھنک وہ تم سے انجان نہیں مگر تمہاری خوش فہمی کسی غلط فہمی میں نہ ڈھل جائے اس لیے تم سے دانستہ روگرداں ہیں۔" بینا نے شنی کی طویل

READINGSCORNER
http://readingscorner.blogspot.com

خاموشی پر بالآخر وضاحتی بیان داغا۔ شمسی نے طنزیہ اور تمسخرانہ نگاہ سے اسے دیکھا۔

"ہاں میں جانتی ہوں وہ زیرک انسان میرے جذبات سے نا آشنا نہیں تھے۔ وہ رفتہ رفتہ چنگاری کو پھونکوں سے ہوا دے رہے تھے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں کیسے بن پانی کے مچھلی کی طرح تڑپ اٹھتی ہوں۔ میں نے ڈیلی ٹنٹ ایکسر سائز سے خود کو تراشیدہ مجسمہ کی مانند بنایا۔ اس مجسمہ کو ہر مزاج اور ثقافت کا لبادہ اوڑھایا۔ ایک پجارن کی طرح ان کے ارد گرد گھومتی رہی اور جوگن کی طرح ان کے اوقات کار میں گم رہی مگر اس پتھر میں جان نہیں پڑی۔"

☆......☆

کیسے زمانہ شناس انسان تھے احمد حسان، شمسی کے والد سے جانے کون سے مسئلے پر ڈسکس کرنے ان کے گھر چلے آئے تھے۔ چند دن جو اس نے خود کو سنبھالنے اور آئندہ ان کے سامنے نہ آنے کی تاکید کرتے گزارے تھے سب مٹی کا ڈھیر ثابت ہوا وہ ایک غیر متوقع قدم اٹھا کر سارے ارادے من پسند بنا گئے۔ کتنا عجیب تھا کہ ان کے سامنے نت نئے روپ سنوارتی نک سک سے تیار ہوتی شمسی اس وقت گھر کے ڈھیلے، مسلے ہوئے کاٹن کے سادہ شلوار قمیص میں ٹخنوں تک شلوار اٹھائے ٹیرس کی دھلائی میں مصروف تھی۔ مٹی سے بھرے جوتوں پر نگاہ پڑتے ہی وہ مقابل پر جھپٹنے کے لیے آگے بڑھی مگر احمد حسان کے نفیس پیکر کو دیکھ کر فریز ہی رہ گئی۔

ان کا سامنا وہ بھی اس انداز میں شمسی کو بوکھلا گیا تھا وہ بنا انہیں سلام کیے اندر جانے کے لیے ان کے پاس سے گزری۔

"آپ کے ہاں گھر آئے مہمان کو ویلکم کہنے کا رواج نہیں ہے۔" احمد حسان نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اعزاز کلام بخشا تھا۔ شمسی لب دم مریض کی مانند انہیں تکے گئی۔ زبان سے بات تو وہ تب بھی نہیں کر پائی تھی جب وہ نگاہ تک نہیں اٹھاتے تھے۔ آج گہری آنکھوں کے عجب احساس سے قوت گویائی کہاں باقی تھی۔

وہ احساس سے عاری تھے نہ رنگوں سے خالی۔ یہی وجہ تھی کہ اس بار بے اتفاقی ان کے حصے میں آئی۔ شمسی کے بنا جواب دیے کمرے میں محصور ہو جانے کا عمل جانے اس کے لیے کیا سندیسہ لانے والا تھا۔

☆......☆

"تم ان کی توجہ کی طلب گار تھیں وہ حاصل تو ہوئی پھر اداسی کا سبب کیا ہے؟" حیا نے یکدم سوال اٹھایا گویا وہ اس کے خاموش ہونے کی ہی منتظر ہو۔

"مجھے بھی تمہاری طرح یہی لگتا تھا کہ یہ محض ان کی بے رخی کا ری ایکشن ہے مگر اس دن کے بعد مجھے لگا کہ میرا مقصد صرف یہی نہیں تھا میں فاتح کہلانا چاہتی تھی۔ ان کو اپنے لیے تڑپتا دیکھنا چاہتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ ابھی کا انداز انہیں لوٹاؤں انہیں عقل گاہ لا کر قتل کرنے کے بجائے تڑپنے بلکنے کے لیے چھوڑ دوں۔ وہ مجھ سے میرا آپ چاہیں اور میں بھیک کی طرح خود کو انہیں بخش دوں۔"

شمسی جنونی کیفیت میں خرافات ذہن سے پردہ اٹھائے گئی۔ حیا کو لگا اس کا شوق ستائش اسے گہری کھائی میں گرا دے گا جہاں سے پچھتاوؤں کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ ہر چیز کی زیادتی تباہی کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے تو خواہشات کی زیادتی بذات خود تباہی ہے۔

"شمسی! تم نے احمد حسان کے ہر فعل سے خود ساختہ توجیہات بنا کر دل کو تسلی دی۔ اس معمولی نظر التفات سے کچھ فرض نہیں کیا؟" حیا کے استفہام پر شمسی کی خاموشی یا تو اس بات کی دلیل تھی کہ اس کے ذہن میں کوئی واضح نقشہ نہ تھا یا پھر وہ اپنی سابقہ کیفیت سے نکل نہیں پائی تھی۔ بہر حال حیا نے اپنی

بات کو حتمی شکل خود ہی دے دی۔

"شمسی تم نے احمد حسان کی سراہتی نگاہ پانے کے لیے سب کچھ کیا، کبھی خود کو سنوارا، تو کبھی سنور کے بگاڑا۔ شمسی کیا کبھی خود کو ان کی نگاہوں سے چھپا کر بھی دیکھا؟"

حیا کے آخری لفظوں نے شمسی کو حیرت کی حد تک متوجہ کیا۔ وہ یک ٹک اسے تکنے لگی یہ کیسی ترکیب تھی جو اس کے ہیجانی دماغ میں بھی نہ آئی۔ اس ذرا سے سوال نے اس کے اندر کیا کیا کہانی ترتیب دی۔ حیا ناواقف تھی مگر ایک بات وہ جانتی تھی وہ واعظہ نہ تھی باعمل ناصح نہیں تھی مگر اللہ جب کسی کو ہدایت کے لیے چن لیتا ہے تو اپنے بندوں میں سے کسی کی زبان سے ادا ہو جاتا ہے۔

☆......☆

کھلکھلاتی، چہکتی آواز نے حیا کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ کتنی بھرپور مسکراہٹ تھی اس کے لبوں پر بکھنے والی، حیا کے لیے اسے نظر بھر کے دیکھنا سو گوار اور منتشر انداز فکر کی حامل شمسی سے آخری طویل نشست کے بعد آج کئی ماہ بعد ایک آرٹ گیلری میں سامنا حیا کے لیے کئی انکشافات ساتھ لے کر آیا۔

وائٹ لانگ شرٹ ود پلین پرنٹ کا دلفریب دوپٹہ، ہاف بالوں کو کیچر لگائے، نفیس سی جیولری پہنے متناسب جاذب نظر دکھائی دیتی شمسی اس کے لیے اجنبی نہیں تھی مگر بات بات پر کھنکتی ادا ضرور نئی تھی۔ شمسی حیا پر نگاہ پڑتے ہی خود پاس چلی آئی۔

"بندہ ناقل ابھی تک زندہ ہے یا......" حیا کے ادھورے سوال کا مطلب جان کر شمسی کی کھل کھل میں دبی آہ بہت معنی خیز تھی۔

"زندہ ہے وہ بھی ہماری زلفوں کی چھاؤں تلے۔" شمسی کے مختصر جواب میں چھ ماہ کی ساری کہانی رقم تھی۔ شمسی حمید سے شمسی احمد حسان بنے وہ اس وقت اس کے پہلو میں کھڑی تھی اور حیا کو بنا پوچھے اس کے سوالوں کا جواب مل گیا تھا۔

شمسی زندگی کے رنگوں سے بھرپور تھی احمد حسان رنگ آشنا تھا۔ اس کا تغافل لوہے کی لکیر نہیں مٹی کا ڈھیر تھا۔ چاہت روح پرور ہوتی ہے اور اگر جنون کے دھاگوں میں پرو دی جائے تو روح کھینچ بھی لیتی ہے۔ کبھی بج کر، کبھی مہک کر تو کبھی لپک کر وہ دل میں ہلچل مچاتی تھی مگر جب حیا کے رنگوں میں سمٹ کر احمد حسان کے سامنے آئی تو دل میں اترے بنا لوٹ کر نہ گئی۔

پروانے نے سر جھکایا تو شمع خود اس کے پاس چلی آئی احمد حسان ان کے پروپوزل پر وہ اپنے تیغ قلم بھی ہتھیاروں کے ساتھ اس کی زندگی میں چلی آئی۔

"وہ غیر معمولی تھی نہ میں لاابالی اس کی چاہت میں اثر تھا یا اپنی چاہت سے چاہے جانے کی خواہش شدید تھی۔ مجھے لگا کہ وہ میرے ہی لیے تخلیق کی گئی ہے جھلا کر بگاڑ دینا آسان ہے مگر ساتھ لگا کر سنوارنا اس سے بھی آسان اور بہت ہی حسین۔

جب پہلی بار اسے چادر میں لپٹا دیکھا تو احساس ہوا جو میری خاطر حدود کراس کر سکتی ہے وہ حدود کا پیرہن اوڑھ بھی سکتی ہے ایسی چاہت کو نہ چاہنے کا غلط فیصلہ احمد حسان کیسے کر سکتا تھا؟"

احمد حسان سے تعارفی علیک سلیک کے بعد شمسی کو اپنانے کے بابت کیے گئے حیا کے استفسار پر اس کا نقطہ نظر انتہائی واضح تھا اگرچہ اس نے سارا کریڈٹ شمسی کی چاہت کو دیا تھا مگر شمسی اور حیا جانتی تھیں کہ اصل کمال وفا کا نہیں۔ حیا کا تھا۔ حیا کا زیور جب نکھارتا ہے تو سراپے بنجر رہا نہیں جاتا۔ دنیا کا کوئی بھی پیرہن حیا کی چادر کے بنا نامکمل ہے اور بے اثر بھی۔ وفا میں جنون ہوتا ہے تو حیا میں تاثیر۔

☆......

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 3

سرخ کی شہزادی

"بھائی صاحب زندہ ہوتے تو میں ان کو انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ آپ ہماری بڑی ہیں، خود چل کر آئی ہیں، میں بھلا آپ کی بات سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔ جو آپ کی خوشی ہو ہم وہی کریں گے۔"

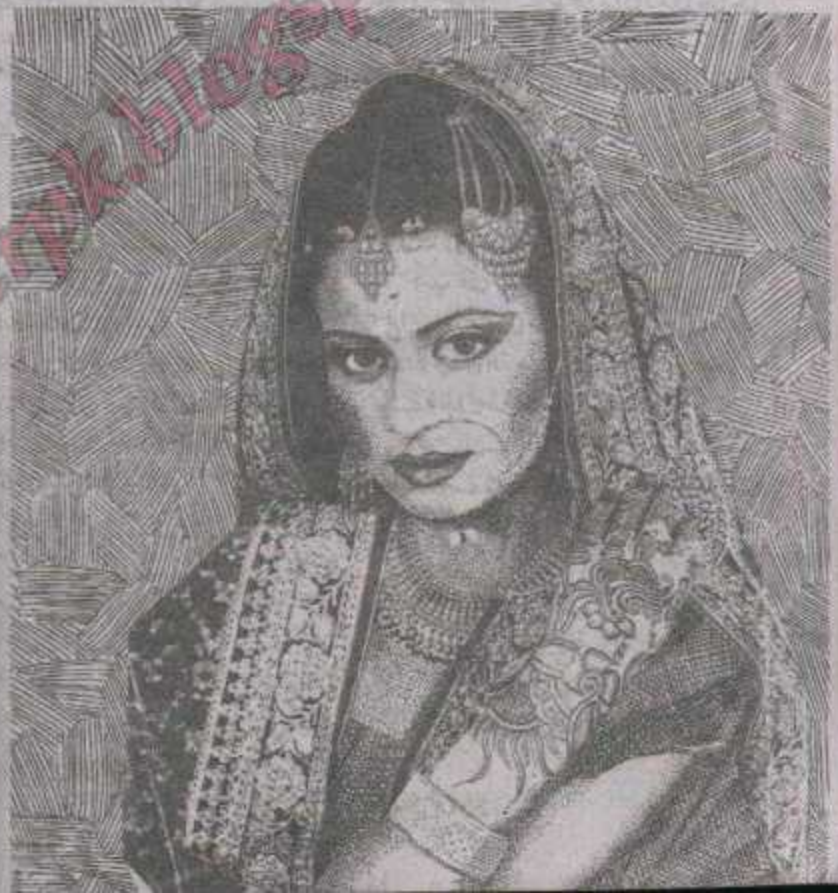

خلیل احمد کے لہجے میں خلوص و سچائی تھی۔

"خدا آپ کو خوش رکھے، آپ کا کلیجہ ٹھنڈا رکھے، اپنی اولاد کا سکھ دیکھیں آپ نے تو مجھے معتبر کر دیا۔ میرا مان رکھ کر سدا خوش رہو۔" وہ رونا بھول کر دوپٹہ پھیلائے ان کو دعا دینے لگیں تھیں۔

شمشاد بیگم نے آنسو پیتی راحت کو دکھ سے دیکھا تھا۔

☆.....☆

ساجدہ جہاں کو آئے آج تیسرا دن تھا کہ بدر غفار کی کال آئی تھی وہ کچھ ہی دیر میں انہیں لینے آ رہا تھا۔ زمرد نے جب سے اس کی آمد کا سنا تھا خوشی سے پاگل ہو رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح آکاش کو آفس کال کر کے اپنی خوشی شیئر کی تھی اور گھر آنے کے لیے کہا مگر اس نے خلاف توقع ضروری میٹنگ کا کہہ کر

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

آنے سے معذرت کرلی تھی۔

آکاش کا انداز کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ وہ بجھ سی گئی اور بے دلی سے فون کریڈل پر رکھا تھا۔

اس کی کوئی بھی خوشی آکاش کی ذات کے بغیر مکمل ہی کب ہوتی تھی۔ لمحے سرکتے رہے، جس شاہکار کا انتظار تھا آخر آ ہی گیا۔ وہ اپنے کمرے کے کشادہ دریچے میں کھڑی اس شاندار سے سفید اسٹائلش ٹو پیس سوٹ میں ملبوس گاڑی سے اترتے شہزادے کو دیکھتی رہی، ملازموں کو پہلے ہی اس کی آمد سے باخبر کردیا گیا تھا۔ وہ اسے ساتھ لیے اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔ لاؤنج میں گھر کے سارے افراد ماسوائے آکاش و زمرد کے تشریف فرما تھے۔ خلیل احمد سفید کرتا شلوار میں ملبوس باوقار سے انداز میں بڑی بھابی سے محو گفتگو تھے۔ گاہے بگاہے ہاتھ میں پکڑا پائپ بھی منہ تک لے جاتے۔ ملازموں کی معیت میں اندر داخل ہوتے بلا کے خود اعتماد و شاندار شخصیت کے مالک بھتیجے کو دلچسپی و خوشی سے دیکھتے وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔

"السلام علیکم، چچا جان!" وہ آگے بڑھ کر ان سے بغل گیر ہوا، خلیل صاحب کے انداز میں بھی والہانہ گرم جوشی تھی۔

"کہاں رہ گئے تھے ڈیشنگ پرنس! بہت انتظار کروایا۔" انہوں نے باقی خواتین سے ملتے بھتیجے کو مسکرا کر دیکھا۔

خواتین سے مل کر چچا کو شائستگی سے جواب دیتا وہ خلیل احمد کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

وہ اپنے خوبرو اور ذہین بھتیجے سے اس کے دن بدن پروان چڑھتے لیدر گارمنٹ بزنس کے بارے میں گفتگو کرنے لگے تھے۔

راحت بیگم نے خالص دامادوں والا پروٹوکول دیتے، بہت پر تکلف چائے، ساتھ میں لوازمات کا اہتمام کیا تھا۔

"ماں جی، اب چلنا چاہیے۔" وہ ساجدہ جہاں کی سمت متوجہ ہوا۔

"چلیں گے، کیوں نہیں پہلے زمرد کو تو بلالوں، میرا انتخاب تو دیکھ لو۔ کل کو ایسا نہ ہو ماں کو الزام دو کہ شادی سے پہلے میں نے لڑکی کو نہیں دیکھا تھا۔" انہوں نے اپنی بات کے اختتام پر قہقہہ لگایا۔ بدر خاموش رہا۔

"ہاں بھئی راحت، زمرد کو تو بلاؤ۔" خلیل احمد نے بیوی کی سمت دیکھا، وہ سر ہلاتے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔

"دادی، آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ گاؤں کی آب و ہوا آپ کی صحت پر اچھا تاثر ڈالے گی۔ آپ کو چینج مل جائے گا۔" بدر نے بہت محبت و ادب سے شمشاد بیگم کو مخاطب کیا جو خاموش سی بیٹھی تھی۔

"خوش رہو بچے، اب گھومنے پھرنے کی عمر کہاں ہڈیوں کے درد نے پریشان کر رکھا ہے۔" وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتیں، تھکی تھکی سی بولیں تھیں۔

دادی پوتا باتوں میں مگن تھے کہ راحت بیٹی کو ساتھ لیے اندر داخل ہوئیں۔ زمرد نے سب کو مشترکہ سلام کیا اور ماں کے پہلو میں ہی بیٹھ گئی۔

سامنے ہی تو وہ دشمن جان بیٹھا تھا جو اس کے خوابوں خیالوں پر قابض تھا۔ ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈال کر سر کی جنبش سے سلام کا جواب دیتا وہ پھر سے باتوں میں مگن ہوگیا۔

ساجدہ جہاں خلیل احمد سے شادی کے اہم معاملات طے کرنے لگیں۔ وہ گاہے بگاہے، ماں اور بیوی سے بھی مشورہ لے لیتے۔ بدر خاموشی سے انہیں سن رہا تھا۔ زمرد بغور اس شاندار سے مرد کو دیکھ رہی تھی جو اس کے سامنے مجسم بیٹھا تھا۔

اس نے بدر کے مضبوط خوشبو دیتے سراپے کو دیکھا۔ اف یہ اس کی نس نس میں لہو کی طرح دوڑتا شاندار انسان جسے پانے کی تلاش اسے خوار کرگئی تھی۔ تب کہیں جا کر اسے ملا تھا۔ اس کا تصور و تخیل، اس کا خواب کز یل وہ مضبوط مرد کی صورت اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ اس سے بڑھ کر خوش بختی بھلا کیا تھی؟

"کل میری برتھ ڈے پارٹی ہے اگر آپ رک جاتے تو خوشی ہوتی۔" بدر نے خود سے مخاطب ہوتی چچا زاد کو دیکھا جو اس سے عمر میں بہت کم تھی مگر اس کی زندگی میں شامل ہونے جارہی تھی۔

سفید نیٹ کے پاؤں کو چھوتے لباس میں ملبوس جالی کے ہی خوب صورت شوز پہنے، گلابی رنگت، نیلی آنکھوں اور لہریے دار سنہرے بالوں والی وہ کم عمر حسین شہزادی، صرف دو پل کے لیے اس کی سحر زدہ کردینے والی نظریں اس حسین شہزادی کی طرف اٹھی تھیں اور پھر وہی ازلی خول اسے اپنی قید میں لے چکا تھا۔

"مجھے اہم کانٹریکٹ کے سلسلے میں یو کے جانا ہے۔ صبح کی فلائٹ ہے۔ اس لیے رک نہیں سکوں گا۔" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں کہہ کر خلیل احمد کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ تو اس نے محسوس کر ہی لیا تھا۔ اس کی زندگی میں آنے والی بولڈ اور طرح دار لڑکیوں سے قدرے غیر معمولی پن سا تھا زمرد میں۔ انداز گفتگو، حسن اور خوب صورت سراپا مادرائی و منفرد سا تھا۔ اس کا ازلی اعتماد و نخرے، بیٹھنے اور چلنے کا غیر معمولی شاہانہ سا انداز اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔

وہ جس محفل میں جاتی سکوت چھا جاتا، لوگ اس کے حسن سے دم بخود رہ جاتے۔ اس حسین لڑکی نے اپنے مغرور شہزادے کو پالیا تھا مگر اندر ہی اندر اس کا انداز اس نازک شہزادی کو کھلتا تھا۔ وہ سارے لوگ کھڑے ہو چکے تھے۔ زمرد بھی خواب کی سی کیفیت میں اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

وہ خوب صورت اٹھان والا شاندار سا سب سے الوداعی کلمات کہہ کر رخصت ہو رہا تھا مگر اپنی شہزادی کی تشنہ آنکھوں کی حسرت اسے نظر نہیں آئی تھی۔ بھلا کیونکر نظر آتی، اس نے ایک بار بھی استحقاق بھری بھرپور نظر اس پر نہیں ڈالی تھی۔

☆......☆

خلیل احمد نے اکلوتی بیٹی کی سالگرہ ہر سال کی طرح اس سال بھی ہوٹل میں منعقد کروائی تھی۔ انسانوں کا ایک ہجوم وہاں انوائیٹڈ تھا۔ بلیک ٹو پیس میں ملبوس آکاش سنجیدہ و باوقار سا بہت شاندار لگ رہا تھا۔ اس کی وارفتہ و بے قرار نظریں زمرد کے حسین چہرے پر مرکوز تھیں۔

وہ پنچ کلر کے خوب صورت لانگ ڈریس میں ملبوس ادھر سے ادھر گویا تتلی کی طرح اڑتی پھر رہی تھی۔ سنہری بال خوب صورت انداز میں سیٹ کیے تھے۔ وہ یوں بھی ہر جگہ ہر محفل میں نمایاں ہوتی تھی۔ آج تو پھر اس کی برتھ ڈے پارٹی تھی۔ اس تقریب کی خاص الخاص مہمان، ہر توجہ، ہر نظر اسی پر جمی تھی۔ کتنے ہی نوجوان تھے جو اس کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ ایک سے ایک شاندار و خوبرو، مگر وہ نیلی آنکھوں والی

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

نازک سی لڑکی کسی کی سمت متوجہ نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے خوابوں کے شہزادے کو پالیا تھا۔ اس کی تلاش ختم ہو چکی تھی۔

بہت سے تحائف و پھول اسے پیش کیے جا رہے تھے۔ سب سے پہلا گفٹ ہمیشہ کی طرح اسے آکاش نے ہی دیا تھا۔

کیک کاٹنے کا مرحلہ آیا تو راحت نے اپنی شاندار و حسین بیٹی کو اشارہ کیا۔ زمرد بخوبی سمجھ گئی۔ اس نے آکاش کا ہاتھ تھاما اور ٹیبل کی سمت بڑھی جہاں کئی منزلہ کیک موم بتیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ٹیبل کے چاروں طرف انسانوں کا جم غفیر تھا۔ تالیوں اور سیٹیوں کا شور ایسا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اس نے اعتماد سے مسکراتے، خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ کیک کاٹا۔ ماں باپ نے اسے ساتھ لگا کر والہانہ خوشی کے احساس سے مبارک باد دی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے سنڈریلا!" اس کا بوجھل لہجہ جذبوں کی حدت سے بھرپور تھا۔

"تھینکس۔" وہ مسکرائی۔ روپہلے بہار کی سی حسین مسکراہٹ ڈنر کے بعد وہ اپنی دوستوں میں گھری باتوں میں مگن تھی۔ آکاش اس کی سمت آنا چاہتا تھا مگر اسے دوستوں میں مصروف پا کر رک گیا۔

"پرنسز روز! تمہارا پرنس تو بہت ہینڈسم لگ رہا ہے۔ بھئی کیا شاندار لگ رہے تھے تم دونوں واہ کیا سین تھا۔ تم اس کا ہاتھ تھامے ٹیبل تک جا رہی تھیں۔" سبرینہ کھلکھلائی۔

"کتنی بار کہوں تم لوگوں سے وہ میرا پرنس نہیں۔" زمرد ایک ادا سے بولی تھی۔

"تو کیا، وہ ڈیئر برادر ہے تمہارا؟" اس نے آنکھ دبا کر شرارت سے کہتے نفیسہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔" نیلی آنکھوں والی لڑکی کی بے نیازی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ آکاش کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

"سبرینہ تمہیں برادر کی جگہ مدر کہنا چاہیے تھا۔ بھئی جس طرح اس نے ہماری جولی بے بی کو سنبھالا ہوا ہے، اس سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کسی حد تک ہماری زمرد کی ممی بھی آرام میں ہوں گی، بھئی ان کی بے بی آکاش کی بے پالک جو ٹھہریں۔" نفیسہ کی بات پر فرمائشی قہقہوں کا طوفان امڈ پڑا تھا۔

"شٹ اپ نان سینس!" زمرد نے مسکراتے ہوئے نفیسہ کو گھورا تھا۔

☆......☆

ہوٹل سے رات گئے ان کی واپسی ہوئی تھی۔

سیاہ گرم نائٹی میں ملبوس اس کا دودھیا رنگ چم چم کر رہا تھا۔ چہرے کی ملاحت و معصومیت نے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے۔

"گفٹس دیکھنے چاہیے۔" نیند تو اسے ویسے بھی نہیں آ رہی تھی۔ میز اور اس کے ارد گرد قالین پر پڑے بے تحاشا چھوٹے بڑے پیکٹس اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔

آکاش کے نام کا چھوٹا سا پیکٹ اس کے ہاتھ لگا تو اس نے ریپر بے تابی سے پھاڑ ڈالا۔ نیلی مخملی چھوٹی سی ڈبیا تھی اور ساتھ کارڈ بھی تھا۔ اس نے کھولا۔ "میری آفر پر ایک بار پھر غور کر لینا۔ جو لڑکی میرے بغیر ایک لمحہ نہیں گزار سکتی وہ پوری زندگی میرے بغیر کیسے گزارے گی؟ تمہارے جواب کا منتظر آکاش۔"

اس نے کارڈ پھینک کر مخملی ڈبیا کھولی، ہیرے کی جگمگاتی انگوٹھی جگر جگر کرتی براجمان تھی۔

وہ غصے سے تمتماتا چہرہ لیے طیش کے عالم میں اٹھی تھی۔ اس کے تیز قدموں کا رخ آکاش کے کمرے کی سمت تھا۔

وہ تولیے سے گیلے بال رگڑتا سنگار میز کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ دروازہ کھلا اور زمرد آندھی طوفان کی طرح اندر آئی تھی۔ وہ حیرت سے پلٹا۔

"کیا مطلب ہے اس کا؟ بار بار مجھ سے یہ سب کہہ کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟ جب میں تم سے کہہ چکی ہوں میرے پرنس تم نہیں۔ بدر ہے۔" ہاتھ میں پکڑی ڈبیا آکاش کو دے ماری جو اس کے مضبوط کشادہ سینے سے ٹکرا کر زمین بوس ہو گئی تھی۔

"کل کے پچھتاوے سے بہتر آج کا یہ مشکل ترین فیصلہ ہے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں اس دنیا میں واحد ایسا شخص ہوں میں، جس کے ساتھ تم خوش رہ سکتی ہو۔ وہ ویسا نہیں جیسا تم سمجھی ہو ایک انا پرست اور حاکم ذہنیت کا شخص ہے وہ۔" وہ ایک بوجھل سانس لیتا تحمل سے گویا ہوا تھا۔

"وہ حاکم ذہنیت کا شخص ہے تو مجھے بھی اس کی رعایا بننے میں کوئی تامل نہیں، میں اس سے محبت کرتی ہوں یاد ہے میں نے ایک دن تم سے کہا تھا اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، چاہے وہ جھونپڑی میں رہنے والا لکڑ ہارا ہی کیوں نہ ہوا اگر وہ میرے خوابوں کا شہزادہ ہے تو میں بغیر کسی عار یا جھجک کے اس کے ساتھ جھونپڑی میں بھی رہ لوں گی۔" اس کے ذکر سے ہی زمرد کے چہرے پر جگمگاہٹ اتر آئی تھی۔

"وہ ایک الگ موقف ہے مگر تم جیسی حساس و نازک لڑکی کو ہر پل توجہ اور اظہار چاہیے، جو وہ تمہیں کبھی نہیں دے گا۔ وہ تم جیسی حسین شہزادی کو سونے کے پنجرے میں تو قید رکھ سکتا ہے مگر تمہاری قدر کبھی نہیں جان سکتا۔ اس کی توجہ حاصل کرتے کرتے تم مر جاؤ گی مگر وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔ جانتے بوجھتے کنویں میں کودنا کہاں کا انصاف ہے؟ زمرد اپنے ساتھ ایسا ظلم مت کرو، باز آ جاؤ، تم میرے بغیر نہیں رہ سکتیں۔" وہ اسے سمجھاتے سمجھاتے ٹوٹ گیا۔ اس کے لہجے اور آنکھوں کی نمی اس کے احساسات کی ترجمانی کر رہے تھے۔

"وہ جیسا بھی ہے۔ مجھے اس کے ساتھ نبھا کرنا ہے۔ تم دیکھ لینا اپنے دعوے میں کس حد تک خوش گمان تھے۔ یہ تمہیں وقت بتائے گا۔ اپنی طرف راغب کرنے کے لیے مجھے اس سے ایسے بدگمان کرو گے یہ مجھے ہرگز اندازہ تک نہ تھا۔" وہ افسوس بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو زمرد!" اس نے آکاش کی بات درمیان میں کاٹ دی۔

"چاہے تم مجھے چاہتے ہو میری اداسیوں، میری خواہشوں، میری خوشیوں اور میری ذات کو جتنا بھی سمجھتے ہو جانتے ہو مگر میری سوچوں کا محور تم نہیں۔" اپنی بات پوری کر کے وہ جا چکی تھی۔

"اسی بات کا تو دکھ ہے کہ میں تمہاری سوچوں کا محور ہوں مگر اس بات کا اندازہ تمہیں تب ہوگا جب واپسی کے ہر راستے بند ہو چکے ہوں گے۔ تب بہت دیر ہو چکی ہوگی اور اس آگہی کا درد و اذیت کا عالم کیا ہوگا، میں بیان نہیں کر سکتا۔" اس کی سیاہ بھنورا آنکھیں جل اٹھی تھیں۔ وہ جھکا اور مخملی ڈبیا کو کسی قیمتی متاع کی طرح ہاتھوں میں اٹھا کر سینے سے لگایا تھا۔

"یہ تو طے ہے کہ اس انگوٹھی نے تمہارے ہاتھ میں ہی جگمگانا ہے۔"

☆......☆

وہ گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ راحت بیگم نے اسے زمرد کو کالج ڈراپ کرنے کا حکم دیا تھا۔ پرحکمت نیلے سمندری آنکھوں والی وہ اپنے مخصوص اعتماد سے سیٹ پر براجمان ہو چکی تھی۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے مین روڈ پر ڈال دی۔ وہ اتنی خاموشی و سنجیدگی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا گویا اکیلا محو سفر ہو۔

اس نے شاید اندر کی گھمبیر خاموشی سے گھبرا کر ٹیپ آن کر دیا۔ نصرت فتح علی خان کی آواز میں اپنا مخصوص پسندیدہ گانا لگا دیا تھا۔ زمرد یہ گانا سننے پر اکثر اس کا مذاق اڑاتی۔

حسن جاناں کی تعریف ممکن نہیں آفریں آفریں۔

زمرد کو اس کی خاموشی اور اسے اپنا اگنور کرنا بہت برا لگ رہا تھا۔ اس نے ڈرائیونگ کرتے آکاش کی سمت دیکھا۔ سنجیدہ چہرہ، بھینچے ہوئے لب اور رت جگے کی غماز سرخ آنکھیں اسے پشیمانی نے آگھیرا۔

"میں نے بہت زیادتی کی، مجھے ایسے بدتمیزی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" اپنی عادت کے برخلاف اس نے سوچا تھا۔

"آئم سوری آکاش! کل میں نے بہت اوور ریکٹ کیا تھا۔ میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔" مگر آکاش نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اٹس اوکے!" اس کے چہرے کے نقوش میں جو سکوت تھا وہی سکوت اس کے لہجے میں بھی تھا۔

زمرد خاموش سی ہو گئی۔

اس کی طرف سے چند لمحوں کی خاموشی بھی آکاش کو بار محسوس ہوتی تھی۔ اس نے زمرد کی طرف دیکھا۔ وہ پشیمان سی سر جھکائے، گود میں رکھے اپنے مخروطی انگلیوں والے دودھیا ہاتھ کو تک رہی تھی۔ اس کا دل کانپ گیا۔

"پرنسز سنڈریلا!" اس کی بوجھل بھاری آواز پر زمرد نے تیزی سے سر اٹھا کر اس کی سمت مسکرا کر دیکھا۔ اس کی پکار میں وہی مخصوص نرمی و اپنائیت تھی جس کی زمرد عادی تھی۔

"تمہارا سر میں کبھی جھکا ہوا نہ دیکھوں، مجھے ہمیشہ وہی پرحکمت اور اٹھی ہوئی گردن والی حکم چلاتی مغرور زمرد چاہیے۔ تم پر یہ پشیمانی بالکل نہیں جچتی۔" اس کی بات پر زمرد کے لبوں پر جاندار سا تبسم لہرا گیا۔

"ظالم دیو! تم نے تو میری جان نکال دی تھی۔" اس نے اک ادا سے کہتے ایک ہاتھ کی مٹھی بنا کر اس کے کندھے پر دے ماری۔

"جانتے ہو نا میں تمہاری ناراضی اور بے رخی برداشت نہیں کر سکتی۔ میری جان اپنی مٹھی میں قید کر رکھی ہے۔ ظالم دیو کی طرح جب چاہے مجھ سے بدلے لے سکتے ہو۔" وہ مسکرا کر شکوہ کرتی خوشی سے سرشار اس کے کندھے سے لگ گئی۔ آکاش کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"میں ظالم دیو تو نہیں بن سکتا۔ یہ میری فطرت میں نہیں، ورنہ کچھ پل قربت کے میری بے رنگ زندگی کو مہکا دیتے۔ ظالم شہزادی معصومیت میں ہی میرا چین و سکون چرا لیتی ہو۔" اس کا انداز معصومانہ ہی

سی مگر انجانے میں اس بے چارے پر عتاب نازل کر دیا تھا۔ اس کا جذبہ و دل ان بے اختیارانہ اداؤں کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ زمرد کے وجود سے اٹھتی مہک آکاش کو پاگل کرنے لگی تھی۔

☆......☆

شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ اس نے کالج کا پہلا سمسٹر بھی مکمل نہیں کیا تھا۔ کلاس فیلوز، فرینڈز اور ان کے علاوہ بھی اپنی غیر معمولی خوب صورتی، خود اعتمادی اور ذہانت کی بناء پر کالج کے دیگر طلباء و اساتذہ اس کے گرویدہ ہو چکے تھے۔

اتنی کم عمری میں شادی، تعلیم چھوٹنے اور اتنی دور مختلف جگہ چلے جانے پر سب ہی افسردہ تھے۔ اس سے اظہار بھی کر چکے تھے۔ وقتی طور پر وہ بھی سب کا ساتھ چھوٹنے کا سوچ کر اداس ہوئی تھی مگر کچی عمر کے خواب ہر غم پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ بندہ "حاضر" پر بہل جاتا ہے غائب یعنی "کل" پر اس کی نظر نہیں پڑتی نہ سوچ ٹھہرتی ہے۔

اسے اپنے خوابوں کا شہزادہ بلا کسی تردد کے مل رہا تھا وہ کیوں کسی اور بات کے لیے یہ خوب صورت وقت افسردگی میں گزارتی، وہ سب کچھ بھلائے اپنے شہزادے کے سنگ زندگی گزارنے کی تیاریوں اور خوابوں میں مگن تھی۔ راحت بیگم اسے خوش دیکھ کر اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا کرتیں۔ شمشاد بیگم کی بوڑھی آنکھوں میں نمی لہرا جاتی۔ ان کی چھوٹی سی پوتی اب اس قابل ہو گئی تھی کہ جلد ہی انہیں چھوڑ کر اپنے شہزادے کے سنگ چلی جائے گی۔

وہ خوش باش سی اپنی زندگی کے یادگار دن کے لیے ملک کے سب سے بڑے بوتیک سے اپنی پسند کا ڈریس بنوا کر لائی تھی۔ بے انتہا قیمتی دمکتا سفید پیروں کو چھوتا لباس اور اس کے ساتھ چھوٹا اسکارف نما جالی کا سفید دوپٹہ جو آگے پیچھے ایک ہی طرح سے اوڑھا جاتا، مغربی دلہنوں کے لباس سے مشابہ وہ خوب صورت ملبوس اس نے بہت محبت اور توجہ سے بنوایا تھا۔ وہ بہت خوش تھی بار بار ہر زاویے سے اسے پہن کر خود کو آئینے میں دیکھتی وہ پھولے نہیں سما رہی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں اسے پا لوں گی۔ میں تمہیں دکھاؤں گی کہ اس زمین پر ایک خوش باش سنڈریلا بھی رہتی ہے، جو اپنا حق وصولنا جانتی ہے۔" وہ لباس کو خود سے لگائے سنڈریلا کی بڑی سی پورٹریٹ کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا تم بھی اتنی ہی خوش تھیں جب تم نے اپنے شہزادے کو پا لیا تھا؟ کیا تم نے ایسا محسوس کیا تھا۔ جیسے قدم زمین پر نہ ہوں ہواؤں میں کہیں معلق ہوں؟ میں بالکل ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں۔" اس کا حسین چہرہ اندرونی خوشی سے دمک رہا تھا۔

☆......☆

"سنا ہے آپ شادی کر رہے ہیں، لو میرج ہے یا ارینج؟" اس نے بظاہر لاپروائی سے کہا تھا مگر لہجہ دکھ کا غماز تھا۔

"ٹھیک سنا آپ نے، جہاں تک لو یا ارینج میرج کی بات ہے۔ ہمارے ہاں شادی ہمیشہ خاندان میں ہی کی جاتی ہے۔ اس کے بعد چاہے مرد افیئرز چلائے یا دوسری عورتوں کے ساتھ وقت گزارے مگر شرط یہی

READING CORNER http://readingcornerpk.blogspot.com/

ہے پہلی شادی خاندان میں ہی ہوگی۔" اس نے اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں کہا تھا۔

آسرہ نے رشک سے اس حسین وجمیل خوش حال مرد کو دیکھا۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس وجیہہ سراپا، سرخی چھلکاتے مضبوط ہاتھ، دائیں ہاتھ میں چمکتی ہوئی قیمتی گھڑی اس پر متضاد مقابل کا چین وسکون غارت کرتی خوداعتمادی و بے خبری۔

آسرہ نے اسے ڈنر کی دعوت دی تھی۔ جسے اس نے کچھ پس وپیش بعد بالآخر قبول کرلیا مگر اس شرط پر کہ بل وہ پے کرے گا۔ وہ ایک غیرت مند مرد تھا۔ اس کی رگوں میں دوڑنے والا ملکوں کا خون بھلا کیسے یہ گوارا کرتا، ایسے لوگ چاہے جتنا پڑھ لکھ جائیں ان معاملوں میں ان کی سوچ عورت ومرد کے تفریق میں ہی اٹکی رہتی ہے۔

آسرہ جیسی الٹرا ماڈرن شوخ لڑکی نے اپنی انا کو کچل کر اسے آج ریسٹورنٹ مدعو کرنے پر فورس کیا تھا۔ وہ خوشبو میں لدا شاندار مرد اس کے پاس مگر اس سے بہت دور تھا۔ اس کی آنکھوں میں اٹھتی نمی کو نگاہیں جھکا کر اس نے اپنے اندر اتارا۔

"چاہے یہ جتنی بھی عورتوں کو اپنی زندگی میں شامل کرلے، یہ میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔" اس نے جنونی انداز میں سوچتے ہوئے خود کو بہلایا۔ وہ دیہاتی مرد تھا مگر لگتا نہیں تھا کیوں کہ اس نے باہر کی ہوا کھائی تھی اور وہاں سے تعلیم حاصل کرنے والوں پر وہاں کا لیبل چسپاں ہو جاتا ہے جو انسان کا لب ولہجہ، اس کا ظاہر سب کچھ بدل کر رکھ دیتا ہے اور یہ تبدیلی باعث فخر گردانی جاتی ہے پھر وہ تو ایک خوبرو مرد تھا اس پر دل ہار بیٹھنے والے اسے پتھر اور مغرور کے لقب سے نوازتے تھے۔

"شادی کے بعد ہمیں بھول تو نہیں جائیں گے؟" آسرہ کا دل ایک نئی لے پر دھڑکنے سے آشنا ہوا تھا۔

"گویا آپ ہم سے ملتی رہنا چاہتی ہیں۔" اس کا ادا کیا جملہ سمجھتے ہوئے وہ جواباً دلکشی سے مسکرایا۔

"بڑا گھاگ بندہ ہے، میری سوچ تک رسائی حاصل کرلی۔" وہ کچھ نہ بولی۔ اس کی دلکش مسکراہٹ کو حسرت سے دیکھتی رہی۔

"یہ تو ایک مذاق تھا۔ آپ کے سوال کا جواب دیتے ہیں۔" چمچ پلیٹ میں رکھتے ہوئے اس نے نیپکن سے منہ صاف کیا اور نفاست سے ایک سائیڈ پر رکھتے اس کی طرف دیکھتے ہوئے یوں گویا ہوا، جیسے اس پر احسان کررہا ہو۔

"ایک بات آپ پر واضح کردوں، میں ایک آزاد منش آدمی ہوں، میں جیسے پہلے تھا ویسا ہی اب بھی رہوں گا۔ شادی یا اس قسم کی ریلیشنز میرے پاؤں کی زنجیر نہیں بن سکتی۔ میں اپنی زندگی کو اپنے طریقے سے گزارنا پسند کرتا ہوں اور اس میں کسی قسم کا کمپرومائز پسند نہیں کرتا جہاں تک شادی کی بات ہے میں نہیں سمجھتا کہ میری ذات پر کسی قسم کا اثر پڑے گا۔" اس نے بہت سجاؤ سے اپنا موقف آسرہ کو سمجھایا۔ وہ جو اس کی آواز کے زیروبم اور اس کی شخصیت کے سحر میں کھوئی تھی۔ اس کی بات ختم ہونے پر حواسوں میں آگئی۔

"گویا آپ پر عورت جیسا قاتل فتنہ اثر انداز نہیں ہوتا۔ آئم امپریسڈ، آپ کو آئرن مین کہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔" اس کی بات پر وہ خوش ہوکر اپنی ازلی شوخی سے بولی تھی۔

"مجھے اب حیرت نہیں ہوتی، اتنے خطابات سے نوازا جاچکا ہوں کہ ورلڈ بک ریکارڈ میں اس حوالے

سے میرا نام جائے تو بھی حیرت نہیں ہوگی۔" وہ اپنی ازلی لاپرواہی سے شانے اچکا کر بولا۔

آسرہ اس بات پر خوش تھی کہ وہ روایتی مردوں کی سی سوچ نہیں رکھتا یقیناً وہ شادی کے بعد نہیں بدلے گا۔ ہمارے ہاں جیسے پچاس فیصد مرد شادی ہو جانے کے بعد پارسا ہو جاتے ہیں۔ وہ متوقع کامیابی کا سوچ کر ہی سرشار تھی۔

"چاہے مجھے جو بھی قیمت ادا کرنی پڑے، یقیناً یہ شاندار مرد میرا ہے۔ مر کر بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔" وہ دل میں خود سے ہمکلام تھی۔

☆......☆

پیازی سلک کا پیروں کو چھوتا گھیردار لباس پہنے، سنہری لہریے دار بال کھلے چھوڑے، وہ نیلے سمندری آنکھوں والی حسین لڑکی وسیع وعریض لان کے مخملی گھاس پر سبک قدموں سے چلتی مور کے حسین جوڑے کے پاس رک گئی۔ وہ اسے دیکھ کر اپنے حسین پر پھیلائے خوب صورت چال چلتے اس سے دور ہوئے تھے۔

یہ خوب صورت جوڑا بطور خاص اس کے لیے خلیل احمد نے باہر سے منگوایا تھا۔ لان کی گرین گھاس پر خوب صورت چال چلتے وہ حسین مور بہت بھلے لگتے تھے۔ اسے اپنے پاپا کا دیا یہ منفرد تحفہ بہت پسند آیا تھا۔

"پرنسز زمرد!" اس پکار پر اس نے اپنی ایرانی النسل ستواں ناک کو نخوت سے چڑھایا۔ جو اس کی ناپسندیدگی کا اظہار تھا۔ وہ آکاش کو کئی بار منع کرچکی تھی کہ اسے پرنسز روز کہے مگر زمرد نہیں۔ وہ تیز قدم چلتا اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ اس کے حسین ناراض سے چہرے کو تکتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟" اس نے نخوت سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ مجھے اپنی نازک سی شہزادی کو ایک تحفہ دینا ہے۔ امید کرتا ہوں میرا تحفہ تمہیں پسند آئے گا۔" وہ پرخلوص مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھتا گویا ہوا۔

اس نے خاموشی سے قدم آگے بڑھائے۔ آکاش بھی اس کے ہمقدم ہوا۔

"تیاری کیسی جارہی ہے؟" اس نے اپنے ساتھ چلتی حسین سراپے کی مالک نازک لڑکی کو دیکھا۔

"بہت زبردست۔" وہ آکاش کی بات کا مفہوم سمجھتے خوشی سے دمکتے چہرے پر مسکراہٹ بکھراتے بولی تھی۔

"خاکسار غلام کی ضرورت پڑی تو بندہ حاضر ہے۔" آکاش نے دایاں ہاتھ سینے پر رکھتے تعظیماً ذرا سا کمر کو خم دیتے کہا تھا۔

"ضرور۔" ناک کی سیدھ میں دیکھتے گردن اکڑائے چلتی حسین لڑکی نے ذرا کی ذرا گردن گھما کر اس کی سمت دیکھتے کہا۔

"اعزاز بخشنے کا شکریہ۔" وہ شرارت پر آمادہ ہوا۔

وہ خاموشی سے اس کی تقلید میں چلتی رہی۔

"آئیے۔" آکاش نے آگے بڑھ کر اس کے لیے دروازہ کھولا۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" وہ حیرت سے بولی۔

READING CORNER http://readingcorner.blogspot.com

"کیوں کے مجھے اپنی شہزادی کی برسوں پرانی خواہش پوری کرنی ہے۔" وہ لفظ برسوں کو کھینچ کر بولا۔

"واقعی؟" اس کا گلابی چہرہ بے پناہ خوشی سے گلنار ہو گیا۔

"بھلا میں تمہاری کوئی خواہش رد کر سکتا ہوں۔" آکاش نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

زمرد کے مسکراتے لب اس کی بات پر لمحوں میں سمٹ گئے تھے۔

"اوہ۔" آکاش کو افسوس ہوا وہ اس کو افسردہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

زمرد نے خاموشی سے اپنا پیازی کلر کا قدموں کو چھوتا لباس دونوں پہلوؤں سے تھاما اور قدم اسٹوڈیو میں رکھے۔ پورا اسٹوڈیو جا بجا خوب صورت پینٹنگز سے آراستہ تھا۔

آکاش کے ہاتھ میں کمال جادو تھا۔ وہ برش پکڑتا اور خوب صورت تصاویر بنتی جاتیں مگر یہ فارغ وقت کے شوق تھے جو بزنس کے جھمیلوں میں پڑ کر وہ فراموش کر گیا۔ ہاں کبھی کبھار شوق کی تسکین کو یہاں آجاتا تھا۔ گھر کی خواتین اس بات سے آگاہ تھیں اور وہ اپنے اس شوق کو کمائی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔

"میرا تحفہ دکھاؤ مجھ سے مزید صبر نہیں ہوتا۔" وہ اچھلا کر بچوں کی سی سادگی و خوشی سے بولی تھی۔

آکاش ایک کینوس کے سامنے جا کھڑا ہوا جو کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ زمرد تیزی سے اس کینوس کے پاس آئی اور برق رفتاری سے کپڑا کھینچا۔ بڑی سی پورٹریٹ اس کے سامنے تھی۔ خوب صورت پہاڑوں اور آبشاروں سے مزین وہ تصویر بلاشبہ شاہکار تھی۔

اس حسین پس منظر میں نمایاں وہ حقیقی شہزادی تھی۔ زمرد کو یا وہ تصویر نہ ہو بلکہ حقیقت میں وہ وہاں کھڑی ہو۔

اس کی انتظار کرتی نگاہیں دور گھوڑے پر سوار اپنے مغرور شہزادے پر جمی تھیں۔

"کیسی لگی؟" آکاش کی بھاری مردانہ آواز نے سناٹے کو توڑا۔

"ہوں..... ہاں۔" وہ چونکی اور تصویر سے نظریں ہٹا کر آکاش کو دیکھا۔

"زبردست، بے انتہا خوب صورت، یقین نہیں آتا یہ میں ہوں یا میری تصویر۔" وہ پورٹریٹ پر نگاہیں جماتی، بے خودی سے بولی تھی۔

"مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی؟" وہ الجھن بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے بولی تھی۔

"کیا؟" آکاش اس کی نیلے سمندر سی گہری آنکھوں کو تکتے ہوئے بولا۔

"عموماً مصور جب تصویر بناتا ہے تو اس شخص کو سامنے بٹھا کر تصویر بنائی جاتی ہے جب کہ تم نے ایسا نہیں کیا، مجھے تو خبر بھی نہیں ہوئی کہ تم نے یہ تصویر بنائی کس وقت اور کیسے؟" وہ اب تک متحیر تھی۔

"دل میں بسے لوگوں کے لیے ایسے تردد نہیں کیے جاتے، کیوں کہ ان کی تصویر دل پر منقش ہوتی ہے، میں نے برش تھاما اور میرے ہاتھ کینوس پر تمہارے نقوش اتارتے رہے۔ تصویر خود بخود بنتی گئی اور شاہکار تمہارے سامنے ہے۔" اس نے سرد آہ بھری۔

زمرد چپ رہ گئی تھی۔

"جہاں تک کب اور کیسے بننے کی بات ہے تم نے تین سال پہلے باتوں کے دوران فرمائش کی تھی اور میں نے اسی وقت سے تمہیں بتائے بغیر یہ تصویر بنانا شروع کی، میں بہت سوچ سوچ کر بناتا رہا، کبھی کبھار ایک

اسٹروک لگانے میں ہفتہ لگ جاتا اور میں سوچتا رہتا کہ مجھے اس تصویر میں ایسا خاص کیا بنانا چاہیے جس سے یہ زمرد کو بہت خوب صورت لگے۔ تصویر تو تین سال میں مکمل ہو گئی۔ تمہیں پسند بھی بہت آئی مگر تم نے غور نہیں کیا، تمہاری فرمائش تھی تصویر میں تمہارے ساتھ تمہارا شہزادہ لازماً ہونا چاہیے۔ جب کہ اس تصویر میں تمہارے ساتھ جو شہزادہ ہے دراصل یہی تمہارا اصل اور حقیقی شہزادہ ہے۔" آکاش اتنی آہستگی سے بول رہا تھا کے پاس کھڑی زمرد بھی بمشکل اس کی بات سن سکی تھی۔

وہ تصویر سے بے حد قریب ہوئی اور گھڑسوار کو بغور دیکھنے لگے۔ معاً حیرت اور تعجب سے اس کا منہ کھل گیا تھا۔

اس شہزادے کے بال سنہری رنگ کے بجائے سیاہ رنگ کے تھے۔ مغرور تیکھے نقوش سنجیدگی کے بجائے مسکراہٹ کا تاثر لیے ہوئے تھے تصویر میں گھڑسوار کو شہزادی سے خاصے فاصلے پر دکھایا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مبہم سا دکھائی دیا تھا۔ ہاں غور کرنے پر بخوبی پہچان ہو رہی تھی۔ وہ اس کا خوب صورت اٹھان والا مغرور شہزادہ نہیں تھا۔

وہ بدر کے بجائے آکاش تھا۔

"یہ کیا مذاق ہے؟" وہ طیش سے چلائی۔ غیض کی زیادتی سے اس کے کانوں کی لویں تک سرخ پڑ گئی تھیں۔

"یہ مذاق نہیں، حقیقت ہے۔" آکاش نہایت تحمل سے نپی آواز سے بولا۔ بے اختیار اس کا نازک دودھیا ہاتھ آکاش کے چہرے پر تھپڑ کی صورت پڑا تھا۔

آکاش کی بے یقین نظریں زمرد کے حسین غصے سے تنے نقوش پر جمی تھیں۔ شرمندگی و ندامت سے اس کی دمکتی پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے۔ اس نے نظریں چرائی تھیں۔

"میرے چہرے پر تھپڑ مار کر کیا سمجھتی ہو تم؟ حقیقت پر پردہ پڑ جائے گا۔ ہرگز نہیں حقیقت کبھی نہیں بدلے گی۔ میں اور تم..... تیسرا کوئی نہیں۔" وہ قطعی پن سے مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

زمرد سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ تیزی سے باہر کی سمت بھاگی تھی۔

آکاش نے افسوس سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

"مت کرو خود پر ظلم۔" وہ اس کی تصویر پر ہاتھ پھیرتے زخمی لہجے میں بولا تھا۔ اس کی آنکھ کی نمی پلکوں کا بھاڑ پھلانگتی باہر آئی تھی۔

☆---☆

نیند تو نہیں آرہی تھی مگر رات کافی ہو گئی تھی۔ وہ لیٹنے کی تیاری کر رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے ٹائم دیکھا رات کے دو بج رہے تھے۔

"یس۔" اس نے اجازت دی آنے والا اندر آیا۔ زمرد جو بیڈ کی چادر سے جھک کر نادیدہ شکن دور کر رہی تھی لمبی سانس کھینچ کر دوبارہ سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ آکاش دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا بیڈ تک آیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ناچار زمرد کو چادر چھوڑنی پڑی اور اس سے ذرا سے فاصلے پر بیٹھ گئی۔

گلابی نائٹی میں بالوں کی پونی بنائے وہ بار بی ڈول لگ رہی تھی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"تمہیں میرے اس اقدام سے دکھ پہنچا ہو تو آئم سوری، میں خود کو معاف نہیں کر پاؤں گا۔" اس کی سیاہ آنکھوں میں بے چینی کے گرداب پھیلے تھے۔ گھبراہٹ و پشیمانی سے وہ بوکھلا گئی کچھ نہ کہہ سکی۔

"کچھ تو بولو! پلیز مجھے چپ کی مار مت مارو؟" وہ جیسے بے بسی کی انتہا پر تھا۔ اس کا چہرہ ندامت سے سرخ پڑ گیا۔ وہ جھکی نظریں اٹھانے کی یا آکاش سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کر سکی۔

"تو تم کچھ نہیں بولو گی۔" اس کا لہجہ زخم زخم تھا۔ آنکھ کے گوشے نم ہو گئے۔ زمرد کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ آکاش کا دل دکھ سے بھر گیا۔ ان نیلے سمندری آنکھوں میں کیا کچھ نہ تھا۔ دکھ، پشیمانی، رنج، غم و غصہ، شکایت، افسردگی، وہ ان آنکھوں میں یہ سب دیکھنے کا تو ہرگز متمنی نہ تھا۔ تڑپ گیا۔

"میری حقیقی شہزادی۔" وہ تڑپ کر کہتا اپنی جگہ سے اٹھا اور نیچے کارپٹ پر اس کے قدموں میں عین سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے مضبوط ہاتھوں نے زمرد کے نازک دودھیا گود میں دھرے ہاتھوں کو بے چینی سے تھاما۔

"میرے تحفے کی تحقیر مت کرو۔ میں نے اتنی محنت سے بنایا ہے۔ اسے قبول کر لو۔ میں خود پر ناز کروں گا۔ میرے لیے اتنا بھی کافی ہے پلیز۔ تم نے اپنے لیے اس شخص کو چنا میں نے مان لیا۔ صرف تصویر ہی کا ساتھ تو قبول کر لو۔ حقیقی زندگی میں تمہیں پا نہ سکا کم از کم میری تصویر کو تو یہ سعادت بخش دو کہ وہ اپنی خوش بختی پہ ناز کرے۔ میں التجا کرتا ہوں پلیز میرا تحفہ رد نہ کرو، اسے قیمت مت جانو، کسی کا خون دل رقم ہے اس قیمتی تصویر پر۔ پلیز اسے اپنی نگاہ و التفات کا اعزاز بخش دو۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ زمرد پگھل گئی اور کیوں نہ ہوتی کہ سامنے وہ شخص تھا جو پوری دنیا میں سب سے زیادہ اسے عزیز رکھتا تھا۔

اس نے آنسو پونچھے نروٹھے پن سے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

آکاش نے دیکھا وہ اس کے بالمقابل قریب ہی تو بیٹھی تھی۔ کتنی محبوب تھی اسے اس کے ہونٹوں پر بڑی دل آویز مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تمہارے جواب کا منتظر ہوں مادام!" وہ نیلے سمندری آنکھوں میں ڈوبنے لگا۔

"سچ کہوں تو پہلے مجھے بہت غصہ تھا مگر اب جب تم نے سب کچھ بتا دیا تو میں کیسے تمہاری مفاہمت کو جھٹلاؤں۔ تمہاری ذات میرے لیے بہت محترم ہے پلیز آکاش! مجھے معاف کر دو، میں بہت شرمندہ ہوں تم سے۔" وہ حقیقت میں بہت پشیمان تھی اور یہ ندامت اس کے لہجے و انداز سے ظاہر تھی۔

"ویسے بہت زور کا تھپڑ لگا تھا۔ کافی دیر تک دھواں ختم ہونے میں نہیں آیا۔" وہ اسے پشیمان دیکھ کر شوخی سے مسکرایا۔

"آکاش پلیز۔" وہ خجل ہو کر اتنا ہی کہہ سکی۔

"آئی سویٹ، تمہیں شاک لگا تھا۔ ایسا ردعمل فطری تھا۔ میں نے وضاحت دے دی ہے۔ امید ہے تمہارا دل صاف ہو گیا ہو گا۔ یہ صرف میری خواہش تھی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ میں بالکل بھی ناراض نہیں تم اپنا دل برا مت کرو۔" اس نے شائستگی و اپنائیت کا ثبوت دیا تھا۔

"کتنے اچھے ہو تم۔" وہ اس کی پر وقار شخصیت کو دیکھتے سادگی و محبت سے بولی۔ آکاش کی نرم طبیعت و شائستگی ہی تو تھی جو اسے مرعوب تھی اور یہی خوبیاں اسے دیگر مردوں سے الگ و ممتاز کرتی

تھیں۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

☆......☆

سفید قدموں کو چھوتا مغربی دلہنوں کا سا لباس پہنے جو پیچھے سے دور تک زمین پر تھا اس کے ساتھ جالی کا سفید اسکارف نما دوپٹہ پیچھے کی طرف ڈھلائے ہار سنگھار کے نام پر صرف ڈائمنڈ کا نازک سا سیٹ پہنے وہ آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی کہ جیسے ذرا سا انگلی کی پور سے چھوا جائے تو گلابیاں کھلی دودھیا رنگت میلی پڑ جائے۔

اس کے لیے شہر کی بہترین بیوٹیشن بلوائی گئی تھیں مگر اس نے میک اپ سے انکار کر دیا ان بیوٹیشنز سے اس نے سوائے خوب صورت سے ہیئر اسٹائل بنوانے کے اور کوئی کام نہیں لیا تھا۔

نیلے سمندری جگمگاتی آنکھیں اندرونی خوشی سے منور حسین چہرہ، گلابی ہونٹ، وہ سراپا حسن تھی۔

اس نے آکاش کی پینٹنگ کا تحفہ قبول کر لیا تھا بلکہ وہ ڈائمنڈ رنگ نے کر پہن بھی لی تھی جو سالگرہ کے تحفے میں اس نے اسے دی تھی وہ اس کی خواہش تو پوری نہ کر سکی تھی تحفہ لے کر اسے خوشی سے ہمکنار کر دیا تھا۔

"تھوڑا سا میک اپ تو کر لیا ہوتا۔" سبرینہ نے اسے آئینے میں اپنا جائزہ لیتے دیکھ کر مخاطب کیا تھا۔

"مجھے نہیں کرنا کوئی میک اپ ویک اپ۔" وہ نخوت سے ناک چڑھا کر جھنجلائی تھی۔ ہر ایک کی یہی رٹ تھی۔

"ہاں بھی، تم پر یہ نخرہ جچتا ہے۔ میک اپ تو ہم جیسے کمپلیکس کے ماروں کے لیے ایجاد ہوا ہے۔ تم کیوں میک اپ کرو گی۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کر بولی حالانکہ وہ اچھی خاصی خوب صورت تھی۔

"یار! کیا غضب کی شے لگ رہی ہو۔ بدر بھائی تمہیں دیکھ کر کہیں بے ہوش نہ ہو جائیں۔" نفیسہ کو کب سے یہی فکر لگی تھی۔

"وہ کوئی آکاش تھوڑی ہیں جو اسے دیکھ کے بے ہوش ہو جائیں گے۔" سبرینہ نے آنکھ مارتے ہوئے بات کے آخر میں قہقہہ لگایا تھا۔

"نفیسہ! آکاش سے یاد آیا تم نے اسے بلایا کیوں نہیں میں نے تمہیں بھیجا تھا کہ مجھے تیار ہو کر سب سے پہلے آکاش سے ملنا ہے۔" اس نے کچھ دیر قبل ہی نفیسہ کو آکاش کو بلانے بھیجا تھا۔

"ہماری پرنسز روز کا حکم اور ہم نہ مانیں، اتنی مجال کہاں میں گئی تھی وہ خاصا مصروف تھا پانچ منٹ میں آنے کا کہہ رہا تھا۔" وہ اپنے کے عکس میں مگن ایک نظر اس کی سمت اٹھا کر دیکھتے گویا ہوئی۔

"تمہیں کیا آکاش کا ہو گیا ہوا ہے، لڑکیاں ایسے موقعوں پر ماؤں سے ملنے کی خواہش کرتی ہیں اور تمہیں آکاش سے ملنا ہے، عجیب لڑکی ہو۔" سبرینہ نے اسے ملامت کیا۔

"پلیز سبرینہ! آج کے دن آکاش کو برا بھلا مت کہنا۔ مجھے سب سے زیادہ دکھ اس سے دور جانے کا ہے۔ تم جانتی ہو میں اس سے کتنی اٹیچ ہوں، کبھی اس سے دور نہیں گئی۔" اس کی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔

"اوہو پرنسز روز! تم تو حکم چلاتی اپنا آپ منواتی اچھی لگتی ہو، پلیز ہمیں اپنی پرنسز چاہیے، یہ رونے دھونے والی عجیب سی لڑکی نہیں۔" نفیسہ اٹھ کر اس کے پاس آتے ہوئے بولی اور دونوں دوستوں نے اسے خود سے لپٹا لیا۔

"کیوں بدر بھائی پر ستم ڈھا کر ظلم کما رہی ہو۔ پہلے ہی غضب ڈھا رہی ہو۔ رو کر مزید گلابی ہو گئی ہو۔ پلیز کچھ تو اس بے چارے پر رحم کرو۔" سبرینہ نے بھی ہلکے پھلکے انداز میں اسے چھیڑ کر مسکرانے پر مجبور کیا۔ وہ آنسو پونچھتی مسکرائی تھی۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے ان تینوں کو چونکا دیا۔ آکاش کو آتا دیکھ کر نفیسہ اور سبرینہ نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور باہر نکل گئیں۔

آکاش نے دروازہ بھیڑ کر قدم آگے بڑھائے۔

جنت سے اتری حور، جیسے الفاظ اس کے آگے ماند تھے حسن لفظ جس کی خوب صورتی کے لیے کم پڑ رہا تھا۔ وہ ہیرا چمک رہا تھا اور آکاش کی نگاہیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ وہ اس کی تھی، مگر یہ کسی اور کی ہونے جا رہی تھی۔ ایک انجان شخص جس نے اس کے لیے دست سوال دراز نہیں کیا تھا مگر وہ بن مانگے اس کی جھولی میں ڈال دی گئی تھی۔ وہ خوش بخت انسان اس بات سے بے خبر تھا کہ کیا قیمتی وانمول ہیرا اسے ودیعت کیا جا چکا ہے وہ ہیرا جس کے آگے خزانے بھی ماند ہوں۔ یہ احساس کے وہ کسی اور کی ہونے جا رہی ہے سوہان روح تھا۔ آکاش نے شدت کرب سے آنکھیں بھینچ لیں۔

زمرد نے دیکھا وہ حزن وملال کا پیکر، بہت غم زدہ لگ رہا تھا۔ خود پر قابو پاتے وہ اس تک آیا اور گیلی سمندری گہری نم آنکھوں میں جھانکتے اس کے کندھوں کو دونوں ہاتھوں سے کسی بلوریں شیشے کی طرح نرمی و احتیاط سے تھاما۔

"ماں باپ سے بچھڑ کر بھی خود کو اتنا تنہا نہیں پایا تھا۔ جتنا تم سے دور ہونے کا خیال۔" اس کی آنکھ کے گوشے لہو رنگ ہوئے تھے۔

"جو تمہیں دکھ دے آنسو دے، وہ تمہارا نہیں، اسے کبھی اپنا مت سمجھنا، قدر وہی کرتے ہیں جو تم سے محبت رکھے، خود کو کبھی تنہا مت سمجھنا میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کبھی مجھے یہ خبر نہ ملے کہ تم افسردہ ہو یا بدل گئی ہو، تم چلبلی شہزادی ہو اور تمہیں یونہی رہنا ہے ہرگز کسی کے لیے خود کو مت بدلنا۔ تم ایک حقیقی شہزادی ہو اور رہو گی۔" وہ حد سے زیادہ سنجیدہ لگ رہی تھا۔ اس کے چہرے کے ہر نقش پر ایک انجانا سا سکون تھا۔

وہ آنکھوں میں نمی اور ہونٹوں پر نادم سا تبسم لیے کھڑی تھی۔ اس نے زمرد کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا لیے۔

"تم بہت یاد آؤ گے آکاش۔" اس کا لہجہ آکاش کا دل چیر گیا۔

اس نے بغیر جواب کے بے کلی سے رخ موڑا اور زمرد کی طرف پشت کر لی۔

"مجھے یاد کر کے افسردہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں، میں تم سے دور نہیں ہوں جب پکارو گی سر کے بل حاضر ہو جاؤں گا۔" اس نے دل کے تقاضوں کا گلا گھونٹ کر خودداری سے جواب دیا اور بغیر پیچھے مڑ کر دیکھے قدم دروازے کی سمت بڑھا دیے۔

وہ حسین شہزادی آنکھوں میں نمی لیے اس کی مضبوط پشت کو خود سے پل پل دور ہوتا دیکھتی رہی۔

☆......☆

ساجدہ جہاں نے جب سے سبرینہ کو سفید لباس پریس کر کے زمرد کے کمرے میں لے جاتے دیکھا تھا ان کے سینے میں آگ سی جل اٹھی تھی۔

وہ زمرد کو صاف طور پر کہہ چکی تھیں کہ وہ سفید لباس نہیں بلکہ ان کی طرف کا سرخ چوڑی دار پاجامہ فراک پہنے گی۔ اس نے اپنی من مانی کر لی تھی۔

وہ بدر کے ساتھ زمرد کے کمرے کی سمت جا رہی تھیں۔ بدر نے کمرے سے آکاش کو نکلتے شعلہ بار نظروں سے دیکھا تھا جو سیڑھیاں اتر کر اس کے پاس سے گزر رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملی تھیں آکاش نے اس کا غیض وغضب سے سرخ پڑتا چہرہ صاف طور پر دیکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بدر کو اس کا زمرد سے التفات برداشت نہیں ہوتا تھا۔ شروع سے ہی اپنے چچا کے گھر اس کا عمل دخل اسے کھٹکتا، راحت اور شمشاد بیگم سمیت خلیل احمد کا اس پر انحصار کرنا یہاں تک کہ زمرد کا بار بار اس کی جانب لپکنا اسے غصے سے دیوانہ کر دیتا تھا۔

"زمرد آج بھی آکاش پر انحصار کرتی ہے۔ اس کی جانب لپکتی ہے۔" یہ سوچ ہی اسے تاؤ دلانے کو کافی تھی۔

وہ اس کے پاس سے گزر کر چلا گیا۔ ساجدہ جہاں کے اشارے پر وہ ان کے پیچھے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

کمرے میں لڑکیوں کا ایک جم غفیر تھا جو زمرد کے گرد جمع تھا۔

ہنسی، قہقہے، باتوں کی آوازیں، چوڑیوں کی چھن چھن ان کو آتا دیکھ کر ساری آوازیں خاموش ہوئی تھیں۔

"مجھے اپنی بہو سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔" ان کا لہجہ و انداز سرد سا تھا۔ لڑکیوں کے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا اور ایک ایک کر کے وہ نکلنے لگیں۔

زمرد نے خاموش و سنجیدہ کھڑے بدر کی سمت دیکھا اور دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب پایا۔

سفید براق کڑکڑاتے کاٹن کے شلوار قمیص پر سیاہ بغیر آستینوں کا واسکٹ پہنے، ہم رنگ پشاوری چپل اور براؤن چمکتی ڈائل کی گھڑی پہنے، اس کی شہد رنگ آنکھیں، گولڈن براؤن گھنے بال اس کی شخصیت کو مزید خوب صورتی بخش رہے تھے۔

"یہ شاندار سا مرد اس کا ہے۔" یہ سوچ ہی فرحت جان تھی۔ وہ جتنا خود پر ناز کرتی کم تھا۔ مقابل کا یہ حال تھا کہ اچٹتی سی نظر اس پر یوں ڈالی جیسے راہ چلتے کسی مسافر پر پڑ جاتی ہے۔ اب یوں لاتعلق کھڑا تھا گویا ان دونوں کے درمیان پہچان کا کوئی حوالہ ہی نہ ہو۔

"ہمارے ہاں دلہنوں کو لال رنگ پہنایا جاتا ہے۔ سفید مردوں کا رنگ پہن کر تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟ یہ بدشگونی میرے ہوتے ہوئے ہرگز نہیں ہو گی۔ مجھے ڈولی لے کر جانی ہے۔ جنازہ نہیں۔ جو سرخ جوڑا میں لائی ہوں تم ابھی اسی وقت وہ پہنو گی۔ اگر نہیں تو پھر اسی سفید کفن میں کہیں دفن ہو جانا۔ میرے بیٹے کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں۔" غصے سے ان کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

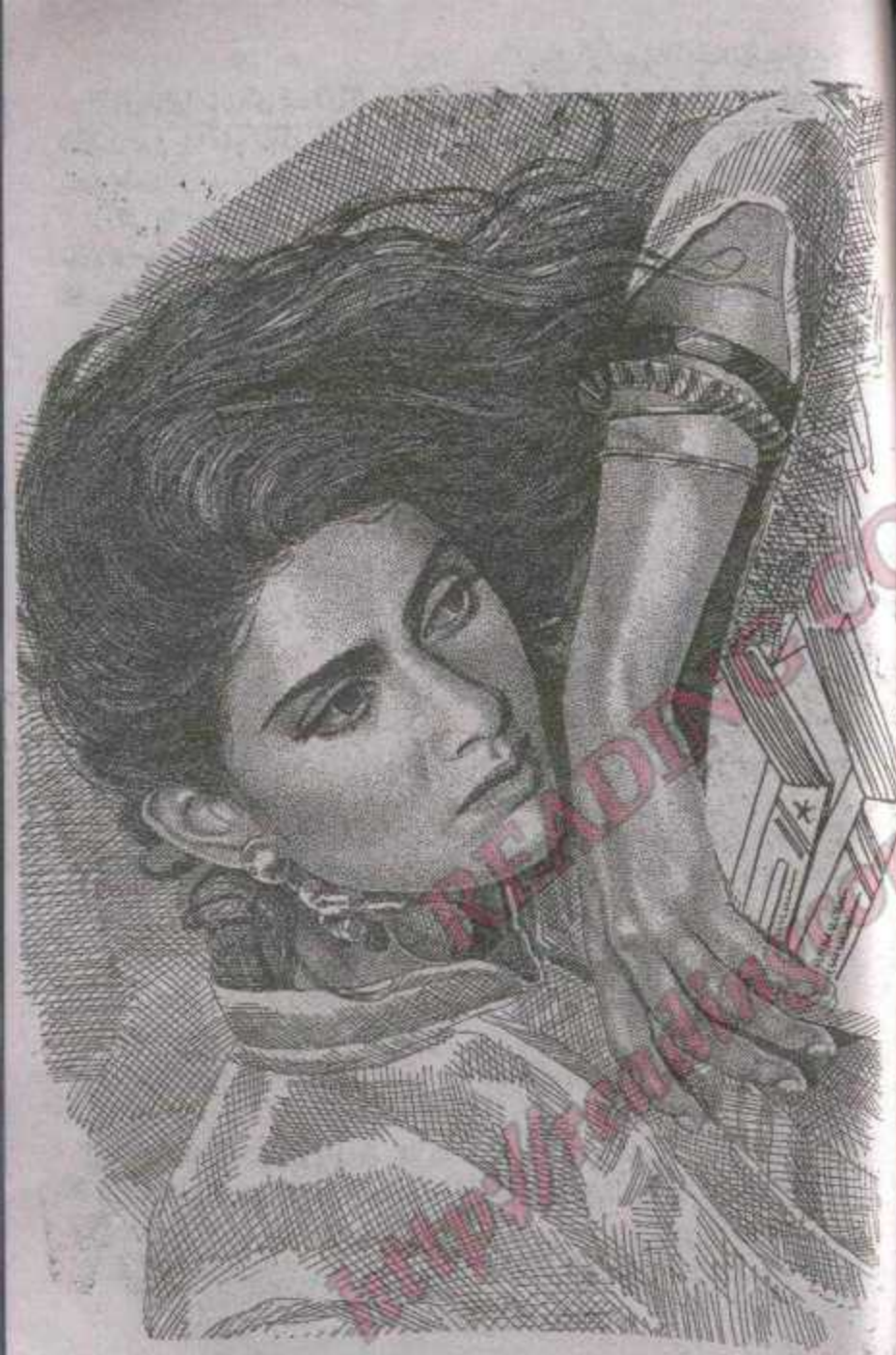

افسانہ

زندگی کا مقصد

"تم لوگ دیکھنا مستقبل قریب میں ہر طرف میرا ہی نام ہوگا۔ یہ بڑے بڑے بورڈز پر، ٹیلی ویژن پر غرض کہ ہر جگہ پر اسٹار سنگر سارا ملک چھائی ہوگی۔"

یہ تھی سارا ملک جس کا سنگر بننا اب جنون کی حدوں میں شامل ہونے لگا تھا۔ رجا اور ہاجی خان نے برگر اور کیچپ سے بھرپور انصاف کرتے ہوئے ایک نظر اس کے پرجوش انداز کو دیکھا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگئیں۔

"تم دونوں پر میری بات کا کچھ اثر ہوتا ہی نہیں۔ برگر ایسے کھا رہی ہو جیسے بیس دنوں سے کچھ کھایا ہی نہیں، تمیز کرتی میں تم دونوں سے بات۔" سارا ملک نے تپ کر اور پھر ناراض ہو کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"ارے یار! ناراض کیوں ہوتی ہو اچھا یہ بتاؤ تم ہر روز سنگر بننے کے راگ الاپتی رہتی ہو، یہ تو بتاؤ تم میوزک کو دیکھتی کس نظر سے ہو۔ میرا مطلب میوزک سنتے ہوئے کیا احساسات ہوتے ہیں تمہارے۔" رجا نے اسے رام کرنے کی کوشش میں دوبارہ اس کا پسندیدہ موضوع چھیڑا۔

"تو میں کب سے کیا بک رہی ہوں۔ ابھی تو کہہ رہی ہوں میوزک ہمیں ہر غم ہر پریشانی سے دور کہیں دور لے جا کر خوابوں کی وادیوں میں چھوڑ آتا ہے جہاں ہم ہوتے ہیں، ہمارے خواب، خواہشیں انہیں پورا کر دینے کا ایک جنون ہم پر سوار ہو جاتا ہے۔" وہ آنکھیں بند کیے ایک جذب کے عالم میں بولتی سچ مچ میں خوابوں کی دنیا میں نظر آ رہی تھی کہ ہاجی خان نے ٹوک دیا۔

"یار! یہ تم دونوں ہر روز کیا کالج میں میوزک میوزک کی رٹ لگائے رکھتی ہو۔ ہم یہاں پر علم سیکھنے آتے ہیں نا کہ میوزک کی باتیں کرنے۔" ہاجی خان نے ان دونوں کی بھرپور کلاس لے ڈالی جس پر ان دونوں کی جہاں شرمندگی سے آنکھیں جھکیں وہیں پر ماحول میں ایک دم سناٹا چھا گیا اور پھر سناٹے کو ختم کرنے کے لیے ہاجی خان کو ہی پہل کرنی پڑی۔

"اگر تم دونوں کا ارادہ میجر صدف سے ڈانٹ سننے کا ہے تو شوق سے یہاں پر بیٹھی رہو۔ میں تو چلی۔" وہ ان دونوں کو ڈرا کر خود بھاگ نکلی۔ تو وہ دونوں بھی اپنی گھڑیوں کو دیکھتے ہوئے ہنستی مسکراتی اس کے پیچھے بھاگیں۔

☆.....☆

ہاجی خان، سارا ملک دونوں کزنز ہونے کے ساتھ گہری سہیلیاں بھی تھیں۔ کچھ عرصہ قبل ہاجی خان کے ابو کا انتقال ہو گیا تھا۔ بھائی کے پرزور اصرار پر ہاجی خان کی امی اسے اور اس کے چھوٹے بھائی اسامہ کو ساتھ لے کر اپنی آ گئی تھیں۔ یہاں پر آ کر ہاجرہ (جسے سب پیار سے ہاجی بولتے تھے) نے سارا ملک کے کالج میں داخلہ لے لیا۔ سارا، ہاجی اور رجا کلاس فیلو ہونے کے ساتھ بیسٹ فرینڈ بھی تھیں۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

☆.....☆

"مامی جان! سارا ابھی تک اٹھی نہیں کیا؟" ناشتے کی میز پر سارا کو نا پا کر ہاجی نے اپنی مامی جان سے پوچھا۔

"نہیں بیٹا! وہ کہہ رہی تھی کہ آج اس کا کالج جانے کا موڈ نہیں ہے۔" مامی جان نے نرمی سے جواب دیا۔

"اوہ! اچھا اس نے مجھے بتایا نہیں تھا۔" اتنا ہاجی حیران نہیں ہوئی جتنا کہ وہاں پر بیٹھے لوگ حیران ہوئے تھے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی بات ہو اور سارا ملک ہاجی خان کو نہ بتائے ناممکن۔

"بیٹا! تم تو کچھ کھا لو کیا خالی پیٹ پڑھائی کرو گی۔" نانی جان نے ہاجی کو اٹھتے دیکھ کر ٹوکا تو ہاجی نے اپنی پیاری نانی جان کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"نانی جان! کس نے کہا ہے کہ میں ناشتا نہیں کروں گی، میں ناشتہ ضرور کروں گی مگر سارا کے ساتھ۔" اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

سارا کے کمرے کے قریب پہنچ کر اس نے سانس بحال کرنے کی کوشش کی تو اسے اس کے کمرے سے اس کی آواز سنائی دی۔

"یہ محترمہ! صبح صبح کس سے باتیں کر رہی ہے۔" اندر دیکھا تو سارا محترمہ بیڈ پر بیٹھی کوئی گانا گا رہی تھی۔ آنکھیں بند کیے۔

ہاجی کو شرارت سوجھی وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے بیڈ کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور اپنے سر پر سفید دوپٹہ (جو اس کے سر پر ہمہ وقت رہتا، اپنے چہرے پر لے آئی اور خوف ناک آواز نکالی۔

"ہاؤ۔" سارا ملک جو اپنے ہی دھیان میں گانا گا رہی تھی اس آواز پر چیخی چلائی بیڈ سے اٹھی تو ہاجی پر نظر پڑی جہاں آنکھوں میں نمی آئی، وہیں لبوں پر مسکراہٹ لیے وہ اس کی طرف مارنے کے لیے لپکی۔

"اب بس بھی کرو یار!" جب اس سے اپنا بچاؤ کرتے کرتے ہاجی خان کی سانس بند ہونا شروع ہوئیں تو ہاجی نے چیخ کر کہا۔

"اب تو چھوڑ رہی ہوں مگر آئندہ ایسا کیا تو پھر تمہاری خیر نہیں ہو گی۔" سارا نے اسے چھوڑتے ہوئے ساتھ دھمکی بھی دے ڈالی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ آئندہ خیال کروں گی۔ اور میں تم سے پوچھنے آئی تھی کہ آج تمہارا کالج جانے کا موڈ کیوں نہیں ہے؟" ہاجی خان بات یاد آنے پر بولی۔

"وہ اس لیے کہ آج کل کالج میں نیو ایئر کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ پڑھائی بھی کچھ خاص نہیں ہو رہی ہے۔ تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ آج دل بھر کر شاپنگ کی جائے۔" سارا ملک نے اسے اپنے پلان سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکراتے ہوئے بولی۔

"ویسے آج میرا بھی کالج جانے کا کچھ خاص موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ دونوں خوب شاپنگ کریں گے مگر یہ تم صبح صبح گانا کیوں گا رہی تھیں؟" یاد آنے پر ہاجی نے ناگواری سے کہا۔

"یار! وہ میں گانے کی پریکٹس کر رہی تھی۔ تمہیں پتا ہے نیو ایئر کے فنکشن میں ملک کے بڑے بڑے گلوکار مدعو ہیں۔ کیا پتا میرا بھی چانس بن جائے۔" وہ جتنی خوش اور پر جوش دکھائی دے رہی تھی، اتنی ہی ناگواری ہاجی کو محسوس ہو رہی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کی آواز دلکش تھی۔

"اچھا اب چلو بھی مجھے تو بہت زوروں کی بھوک لگی ہوئی ہے۔" ہاجی کہتے ہوئے چل دی۔ سارا بھی اس کے پیچھے بھاگی اسے بھی تو بھوک لگی تھی۔

☆—☆

ہاجی خان اپنے ہی دھیان میں جیسے ہی اپنے

کمرے سے نکلی، کوئی چیز بہت زور سے اس سے ٹکرائی۔ اسے تو گویا دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔ حواس قدرے بحال ہوئے تو ٹکرانے والی چیز کو دیکھا وہ کوئی چیز نہیں بلکہ سارا ملک تھی اسے ایک دم غصہ آ گیا۔

"دیکھ کر نہیں چل سکتیں یا آنکھیں اپنے کمرے میں بھول آئی ہو۔ ہر وقت گرتی پڑتی نظر آتی ہو۔" ہاجی خان نے خوب دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، تو بے ہوش ہونے کے قریب ہو گئی اس کا خیال تھا وہ بہت غصے میں آ جائے گی اور نہیں تو ایک دو تھپڑ ہی اسے مار دے گی مگر وہ تو چہرے پر مسکراہٹ لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کے حیران ہونے پر بولی۔

"تمہیں پتا ہے آج اگر کوئی مجھے جان دینے کو بھی کہہ دے تو میں خوشی خوشی دے دوں گی۔ کیوں کہ آج کا دن میرے لیے بڑی خوشی کا دن ہے اور ہاں میں تم سے یہ پوچھنے آئی تھی کہ آج تمہارا کالج کے فنکشن میں جانے کا ارادہ ہے یا نہیں؟" وہ ہر بار کی طرح اس سے پوچھنے آئی تھی۔ حالانکہ اسے پتا بھی تھا وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی منع کر دے گی۔ وہ ایسی کسی بھی جگہ نہیں جاتی تھی جہاں ناچ گانا ہو، وہ سارا ملک کو بھی ایسی جگہوں پر جانے سے منع کرتی مگر وہ منع ہوتی تب نا۔

"تم... تم اب اس حلیے میں میرے ساتھ کالج جایا کرو گی؟" اس کے لباس پر نظر پڑتے ہی ہاجی خان چیخی تھی۔ گلابی رنگ کا فراک پہنے گلے میں دوپٹہ۔ آج وہ بھی غائب تھا۔ فراک کے ساتھ بلیک کلر کا ٹنگ پاجامہ پہن رکھا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں بلکہ ڈرائیور کے ساتھ جاتے ہیں کیا سمجھیں اور ہاں میں جا رہی ہوں کہیں دیر نہ ہو جائے۔" کہنے کے ساتھ وہ مڑی تھی کہ اس نے پکارا۔

"سارا رکو۔" اس کی پکار پر رکی تو تھی مگر مڑی نہیں۔

"میں بھی تمہارے ساتھ جا رہی ہوں، بس دس منٹ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔"

"کیا سچ میں۔" وہ بے ساختہ خوشی سے بولتی ہوئی مڑی تھی۔

"جی بالکل سچ میں۔" اور مسکراتے ہوئے اپنے کمرے میں غائب ہو گئی تھی۔

☆—☆

وہ دونوں جب کالج پہنچیں تو فنکشن شروع ہو گیا تھا۔ کالج کو بہت خوب صورتی سے سجایا ہوا تھا۔ رجا پر نظر پڑتے ہی وہ دونوں اس کی طرف لپکیں اس سے گلے ملتے ہوئے دونوں ایک ساتھ شکوہ کرنے لگیں۔

"کتنے دنوں سے تم کالج نہیں آ رہی تھیں نا ہی فون ریسیو کرتیں تھیں نا ہی میسج کا جواب دیتیں تھیں۔ پوچھ سکتے ہیں اتنے دنوں سے کہاں غائب تھیں؟"

"یار وہ امی کی طبیعت کچھ ناساز تھی جس کی وجہ سے ان کی دیکھ بھال کرنی پڑی اور پھر گھر کے کاموں میں اتنا مصروف ہوئی کہ فون وغیرہ کا خیال ہی نہ رہا۔" وہ مسکراتے ہوئے بتانے لگی تھی پھر سارا کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

"اور تمہیں پتا ہے سارا! میں نے اتنے سارے سنگرز اور آرٹسٹ سے آٹو گراف لیے آؤ تم بھی میرے ساتھ چل کر ان سے ملو، کیا پتا تمہارا گانے والے کا چانس کہیں بن جائے۔" وہ جلدی جلدی بولتی اس کا ہاتھ پکڑے لے جانے لگی جب کہ ہاجی خان وہیں کھڑی رہی۔ فنکشن ختم ہونے کے بعد وہ تینوں ایک طرف بیٹھی کولڈ ڈرنک اور سموسے کھا رہی تھیں اور ساتھ وہ دونوں فنکشن پر تبصرے بھی کر رہی تھیں کہ نزدیک آنے والے

http://readingcorner.blogspot.com/

نوجوان کو دیکھ کر رک گئیں۔

"ہائے میں شاہ فہد ہوں۔ میرا اور میرے دوست کا اپنا بینڈ ہے میں کافی دیر سے آپ کو نوٹ کر رہا تھا آپ کی آواز کافی دلکش ہے۔" وہ نوجوان جو کافی خوب صورت تھا براہ راست سارا ملک سے مخاطب تھا۔

"تھینکس آپ پلیز بیٹھیے ناں۔" سارا ملک نے مسکراتے ہوئے آفر کی تو وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا جب کہ ہاجی خان نے ناگواری سے چہرہ پھیر لیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد شاہ فہد نے جو سوال اس سے پوچھا وہ سوال اسے ہاجی خان کی طرف دیکھنے پر مجبور کر گیا جو اسی کی طرف ناگواری سے دیکھ رہی تھی۔

"سارا ملک! میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کیا آپ سمجھتی ہیں موسیقی روح کی غذا ہے؟" اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

"جی، جی بالکل اس میں کوئی شک نہیں کہ موسیقی روح کی غذا ہے۔" وہ جواب دیتی ساتھ میں ہاجی خان کو بھی دیکھ رہی تھی جو اب بھرپور ناگواریت سے اٹھی تھی اور وہاں سے بھاگنے کے انداز میں چلی گئی تھی جب کہ شاہ فہد حیرانی سے کبھی دور ہوتی ہاجی کو دیکھتا تو کبھی سارا اور رجا کو جو خود بھی ہونق بیٹھی تھیں۔ سارا ملک بھی ان دونوں سے ایکسکیوز کرتی تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔ کالج سے باہر نکل کر اس نے چاروں طرف دیکھا تو وہ ایک طرف کھڑی نظر آئی۔ وہ تیزی سے اس کی طرف لپکی تھی اور اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے تھے پھر پریشانی سے بولی تھی۔

"تمہیں کیا ہو گیا تھا اور یہاں پر کیوں چلی آئیں؟"

"تم اتنی نا سمجھ بھی نہیں ہو کہ کچھ سمجھ نہ سکو۔" نخوت سے بولتی اس کے دونوں ہاتھ اپنے شانوں سے جھٹکے تھے جب کہ وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اور ہاں اگر میری اتنی ہی فکر ہے تو جتنی جلدی ہو سکے کوئی ٹیکسی رکوا لو میں اب مزید یہاں نہیں رک سکتی۔" اس نے آخر میں جیسے درخواست کی تھی جس پر سارا ملک نے سامنے سے آتی ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روکا تھا۔ گھر پہنچ کر ہاجی اپنے کمرے میں بند ہو گئی جب کہ وہ سب کو مطمئن کرنے لگی۔

☆......☆

آج وہ بے انتہا خوش تھی۔ کیوں کہ شاہ فہد نے آج اسے فون کر کے یہ خوش خبری سنائی تھی کہ وہ اور اس کا دوست اپنے نئے آنے والے البم میں اسے سلیکٹ کر چکے ہیں۔ وہ خوشی سے بھاگتی ہوئی ہاجی خان کے کمرے کے دروازے پر رکی تھی۔ اسے اندر سے کسی مولانا کی تقریر سنائی دی۔ آج جمعہ کا دن تھا۔ شاید کوئی مولانا ٹی وی پر براہ راست تقریر کر رہے تھے اس نے جیسے ہی ہاتھ سے دروازہ کھولنا چاہا اس کے ہاتھ وہیں ساکت ہو گئے۔

"یہ کون بد بخت لوگ ہیں جو کہتے ہیں موسیقی روح کی غذا ہے کیا ان بد بختوں کو یہ نہیں پتا کہ موسیقی کانوں کا زنا ہے کیا ان بد بختوں کو یہ بھی نہیں پتا کہ ہم میں یہ روح کس نے ڈالی روح کی غذا تو صرف خدا کی عبادت و ذکر میں ہے۔" مولانا صاحب کی تقریر اس کے دل پر اثر کر گئی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ جو بات ہاجی خان اسے اتنے عرصے سے سمجھانے لگی وہ اس ایک لمحے میں جان گئی تھی۔ شاید خدا پاک نے اس کے لیے ہدایت کی راہ چنی تھی۔ وہ آنسو پونچھتی اندر داخل ہو گئی، کیونکہ اسے اپنی جان سے پیاری دوست کو بتانا تھا کہ وہ سمجھ گئی ہے کہ زندگی کا اصل مقصد کیا ہے۔

☆......☆

READINGCORNER.PK
http://readingcornerpk.blogspot.com

کائنات غزل

افسانہ

رائٹر

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان بہت زیادہ چلتا ہے تو تھک جاتا ہے۔ راہ میں آئے پتھروں کی چبھن ناقابل برداشت ہو جاتی ہے، تو وہ تھک کر وہیں ڈھیر ہو جاتا ہے۔

”سر! یہ میری لاسٹ اسٹوری ہے میں مزید اب کام نہیں کر سکوں گی۔“ اس کے لہجے میں بھی کچھ ایسی ہی تھکن تھی۔ مبشر بخاری نے چشمے کی اوٹ سے لیبا راشد کو دیکھا۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”مطلب تو کچھ نہیں۔ بس سر اب میں مزید نہیں لکھ سکتی۔“

”تشریف رکھیے پلیز۔“ وہ کرسی پر ایسے ڈھیر ہوئی جیسے برسوں کی تھکی ہوئی ہو۔

”وجہ جان سکتا ہوں آپ کے اس ارادے کی جب کہ آپ ہمارے ادارے کی بہترین رائٹر ہیں۔ آپ جیسے لوگ سرمایہ ہیں ہمارے لیے مس لیبا راشد۔“

”سر! میرا کچھ پرسنل پرابلم ہے جس کی بنا پر اب میرا لکھنا ناممکن سا ہو گیا ہے۔“ اپنے ہاتھوں کی لرزش کو چھپاتے ہوئے لیبا راشد نے کہا۔

”مس لیبا! تقریباً 10 سال سے آپ ہمارے ادارے کے لیے کام کر رہی ہیں اب ایسا کیا اچانک ہو گیا ہے کہ آپ لکھنے سے انکاری ہیں۔“ مبشر بخاری نے گہری نظر سے چادر میں لپٹی الجھی بکھری لڑکی کو دیکھا۔

پنچ کلر کا سادہ سا سوٹ بالوں کی لٹیں چہرے کے گرد جھول رہی تھیں۔ سادہ سی چوٹی میں وہ انہیں کچھ پریشان سی لگی۔

”آپ کسی کے دباؤ میں آ کر یہ بات تو نہیں کہہ رہیں؟“ وہ کسی صورت بھی ایک اچھی رائٹر کو کھونا نہیں چاہ رہے تھے۔

”نہیں سر! یہ میرا اپنا ذاتی فیصلہ ہے۔“

”ایک بات کہوں مس لیبا؟

”جی سر۔“

”آپ ہمارے ادارے میں کئی سال سے کام کر رہی ہیں۔ ایک الفت سی ہے آپ کے ساتھ آپ کے ساتھ جو پرابلم ہے آپ ایک بڑے بھائی کی طرح ایک باپ کی طرح بھروسہ کر کے مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں۔“ لیبا خاموشی سے انہیں تکے جا رہی تھی۔

واقعی مبشر بخاری اعتماد کیے جانے کے قابل تھے۔ کئی سالوں میں جنہوں نے ہاں، ہوں سے زیادہ بات نہیں کی اور آج اتنی جرح کر رہے تھے وہ واقعی اپنے ساتھ کام کرنے والوں سے محبت کرتے تھے۔

”سر! پرابلم میں خود ہوں۔“ لیبا نے گہری سانس لے کر خود کو کرسی پر ڈھیلا چھوڑ دیا۔

مبشر بخاری نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا لیکن خاموش رہے وہ اسے بولنے کا موقع دے رہے تھے۔

”سر! میں نے جب لکھنا شروع کیا تھا تب میں اپنے والدین کی انتہائی لاڈلی تھی۔ جب دل نے جو چاہا کر لیا لکھنے کے لیے کوئی مخصوص وقت نہیں تھا۔ کھانا کھاتے کوئی سین ذہن میں آیا تو اٹھ کر روم میں بھاگی۔ سین کو قلم بند کیا پھر واپس آ کر کھانا شروع کر دیا۔ میرے بابا اور بھائی خوب ہنستے تھے کہ یہ کیسی رائٹر ہے بھائی چڑاتے اسے تو خواب میں بھی کوئی سین نظر آئے گا۔ اٹھے گی لکھے گی اور سو جائے گی۔“

”ماما دیکھیں بھائی کو......“ میرے احتجاج پر ماما بھائی کو ایک چپت لگاتیں اور کہتیں۔ ”مت تنگ کیا کرو بھی میری چڑیا کو نہ جانے کب اڑ جائے۔“ اور کہتے کہتے لب بھینچ لیتیں۔

لیبا راشد اس وقت میں کھوئی ہوئی تھی جب وہ لیبا ابراہیم تھی۔

”پتہ ہے سر!“ پھر ایک دم سے وہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔

مبشر بخاری اب بھی خاموشی سے مسکراتے رہے۔

”پھر میرے ساتھ ساتھ میری اسٹوریز بھی بڑی

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

ہوتی گئیں۔ میری شادی کے دن بھی میرے ہاتھ میں تین اسٹوریز لگی ہوئی تھیں۔ میں نے دو کا اینڈ انتہائی ٹریجک کرتا تھا۔

"لیکن سر......!" اب وہ مبشر بخاری کی بیک پر لگی پینٹنگ کو گھور رہی تھی۔

"سر! جب میری شادی ہوئی نا تو میں بہت خوش تھی۔ میں جب ای کے گھر فرصت سے اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی تو سب کے اینڈ ہیپی کر دیے۔ پھر سر زندگی نے نیا موڑ لیا۔ دو دو دن تک قلم سے رابطہ ممکن ہی نہ ہوتا تھا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مسائل بھی بڑھتے گئے۔ میرے شوہر جنہوں نے مجھے شروع میں ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا، اب میرے لیے خود اذیت ناک چھالا بن چکے ہیں۔ میں تو کیا میرے دونوں بچے امان اور فرمان اپنے باپ کی شفقت کو ترسنے لگے ہیں۔" دو آنسو لڑھکتے ہوئے اس کے دوپٹے میں جذب ہو گئے۔

"سر! ہم بڑے آرام سے لکھ دیتے ہیں کہ اس نے دوسری شادی کر لی اس نے بیوی کو چھوڑ دیا لیکن اس کی اذیت، روح کی چبھن ہمیں سمجھ ہی نہیں آتی لیکن جب خود پر گزرتی ہے تب زندگی کا سبق سمجھ آتا ہے۔

سر میں قلم سے رشتہ نہیں توڑ سکتی کہ اس کے بنا ایک رائٹر زندہ رہ نہیں سکتا۔ جس طرح سانس لینا ضروری ہے۔ سر اسی طرح لکھنا بھی میری مجبوری ہے لیکن اب میں اپنی کسی کہانی کو کوئی اینڈ نہیں دے سکوں گی۔

سر ثانیہ اقبال میری زندگی میں ایک نئی کہانی کا نیا کردار بن کر آئی ہے۔ اس حوا کی بیٹی نے میرے گھر کا سارا انتظام سارا سکون، ساری خوشیاں سب درہم برہم کر دیا ہے۔ جس طرح سر یہ میرے شوہر کے دل میں بس گئی ہے اور مجھے سائیڈ پر کر دیا ہے۔ اسی طرح یہ میرے گھر میں بس کر مجھے سائیڈ پر کرنے کے لیے پر تول رہی ہے۔

اب سر آپ خود ہی بہتر فیصلہ کریں کہ ایک انتہائی کرب سے گزرتی رائٹر کیسے خوشیوں بھرے پل لکھ سکتی ہے۔ قارئین جو کہ خود اپنے مسائل کو پیچھے کر کے اپنا ذہن بنانا چاہتے ہیں۔ انہیں میری دکھی کہانیاں کہاں مزہ دیں گی۔ یوں سمجھ لیجیے سر کہ اب میں بے کار ہو چکی ہوں سر۔ میں مفلس ہو چکی ہوں۔" اپنے اندر کا غبار نکال کر اب وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

مبشر بخاری نے اپنی عینک اتار کر سائیڈ میں رکھی۔ جگ سے پانی نکال کر گلاس اس کے آگے کیا اور بولے۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ مس لیبا! دکھ انسان کے مرنے سے نہیں ہوتا بلکہ اپنائیت، خلوص اور محبت کے رشتوں کے ٹوٹ جانے کا ہوتا ہے لیکن بیٹا آپ نے جو ابھی ایک بات کہی کہ میں مفلس ہو چکی ہوں۔ تو یہ یاد رکھیے گا۔ ایک رائٹر کبھی مفلس نہیں ہو سکتا۔ آپ کو معلوم ہے رائٹر کے پاس کتنے کردار ہوتے ہیں۔ ماں، بہن، بیٹی، بیٹا، بھائی، دوست ہر طرح کا رشتہ اس کے پاس ہوتا ہے۔ گاؤں، شہر، ملک، جہازوں کا اڈا، ڈاکٹرز، سسٹرز، ٹیچرز، بادشاہی، سمندر، دریا اتنا سب کچھ ہوتا ہے ایک رائٹر کے پاس وہ جس وقت جب چاہے جہاں جس کا رخ موڑ دے۔ تو رائٹر مفلس کیسے ہو سکتا ہے۔ بات کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا صرف ایک بات اور کروں گا آپ سے کہ وقت آپ کے اور میرے دونوں کے پاس کم ہے۔ کوئی بھی شخص کسی کی جگہ نہیں لے سکتا جب تک جگہ دینے والا نہ چاہے۔"

لیبا راشد کے لب کھلے۔ مبشر بخاری نے ہاتھ اٹھا کر اسے کہنے سے روکا۔

"مجھے معلوم ہے آپ یہی کہنا چاہ رہی ہوں گی کہ آپ کیوں جگہ دیں گی اسے؟ آئی ایم رائٹ؟"

"جی سر!"

"ہوں! لیکن میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ آپ اسے یا کسی کو بھی موقع دیں گی تو وہ آپ کی جگہ لے گا ورنہ کبھی نہیں۔"

"وہ کیسے سر؟"

"ویری سمپل! آپ نے دیکھا ہوگا بازاروں میں عام پھرنے والی عورت وہ کتنی ہی شریف کیوں نہ ہو اگر بن سنور کر نکلتی ہے تو ہر مرد کی نگاہ کی زینت بن جاتی ہے اور ظاہر ہے شیطان عورت کو مزید خوب صورت بنا کر دکھاتا ہے۔" لیبا نا سمجھی کے عالم میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اور مرد جب گھر آتا ہے اس کے ذہن میں باہر کی تتلیاں گھوم رہی ہوتی ہیں۔ پھر وہ اپنی بیوی سے بھی وہی ایکسپیکٹ کرتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح بنی سنور کر تیار ملے اسے یہ نظر نہیں آتا کہ بیوی بے چاری سارا دن بچوں کے ساتھ لگ کر ابھی کچن سے آئی ہے۔ آہستہ آہستہ اس کے دماغ پر غلط عورتوں کا قبضہ ہونے لگتا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ایک گھریلو عورت جہاں اتنی قربانیاں دیتی ہے تھوڑا سا کام کو آگے پیچھے کر کے شوہر کے آنے کے ٹائم پر بن سنور کے تیار خوشبو میں نہائی ملے تو شوہر کے ذہن میں باہر کا گند نہ رہے اور ویسے بھی اصل زینت شوہر کے لیے ہی ہوتی ہے۔"

"اوہ......" لیبا راشد کے منہ سے گہری سانس نکلی۔

"سر! یہ ہے تو ایک معمولی بات لیکن آپ کی اس بات نے میری آنکھیں کھول دیں۔ واقعی ہم عورتیں اس بات پر بالکل دھیان نہیں دیتیں۔ آپ کی اس بات میں سے دو پہلو میں نے لیے ہیں سر۔ ایک تو یہ کہ واقعی اب میں گھر میں تیار رہوں گی جو کہ بالکل مشکل نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ سر اب میں باقاعدہ پردہ کروں گی کہ جب بھی میں تیار ہو کر نکلتی ہوں تو واقعی کتنے مردوں کی نظروں میں آتی ہوں گی۔"

"گڈ! میں نے کہا نا کہ آپ جیسے ذہین لوگ ہمارے معاشرے کے لیے سرمایہ ہیں اور ایک آخری بات خوش رہا کیجیے کہ انسان کا خوش رہنا ہی اس کے دکھ دینے والوں کے لیے بڑی سزا ہے۔"

"جی سر انشاء اللہ۔" لیبا اب کھڑی ہو گئی۔

"تو پھر جلد ہی میں آپ کی اگلی اسٹوری کے لیے امید رکھوں؟" مبشر بخاری ایک بار پھر اپنی عینک کی اوٹ میں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"انشاء اللہ سر ضرور۔"

"اوکے وش یو بیسٹ آف لک۔"

☆......☆

چند دن بعد مبشر بخاری کے روم کا دروازہ بجا۔ ان کے اجازت دینے پر سیاہ برقعے اور حجاب میں ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔

"پلیز سر! یہ میری اسٹوری۔"

"ارے لیبا راشد ہیں نا آپ اگر میں نے غلط نہیں سمجھا تو۔"

"بالکل سر! میں لیبا ہوں۔"

"تشریف رکھیے۔"

"سر! یہ اسٹوری ہے اور سر میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں۔ آپ مجھے قوم کا سرمایہ کہتے ہیں قوم کا اصل سرمایہ تو آپ ہیں۔ آپ کے سمجھائے ہوئے چند الفاظ نے میری زندگی بدل دی۔ میرا شوہر، میرے گھر کا سکون سب کچھ مجھے واپس کر دیے، میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں۔"

"نہیں مس لیبا! بات سمجھانے کی نہیں ہوتی صرف بات تو عمل کرنے کی ہوتی ہے۔ بہت ساری باتیں ہمیں معلوم ہو جاتی ہیں لیکن ہم اس پر عمل نہیں کرتے، آپ نے میری بات پر عمل کیا، میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ شیخ سعدی کا قول ہے۔

"جس نے علم حاصل کیا اور عمل نہ کیا وہ اس کی مانند ہے جس نے ہل چلایا اور بیج نہ بکھیرا۔ اور آپ نے بیج بکھیر دیا اور اب درخت بھی آپ کے سامنے ہے۔" وہ اثبات میں سر ہلاتی روم سے باہر نکل گئی کہ وہ زندگی کی حقیقت کو سمجھ گئی تھی۔

......☆......

افسانہ

ماں

''امی بتائیں ناں! کیا یہ سب سچ ہے؟ کیا میں آپ کی اپنی اولاد نہیں ہوں، کیا میں سچ میں کسی اور کا خون ہوں؟ بتائیں ناں؟'' اشال مسلسل ماں کے قدموں میں بیٹھ کر روئے جا رہی تھی۔

''ماں میری پہچان کیا ہے؟ میں کس کا خون ہوں؟ کون ہوں میں کیا حقیقت ہے؟ آپ خاموش کیوں ہیں بتایئے ناں؟''

امی! کیا صفیہ چاچی سچ کہہ رہی تھیں؟ جو کچھ انہوں نے کہا وہ سچ ہے؟ میں جانتی ہوں کہ چاچی مجھے پسند نہیں کرتیں وہ مجھ سے چڑی رہتی ہیں۔ وہ اتنا کچھ کہہ دیتی ہیں مگر مجھے برا نہیں لگا لیکن آج اتنی بڑی بات چاچی نے کہہ دی۔'' وہ روتے ہوئے زبیدہ بیگم سے التجائیں کر رہی تھیں۔

''امی! کہیے کہ میں صرف آپ کا خون ہوں۔ صرف اور صرف آپ کی بیٹی ہوں۔ کہہ دیجیے کہ وہ سب جھوٹ ہے جو چاچی نے کہا۔'' ماں کے ہاتھوں کو تھام کر وہ بھیگی ہوئی۔

ان سب باتوں کو جان کر زبیدہ بیگم ایک لمحے کے لیے چکرا کر رہ گئیں۔

''امی! بولیے ناں آپ خاموش کیوں ہیں؟'' وہ ماں کو جھنجھوڑتے ہوئے زور سے چلائی۔

''ہاں! ہاں یہ سب سچ ہے کہ تم میری اولاد نہیں ہو۔ تم کسی اور کا خون ہو۔'' زبیدہ کے الفاظ نے اشال کی سماعتوں پر بم پھوڑا۔ وہ جو اس بھرم میں تھی کہ یہ سب جھوٹ ہوگا مگر اب زبیدہ کے کہے الفاظ نے اس کا بھرم توڑ دیا تھا۔

''مگر بیٹا!''

''نہیں اس کا مطلب صفیہ چاچی نے سچ کہا۔ میں آپ کی اولاد نہیں ہوں۔ 18 سال آپ نے یہ بات چھپائے رکھی۔ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ میری ماں کون ہے، کہاں ہے؟''

''گڑیا میری بات سنو۔''

''نہیں امی! اور کچھ نہیں سن سکتی کہ اب سننے کے لیے بچا ہی کیا ہے۔'' اشال سسکتے ہوئے زبیدہ بیگم کو کچھ بھی کہنے سے روکتی ہوئی وہاں سے بھاگتی اپنے روم میں بند ہوگئی۔

☆.....☆

''صفیہ! یہ کیا کیا تم نے کیوں کیا ایسا، جو بات اٹھارہ سالوں سے چھپائے رکھی آج تم وہ بات زبان پر کیسے لے آئیں۔ اتنی بڑی بات تم نے اتنی آسانی سے اشال سے کہہ دی مانا کہ تم اشال کو پسند نہیں کرتیں اس کی وجہ بھی جانتی ہوں کہ تمہارے بقول اشال اس خاندان کا خون نہیں ہے تم شروع سے ہی اسے پسند نہیں کرتیں مگر جو بات تم نے اپنے دل میں رکھی آج کیوں زبان پر لے آئیں آج بھی نہ لاتیں تو اس بچی کا دل نہیں ٹوٹتا مگر آج تم نے اس کے ساتھ ساتھ میرا بھی دل توڑ دیا۔'' زبیدہ بیگم کہتے کہتے آبدیدہ ہوئیں۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"بھابھی! میں جانتی ہوں کہ میں نے اشمال کو سب بتا کر غلط کیا ہے۔ آپ کے دل کو بھی ٹھیس پہنچی ہے مگر سچ چاہے جتنا بھی چھپ جائے مگر ایک دن سامنے آ کر رہتا ہے۔ میں اشمال کو بھی نہیں بتاتی مگر مجبور بھی آپ لوگوں نے کیا ہے۔ نہ گھر میں اشمال اور جبران (صفیہ کا بیٹا) کے رشتے کی بات چلتی اور نہ مجھے اسے یہ سب بتانا پڑتا۔ میں ایک ایسی لڑکی کو اپنے گھر کی بہو کیسے بناؤں جو اس گھر کی ہے ہی نہیں، جس کے ماں باپ کا کوئی پتہ ہی نہیں۔ آپ نے تو صرف پالا ہے ماں باپ کون ہیں کیا پتا؟"

"معاف کرنا بھابی مگر میں ایسی لڑکی کو اپنی بہو ہرگز نہیں بنا سکتی۔ آج سچائی اشمال کو پتہ چلی کل خاندان سے باہر لوگوں کو پتہ چل جائے گی۔ کس کس کو کیا جواب دیں گے۔ کون ہے اشمال کیا خاندان ہے اس کا؟ اس کا کوئی خاندان ہے بھی یا پھر کسی کی نا......" انہوں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی دبی آواز میں کہا۔ "بس صفیہ! بس آگے ایک لفظ نہیں، میں اور کچھ نہیں سننا چاہتی۔ اشمال میری ہی بیٹی ہے اور میری ہی رہے گی، تمہیں اس کو اپنی بہو نہیں بنانا تو نہیں بناؤ مگر ایسے الفاظ مت کہو جس سے میری پرورش پر انگلی اٹھے کہ میں نے اپنی ممتا نچھاور کر دی اشمال پر۔" آنکھوں میں آنسو لیے وہ رندھی آواز میں کہتی وہاں سے چل دیں۔ جب کہ صفیہ انہیں شکستہ جاتا دیکھنے لگیں۔

☆......☆

"گڑیا دروازہ کھولو! تم میری بات تو سن لو تم کچھ نہیں جانتی ہو تم صرف میری گڑیا ہو میری بیٹی ہو۔" زبیدہ بیگم روتے ہوئے دروازہ پیٹنے لگیں۔

"امی پلیز! مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ میں اکیلا رہنا چاہتی ہوں۔"

"میری بات تو سنو! جو سب تم نے سنا وہ ادھورا سچ ہے۔" زبیدہ بیگم چور لہجے میں بولیں۔

"گڑیا! تمہیں میری قسم دروازہ کھولو ایک بار تو میری بات سنو ادھورے سچ پر یقین کر لیا جو میں بتانا چاہتی ہوں وہ تم سننا نہیں چاہتیں۔ میں مر جاؤں گی تمہاری بے رخی دیکھ کر، اتنی بڑی سزا مت دو اپنی ماں کو۔" زبیدہ بیگم مسلسل روتے ہوئے تڑپ تڑپ کر زور زور سے دروازہ پیٹ رہی تھیں۔ ماں کی تڑپ بن کر اشمال نے جھٹ سے دروازہ کھولا اور واپس پلٹ گئی۔ آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں اور اندر ایک طوفان برپا تھا۔

آج ٹوٹ جو گئی تھی جن محبتوں پر نازاں تھی آج سب پرائی لگ رہی تھیں۔ دروازہ کھولتے ہی زبیدہ بیگم اندر آ گئیں جہاں وہ رخ موڑے کھڑی تھی۔

"بیٹا! اپنی ماں سے خفا ہو اتنی ناراضی!" زبیدہ بیگم اسے شانوں سے تھام کر رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے محبت سے لبریز لہجے میں گویا ہوئیں۔

"نہیں! جب تک آپ ہمیں سچائی نہیں بتا دیتیں ہم آپ سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ ہمارے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ ہم کون ہیں کیا ہیں ہماری پہچان۔" اس نے کٹھور لہجے میں کہا۔

"کیسے بتا دوں تمہاری ماں کے بارے میں جس نے تمہیں جنم دے کر مجھے سونپ دیا۔ کیا بتاؤں کیوں سونپا۔" وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگیں۔

"بیٹا! تمہارے سامنے ماں سچ بن کر کھڑی ہے اور تم پھر بھی جاننا چاہتی ہو کہ تم کون ہو۔"

"ہاں! اب یہ جاننا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ یہ تو ہمیں پتہ ہے کہ میں آپ کی اولاد نہیں ہوں مگر

آپ کا نہ بتانا ہمیں یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے کہ کہیں میں ناجائز تو نہیں۔"

"اشمال!" وہ چلاتے ہوئے اشمال پر ہاتھ اٹھا گئیں۔

اس کے الفاظ زبیدہ بیگم کے دل پر ہتھوڑے بن کر برس رہے تھے اور اس کے آخری بول نے تو ان کے پیروں تلے کی زمین کھینچ لی، اب ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے۔

"بس کرو اشمال! بس کرو۔ میں سب لوگوں کی باتیں سہہ سکتی ہوں مگر جب وہ اولاد جسے سینے سے لگا کر رکھا وہ ایسی بات کرے یہ میں نہیں سہہ سکتی۔ تمہارے لیے سچ جاننا بہت ضروری ہے ناں؟ تم نے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تو ٹھیک ہے یہ سچ صرف تم ہی نہیں باقی بچوں کے ساتھ صفیہ کے بھی گوش گزار کرتی ہے تاکہ کل کوئی پوچھے تو اسے جواب بھی دے سکے۔ آؤ میرے ساتھ۔" وہ اشمال کا ہاتھ تھام کر لاؤنج میں لے آئیں جہاں صفیہ کے ساتھ باقی بچے بھی موجود تھے۔

"صفیہ! تمہیں سچ سننا ہے اور اشمال کو پوری سچائی جاننی ہے تو پھر یہ سچ سب کے سامنے ہی آئے اچھا ہے کہ بار بار سب کو بتانے پر مجھے تکلیف ہوگی تو اس لیے ایک بار میں ہی سچ پتہ چل جائے۔ اشمال! تمہیں سچ جاننا ہے تو سنو یہ سچ ہے کہ تم میری بیٹی نہیں ہو۔" وہ تکلیف سے کہتی اپنے آنسو حلق میں اتارنے لگیں۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ میں نے تمہیں جنم نہیں دیا۔ خدا کا دیا میرے پاس سب کچھ تھا۔ گھر، آنگن میں پھول بھی کھلے، تین بیٹوں کی صورت میں۔ اریان، ریان اور شایان۔ جہاں ان تینوں کو بھی ایک گڑیا کی ضرورت تھی وہیں میرا اور ان کے پاپا کا بھی ارمان تھا کہ ہمارے آنگن میں ننھی تتلی ان پھولوں کے پاس آئے اور اپنے ہزار رنگ بکھیر دے۔ ہمارے گھر کوئی بھی بچی نہیں تھی۔ پھر خدا نے میری سنی میرے گھر بیٹی پیدا ہوئی مگر وہ مر گئی پیدا ہوتے ہی۔ پھر بہت دنوں کے بعد میں دوبارہ امید سے ہوئی اس بار اللہ سے دعائیں مانگتی رہی کہ خدا مجھے بیٹی دے، پھر وہ وقت بھی آیا جس کا مجھے بے صبری سے انتظار تھا۔ اس بار بھی خدا کو یہی منظور تھا۔ میں اسپتال میں تھی جہاں مجھے یہ خوش خبری ملی کہ میری بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ وہیں تھوڑی دیر بعد مجھے خبر ملی کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے مجھے خوشی دوبارہ ملی مگر ادھوری، جس کے آنے سے پہلے میں نے اس کے لیے سب کچھ سجا کر رکھا اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے ننھے ننھے کپڑے بنائے وہ آئی بھی تو ادھوری سانسوں کے ساتھ، میں نے اسے بھی اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کر لیا۔ دوسرے دن اسپتال سے ڈسچارج ہونے سے پہلے میں اپنے روم میں تھی کہ برابر سے کسی کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ کوئی تھی جو مسلسل روئے جا رہی تھی۔ مجھ سے صبر نہ ہوا تو وہیں چل پڑی۔ سامنے بیڈ پر ایک عورت بیٹھی رو رہی تھی اور نرس اس کے پاس کھڑی تھی جس کے ہاتھوں میں پنک کمبل میں لپٹی ایک معصوم بچی تھی جسے وہ عورت لینے سے انکار کر رہی تھی۔ میں نے وجہ جاننا چاہی نرس میرے پاس آئی اور وہ بچی جو روئے جا رہی تھی مجھے سونپی۔ میں نے بانہوں میں بچی لے کر عورت سے پوچھا۔ کیوں اس بچی کو لینے سے انکاری ہو؟ ننھی بچی کے پنک گالوں کو محبت سے چھوا۔ جو میری بانہوں میں خاموش ہو گئی تھی۔ جیسے اسے مہربان آغوش کی ضرورت تھی جو اسے مل گئی۔"

"لے جاؤ دور کر دو میری نظروں سے، میں نہیں لینا چاہتی اس بچی کو۔ اس کی وجہ سے میرا گھر برباد ہو جائے گا۔" وہ روتے ہوئے دردے

READING CORNER

کراہ کر بولی تو میں نے دوبارہ سوال کیا۔ ''کیوں ایسے بول رہی ہو یہ آپ کی بیٹی ہے اور بیٹی تو اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔'' تو وہ بولی۔ ''میرے لیے یہ رحمت نہیں یہ میرے لیے منحوس ہے۔ میرے گھر میں پہلے ہی تین بیٹیاں ہیں۔ میرے شوہر نے دھمکی دی تھی کہ اگر اس بار بیٹی ہوئی تو وہ مجھے بیٹیوں سمیت گھر سے نکال دیں گے۔ ان تینوں کو تو اپنا لیا مگر اب شاید اسے نہیں اپنائے۔ اپنا گھر بچانے کے لیے مجھے اس بچی کے ساتھ ظلم کرنا پڑ رہا ہے مگر میں کیا کروں میں اتنی خود غرض ماں ہوں کہ اپنا گھر بچانے کے لیے اس بچی کو قربان کر رہی ہوں۔ میرا تو کوئی آسرا نہیں ہے، کیا کروں۔'' وہ بے بسی سے رو رہی تھی اور دونوں ہاتھوں سے سر کو تھاما۔

پھر دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''لے جاؤ آپ اس کو میری نظروں سے کہیں دور، میں نے اسے نہیں دیکھا میں سمجھوں گی کہ میرے گھر اولاد ہوئی تھی مگر مری ہوئی ابھی اسے دور کر دو ورنہ یہ آجائیں گے۔'' ہم دونوں ابھی باتیں کر رہے تھے کہ ان کے شوہر آگئے۔ اس نے پوچھا تو وہ جھوٹ بولی کہ ان کی مری ہوئی اولاد ہوئی تھی وہ ایک نظر اسے دیکھ کر باہر چلے گئے تھے۔ تو میں نے اسے کہا وہ اب بھی رو رہی تھی۔

''آپ روئیں مت، آپ کی بیٹی کو میں اپنی بیٹی بنا کر لے جاؤں گی۔ اگر آپ کی اجازت ہو میری کوئی بیٹی نہیں ہے اگر یہ رحمت مجھے مل جائے تو یہ میرا نصیب ہے۔ خدا نے آپ کو میرے لیے بھیجا کہ مجھے بیٹی چاہیے تھی اور وہ آپ نے مجھے دے دی۔ اب سے یہ میری بیٹی ہے۔ اسے اپنے سینے سے لگا کر رکھوں گی اور وعدہ ہے کہ آپ کی بیٹی کو ہمیشہ خوش رکھوں گی یہ مسکرائے گی تو میں مسکراؤں گی، یہ میری جان ہو گی۔ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اتنا خوب صورت تحفہ دیا۔'' یہ کہہ کر میں تمہیں لیے وہاں سے چلی آئی۔ تم کو اپنے آنگن کے پھولوں کے پاس جو کب سے انتظار میں تھے۔ باقی گھر میں سب کو پتہ تھا کہ میری بیٹی پیدا ہوتے ہی چل بسی کسی کو یہ نہیں بتایا کہ تم کسی بدنصیب عورت کی بیٹی تھیں کچھ دن بعد میں اسپتال گئی وہاں ڈاکٹر سے پتہ چلا کہ وہ عورت اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ مجھے بہت افسوس ہوا اس کی باقی بیٹیوں کے بارے میں، میں سوچ رہی تھی ان کا کیا ہو گا؟ تمہیں تو اپنے ساتھ لے آئی مجھے تمہارے آنے سے خوشی مل گئی۔ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ میں نے تمہیں پالا، بھلے سے جنم نہیں دیا مگر اپنا دودھ دیا پرورش کی۔ مگر آج میری بیٹی مجھ سے سوال کر رہی ہے کہ میں اس کی بیٹی ہوں بھی یا نہیں؟ اس کے لیے یہ سب جاننا ضروری تھا اس کی ماں کی پرورش سے بھی زیادہ، اشمال کیا ماں صرف جنم دینے والی ہی ہوتی ہے پالنے والی ماں نہیں ہوتی؟'' سچائی بتاتے ہوئے انہوں نے شاکی نظروں سے اشمال کی جانب دیکھ کر سوال کیا۔ جو اپنا رونا بھول کر حیرت سے اپنی مہربان ماں کو دیکھ رہی تھی۔ جو اس کی حقیقی ماں تھی۔ وہ آگے بڑھی اور ان کے پاس آئی۔

''ماں۔''

''نہیں اشمال! اب یہ پتہ چل گیا تم سب کو میں تمہاری ماں نہیں ہوں مگر تم کو اپنی اولاد سے بڑھ کر پیار کیا اور آج تم نے اس ماں کو توڑ دیا۔'' زبیدہ بیگم روتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں اور اشمال انہیں جاتا دیکھنے لگی۔ صفیہ کے بھی آنسو بہہ نکلے۔

''یہ میں نے کیا کر دیا اپنی ماں کو خود سے دور کر دیا۔'' اشمال سوچنے لگی۔

☆......☆

صبح سے شام اور شام سے رات ہو گئی مگر دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ زبیدہ بیگم نے خود کو کمرے میں بند کر دیا تھا۔ جو ایک درد سے گزر رہی تھیں۔ دوسری صبح اشمال ان کے روم میں آئی تو وہ اب بھی شاید رو رہی تھیں۔ اشمال کو دیکھا تو جلدی سے رخ موڑ کر آنسو صاف کیے۔

''امی! آپ نے کل سے کچھ نہیں کھایا اور اب بھی ناشتہ نہیں کر رہی ہیں۔ چلیں ناں آکر ناشتہ کر لیں۔'' اشمال نے زبیدہ بیگم کا ہاتھ سے پکڑ کر اصرار کیا تو وہ اپنا ہاتھ چھڑوا گئیں۔

''نہیں اشمال مجھے بھوک نہیں ہے تم جاؤ۔'' وہ روئے لہجے میں بولیں۔

''امی! آپ مجھ سے ناراض ہیں، میں جانتی ہوں کہ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے۔'' وہ وہیں ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''نہیں اشمال! میں ناراض نہیں ہوں اور مجھے کیا حق کہ میں تم سے ناراض ہوں۔''

''اگر آپ ناراض نہیں ہیں تو آپ مجھے اشمال کہہ کر نہیں گڑیا کہہ کر پکاریں مگر آپ ناراض ہیں۔ سوری امی! میں آپ سے معافی مانگتی ہوں میں نے اتنا کچھ کہہ دیا میں غلط تھی۔ آپ میری ماں ہیں بھلے ہی جنم کسی نے بھی دیا ہو مگر میں صرف آپ کی بیٹی ہوں اور ہمیشہ آپ کی بیٹی رہوں گی۔ آپ بہت مہربان ہو آپ جیسی ماں تو خدا سب کو دے بدنصیب تو میں تھی جو آپ کی بانہوں میں آکر خوش نصیب ہو گئی۔ مجھے آپ جیسی محبت کرنے والی ماں ملی اب دنیا کچھ بھی کہے میں آپ کی بیٹی ہوں اور آپ ہی میری پہچان ہو میرا سب کچھ ہو آپ میری جنت ہو۔ آئی لو یو ماں، میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں مجھے معاف کر دیں۔ میں اپنے کان پکڑ کر معافی مانگتی ہوں اور آپ کے پیر پکڑ کر۔'' اس نے زبیدہ کے پیر پکڑنے چاہے مگر انہوں نے جلدی سے اسے شانوں سے تھام کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''نہیں بیٹا! یہ کیا کر رہی ہو، میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم مجھ سے معافی مت مانگو۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ تم مجھے اپنی ماں کہہ رہی ہو۔ تم صرف میری بیٹی ہو صرف میری گڑیا ہو۔ تمہاری پہچان تمہاری ماں ہے۔ اشمال صرف اور صرف زبیدہ کی بیٹی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔'' زبیدہ نے محبت سے اشمال کے ماتھے پر پیار کیا۔

''اور آپ میری مہرباں ماں۔''

''بھابھی! مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کا دل دکھایا۔ مجھے ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اشمال نہ صرف اس گھر کی بیٹی رہے گی بلکہ بہو بھی بنے گی۔ میں اشمال کو اپنی بہو بناؤں گی وہ ہمیشہ آپ کے پاس رہے گی۔'' صفیہ نے معافی مانگتے ہوئے مسکرا کر اشمال کے سر پر محبت بھرا ہاتھ پھیرا۔ زبیدہ نے ہاتھ بڑھا کر صفیہ کا ہاتھ تھام لیا اور اشمال کو محبت سے دیکھنے لگیں۔

اشمال نے بھی اپنی ماں کی محبت بھری نگاہوں کو دیکھا اور ان کی مہربان بانہوں میں سما گئی۔ جیسے کچھ سال پہلے وہ ان کی بانہوں میں سما کر چپ ہو گئی تھی۔ آج پھر وہ ان بانہوں میں سما کر چپ ہو گئی تھی کہ آج بھی وہ مہربان ماں اس کے ساتھ تھی۔

☆......☆

بیٹیاں اللہ کی رحمت ہوتی ہیں اور اس رحمت کو کبھی منحوس نا کہیے کہ یہ رحمت اللہ ہر کسی کو نہیں دیتا۔ خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ اتنی خوب صورت رحمتوں سے نوازتا ہے۔

☆......☆

READING CORNER

سلسلے وار ناول

قسط نمبر 13

تیرے پیار کی خوشبو

''حتمین!'' بی بی جان نے خشمگیں نظروں سے اس کا پُرسوچ چہرہ دیکھا تھا۔
''جی بی بی جان!'' حتمین آفریدی نے نہایت چونک کر بی بی جان کو دیکھا تھا۔

''جان بی بی جان آج کس کو لنچ یا ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے؟''
''سمیعہ زیدی کو۔''
''ہوں..... تو ایک کام کرو تم فریش ہو کر نیچے آؤ۔ ناشتہ کرو اور کوئٹہ کے لیے نکلو آج سمیعہ زیدی کے ساتھ لنچ میں کروں گی۔''
''توبی بی جان!'' اس نے تو اپنے کان پکڑ لیے۔
''کیوں آپ میرے افیئر کے پیچھے لگ گئی ہیں۔ بچ اتنی مشکل سے پٹایا ہے کچھ دن تو سکون سے انجوائے کرنے دیں۔'' ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے گل افشانی کرنے لگا تھا۔
''ڈھٹائی اور بے شرمی کی ساری حدیں توڑ دی ہیں بے حیائی کی طرح میرے ہی سامنے جو منہ میں آ رہا ہے بکے چلے جا رہے ہو۔'' بی بی جان نے دو تین زور سے لگائے تھے حتمین آفریدی کو۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"کیا بی بی جان!" حسین آفریدی اٹھ کر ان کے قدموں میں پھر سے بیٹھ گیا تھا اور ان کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا تھا۔

"آپ تو میری گرل فرینڈ ہیں آپ سے کیسی شرم و حیا۔"

"ارے رے ہو جانے کیا اول فول بولے چلے جا رہے ہو۔" انہوں نے بھی اس کو خود سے دور کرنا چاہا تھا مگر اس نے پھر بھی بی بی جان کے گھٹنے نہیں چھوڑے تھے۔

"ایک بات تو بتائیے بی بی جان! آپ کو کبھی دادا جان نے اگر آئی لو یو بولا ہو گا تو آپ کا ری ایکشن کیا ہو گا؟" وہ بی بی جان کو چھیڑنے لگا تھا۔

"تمہارے دادا جان نہایت ہی سخت گیر اور اصول پرست انسان تھے۔ انہیں پیار کی زبان نہیں آتی تھی۔"

"اس کا مطلب......!"

"اس کا مطلب کچھ نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔" بی بی جان نے اس کی بات ہی کاٹ دی تھی۔

"بہت باتیں بگھار لیں اب اٹھو اور فوراً نیچے تیار ہو کر آجاؤ۔" بی بی جان کھڑی ہو گئی تھیں۔

"اب میں نیچے جا رہی ہوں زوبار یہ تم سے سخت ناراض ہو گئی ہے اسے منا لینا اور حسین تھوڑے سے سمجھداری پن کا مظاہرہ کر لیا کرو، اب تو تم بڑے ہو گئے ہو تا کیوں پھیلاتے ہو اپنا کمرہ۔" بی بی جان نے ایک طائرانہ نظر اس کے پورے کمرے پر ڈالی تھی۔

"بی بی جان! میں کہاں پھیلاتا ہوں، خود ہی پھیل جاتا ہے۔" حسین آفریدی بھی پکا ڈھیٹ تھا۔

"بہت خوب، زوبار یہ کی ہی ہمت ہے جو تمہارا کمرہ سمیٹتی ہے۔ خیر جلدی سے نیچے آؤ میں تمہارا نیچے انتظار کر رہی ہوں۔" بی بی جان پھر رکی نہیں کمرے سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

حسین آفریدی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سب سے پہلے اپنا موبائل ڈھونڈا جو بڑی مشکل سے مل ہی گیا تھا۔ پھر سمیعہ زیدی کا نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔ اسے آج کا کوئی بہانہ بھی تو بنانا تھا۔ مان تو جائے گی مگر بڑی مشکلوں کے بعد۔

ارشد اپنے بیڈ روم سے آفس جانے کے لیے نکلا تھا۔ ہاتھ میں رسٹ واچ باندھتے ہوئے اس کی نظر سامنے بیٹھے زرنیل پر پڑی جو رضا کو گود میں بھرے اس سے باتیں کر رہا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر ارشد کی آنکھوں میں بجلیاں سی بجلیاں کوندنے لگی تھیں۔ آنکھوں میں واضح وحشت و بربریت اتر آئی تھی۔ چہرے پر ایک دم سرد مہری سی چھانے لگی تھی۔ اس کے غصے کا پیمانہ بھر گیا تھا۔ وہ کل رات ہی نیروبی سے واپس آیا تھا۔ اس کی بزنس ڈیلنگ کامیاب رہی تھی۔ وہ اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا مگر صبح صبح زرنیل کا چہرہ دیکھ کر اس کے منہ میں کڑواہٹ گھلنے لگی تھی۔ اس کا خون جوش مارنے لگا تھا اندر باہر لاوا سا ابلنے لگا تھا۔

"تم...... تم یہاں کیوں آئے ہو، تمہاری اتنی جرأت ہوئی بھی کیسے یہاں قدم رکھنے کی؟" زرنیل نے نظر اوپر اٹھائی تو سامنے ارشد کو کافی جاہ و جلال میں دیکھا تھا مگر سامنے بھی زرنیل تھا جس کا غصہ ارشد سے کم بھی نہیں تھا مگر دونوں کے غیظ و غضب میں فرق بھی بہت تھا۔ ارشد اگرچہ جذباتی تھا جسے یہ ہوش نہیں رہتا کہ وہ غصہ میں کیا بول رہا ہے۔ کیا کر رہا ہے مگر اس کی بانسبت زرنیل اپنے غصے پر اپنے اعصاب پر اپنے ہوش و حواس پر کنٹرول کرنا جانتا تھا۔ سامنے والے کو زیر کرنے کا ہنر جانتا تھا۔

"تمہاری عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ جو ابھی تک میری جرأت پر ہی حیران ہو۔" زرنیل نے

رضا کو سائیڈ پر بٹھایا اور خود اس کے مقابل کھڑا ہو گیا تھا۔ نجمہ جو کہ وہیں بیٹھی تھیں ارشد کو دیکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

آج ان دونوں کا ٹکراؤ ہو ہی گیا تھا۔ جانے یہ ٹکراؤ کیا رنگ لائے، دونوں ہی غصہ آور شخصیت کے مالک تھے۔ ایک دوسرے سے پیچھے ہٹنے کو قطعی راضی نہیں تھے۔ نجمہ تو باقاعدہ دل پر ہاتھ رکھے کتنی سورتیں پڑھنے لگی تھیں۔ ان کا دل دہلنے لگا تھا۔ اسی دوران وہاں ثمرن بھی چلی آئی تھی۔ ارشد اور زرنیل کو ایک دوسرے کے مقابل دیکھ کر اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ وہ سہم کر نجمہ کے پاس آئی تھی اور ان کا کانپتے ہاتھ سے شانہ پکڑ لیا تھا۔

"بہر حال تم سے بحث کرنے کے بالکل موڈ میں نہیں ہوں۔ نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ ہے۔ میں آج ژالے اور رضا کو لینے آیا ہوں۔"

"خبردار! جو اپنی زبان سے میری بہن کا نام بھی لیا تو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" ارشد تیز آواز میں زور سے دہاڑا کہ در و دیوار تک ہل کر رہ گئی تھیں مگر اس کے دہاڑنے کا زرنیل نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

"تمہارا نہیں خیال کہ یہ بات تم بھول رہے ہو تمہاری بہن میری بیوی بھی ہے۔" طنزیہ نظروں سے اس کے اندر تک کو دیکھا تھا زرنیل نے۔

"اونہہ......" وہ استہزائیہ ہنسا تھا۔

"بیوی، بہت جلدی خیال آگیا اپنی بیوی کا۔"

"ہاں آگیا جلدی خیال تو اب آگے کیا......؟" زرنیل کے لب و لہجے میں نہایت سکون و اطمینان تھا اور یہی سکون اور اطمینان ارشد کی مزید جان جلا رہا تھا۔

"آگے یہ کہ اب اس قصے کو آج ہی ختم کر دیا جائے۔" وہ آر یا پار کرنے کے در پہ تھا۔

"ارشد! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟" نجمہ اپنا دل سنبھالتی آگے بڑھیں۔

"ماما پلیز! آپ کچھ نہیں بولیں گی۔" ارشد نے نجمہ کو مزید کچھ بولنے سے پہلے ٹوک دیا تھا۔

زرنیل نے نجمہ کو ایک نظر دیکھا جن کا چہرہ اتر گیا تھا۔ پھر ارشد کو گھورا تھا۔ دل تو بہت چاہا کہ آگے بڑھ کر اس بے وقوف کے منہ پر ایک جھانپڑ رسید کر دے مگر بمشکل اپنی غصہ آور حالت پر قابو پایا تھا۔

"بہت شوق ہے قصہ ختم کرنے کا، ذرا اپنی بہن صاحبہ کو بھی منظر عام پر لے کر آؤ اور اس سے پوچھو وہ کیا چاہتی ہے۔" زرنیل کی نظر اچانک ہی پیچھے دروازے کی اوٹ میں چھپے ژالے کے آنچل پر پڑی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ژالے سب سن چکی ہے۔ اسے ژالے پر خود سے زیادہ از حد یقین و اعتبار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ژالے اس کا اعتماد اس کا بھرم ٹوٹنے نہیں دے گی۔ اسی کا ساتھ دے گی اور رضا کو گود میں بٹھائے اس کے ہمراہ چلے گی۔

ثمرن نے بغور دونوں کو دیکھا تھا وہ سمجھ گئی تھی کہ لڑائی بہت آگے بڑھے گی اگر دونوں میں سے کوئی ایک یہاں سے نہیں گیا تو وہ ارشد کے جذباتی غصے کو بھی اچھی طرح جانتی تھی اور زرنیل کی سمجھداری سے بھی واقف تھی۔ اس لیے زرنیل کو سمجھانا زیادہ بہتر سمجھا تھا۔ وہ زرنیل کی طرف بڑھی تھی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"زرمیل پلیز! تم اس وقت یہاں سے چلے جاؤ، ارشد بہت غصے میں ہیں۔ بعد میں پاپا اور ڈیڈی کے سامنے آرام اور تسلی سے بات ہو جائے گی۔"

"نہیں ثمرن! بات آج اور اسی وقت ہو گی ارشد کی اس حرکت کو میں بے وقوفی کے سوا اور کچھ نہیں گردانتا۔"

"آل رائٹ۔ تمہیں بہت خوش فہمی ہے نا کہ ژالے تمہارے ساتھ جائے گی تم جیسے خود غرض، مفاد پرست کا ساتھ دے گی جو اسے شادی کے دوسرے دن ہی چھوڑ کے بھاگ گیا تھا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ تمہارے پیچھے اس کا کیا حال ہوا ہو گا۔ اب دو سال بعد تم واپس آتے ہو، سوری کرتے ہو اور چاہتے ہو امید کرتے ہو کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مائی فٹ، ایسا تو نہ میں چاہتا ہوں اور نہ ہی ژالے پھر بھی تمہاری خوش فہمی دور کرنے کے لیے ضرور اسے بلواتا ہوں۔" ارشد نہایت غصے میں آ گیا تھا۔ آج تو ارشد کی حالت ایسی لگ رہی تھی مار دو یا مر جاؤ، وہ آج دہکتا انگارہ بنا ہوا تھا۔ گھر میں فہیم احمد اور سلیم احمد بھی نہیں تھے جو اس بھڑکتے، دہکتے آتش فشاں کو پھٹنے سے روک سکیں۔ وہ دونوں آج صبح جلدی ہی آفس کے لیے نکل گئے تھے۔ کیوں کہ صمد آفریدی، فہیم احمد اور سلیم احمد تینوں کی کسی سے آج میٹنگ تھی ورنہ ارشد ضرور اپنی حدوں میں رہتا ورنہ آج تو ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ سب کچھ جلا کر بھسم کرنے کے در پر ہے۔

"ژالے..... ژالے....."

ارشد نے غصے سے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈری سہمی خوف زدہ چڑیا کی طرح وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ارشد کے پاس آ کر ٹھہر گئی تھی۔ نگاہیں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔ وہ ارشد کے غصے سے اچھی طرح واقف تھی اس کے فیصلے ہمیشہ جذباتی ہوتے تھے۔ غصے میں کسی کا یا اپنا کیا نقصان کر رہا ہے وہ نہیں جانتا تھا مگر جب غصہ ختم ہو جاتا تو اپنے کیے پر پشیمان اور شرمندہ بھی ہوتا۔ اپنے جذباتی غصے کی وجہ سے جو کھو دیتا اس پر پچھتاتا بھی بہت تھا مگر وہ زرمیل کے غیض و غضب و جاہ و جلال سے بھی خوب آشنا تھی وہ وہی کرتا جو اس نے سوچ لیا یا کہہ دیا۔ پھر اسے کوئی اس کے قدم سے ایک انچ بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ اس خاندان کے دو ہی لوگ سب سے زیادہ غصہ آور، ضدی اور ہٹ دھرم واقع ہوئے تھے۔ اس شور شرابے اور ہنگامے کا سن کر نیچے سے آسیہ دلہتی ہوئی اپنا دل تھامے اوپر آئی تھیں۔ عارفین جو کہ آفس جانے کے لیے نیچے اتر رہا تھا وہ بھی اس شور کا سن کر فوراً وہاں آیا تھا۔ زرمیل، ارشد اور ژالے کو دیکھ کر سارا معاملہ سمجھ آ گیا تھا۔ تو آج یہ دن آ ہی گیا جس سے سب کے دلوں میں ایک خوف سا بیٹھ گیا تھا۔

"جی..... ارشد بھائی....." زبان بری طرح لڑکھڑا کے رہ گئی تھی۔ ارشد نے ژالے کو دیکھا اور اس کا بازو پکڑ کے سامنے کیا تھا۔

"ژالے! بولو تم کیا چاہتی ہو بتا دو سب کو کہ تمہیں اس خود غرض مفاد پرست انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی جو تمہیں شادی کے دو دن بعد ہی چھوڑ کے چلا گیا تھا۔ بتا دو سب کو اور خاص کر زرمیل کے منہ پر اپنی ناپسندیدگی کا تمانچا مار دو تاکہ موصوف کی خوش فہمی دور ہو سکے۔"

"ارشد! کیا کہہ رہے ہیں آپ کچھ اندازہ بھی ہے آپ کو غلط کر رہے ہیں آپ خدارا مت کیجیے اس طرح یہ صحیح نہیں ہے۔" ثمرن تیزی سے ارشد کے پاس آئی تھی ارشد کا زرمیل کے ساتھ اس طرح انداز مخاطب

اچھا نہیں لگا تھا۔

"شٹ اپ! جسٹ شٹ اپ۔ خبردار! جو تم نے اس معاملے میں ایک لفظ بھی منہ سے نکالا ہو تو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ بہتری اسی میں ہے کہ تم اس سارے قصے سے دور ہی رہو۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں تم میرے گھر سے ہی نکلو تمہیں اپنا یہ بھائی بہت عزیز ہے نا جاؤ چلی جاؤ اس کے پاس آرام سے اس کی فیور لیتی رہنا مجھے اور میرے گھر کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ارشد نے بری طرح اس کو بے عزت کر دیا تھا۔

ثمرن ہتک، ذلت اور احساس توہین سے لمحہ بھر کو سن کھڑی رہی تھی۔ ارشد نے اسے پتھر کھینچ مارے تھے۔ اس درجے سرد مہری، بے گانگی، اجنبیت اور سنگ دلی کا مظاہرہ کیا گیا تھا کہ وہ خون کے گھونٹ بھر کے رہ گئی تھی۔

ارشد اچھی طرح سے جانتا تھا کہ ثمرن زرمیل کی کمزوری ہے وہ اسے سگی بہنوں سے بڑھ کر چاہتا ہے۔ حرا اور ثمرن میں اس نے کبھی کوئی فرق نہیں کیا تھا۔ اس لیے تو اور بھی اس کے سامنے ثمرن کو لتاڑا تھا۔ ارشد انتقام کی آگ میں اس قدر اندھا ہو گیا تھا کہ ژالے کی محبت میں کوئی رشتہ نہیں دیکھ رہا تھا۔

"ارشد بھائی! آپ پلیز ثمرن بھابی کو اس طرح مت کہیے۔" ژالے کو بھی ارشد کا ثمرن کو یوں کہنا پسند نہیں تھا۔ ثمرن کا چہرہ اتر گیا تھا۔ اپنے یوں بے وقعت ہونے پر اس کا دل شدت سے مر جانے کو چاہا تھا۔ بمشکل اپنے بہتے آنسوؤں کو وہ روک پائی تھی۔ زرمیل نے ثمرن کو نہایت دکھ سے دیکھا اور حقیقت اسے تکلیف پہنچی تھی۔

"تم جذباتی نہیں حد درجے کے بے وقوف اور کم عقل انسان ہو۔" زرمیل کی غصے سے رگیں تن گئی تھیں۔

"بہت تکلیف ہوئی نا تمہیں مجھے بھی بہت درد ہوا تھا۔ جب تم نے ژالے کے ساتھ برا کیا تھا۔ میری معصوم بہن کو تکلیف پہنچائی تھی مگر آج اسی وقت ژالے کے سارے دکھوں کا تکلیفوں اس کے غصے اور زخموں کا مداوا ہو جائے گا۔ کیوں کہ تم آج ابھی اور اسی وقت ژالے کو سب کے سامنے طلاق دو گے۔"

"ارشد....." عارفین آگے بڑھا اسے ارشد اس وقت دماغی مریض سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اس وقت وہ بالکل اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ ورنہ اتنی بڑی بات اتنا کمزور لفظ منہ سے نہیں نکالتا۔

"اسٹاپ اٹ..... کہا نا میں نے کہ اس سارے معاملے میں کوئی نہیں بولے گا۔" ارشد نے عارفین کو بھی بری طرح جھڑک دیا تھا۔

زرمیل کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر گیا۔ اس نے کاٹ دار زہریلی نظروں سے ارشد کو دیکھا تھا۔ اس کی نظر ارشد سے ہوتی ہوئی ژالے کے چہرے پر ٹک گئی تھیں۔ یہ سارا فتنہ فساد اسی کی بدولت تو ہو رہا تھا۔ وہ چاہتی تو ایک منٹ میں یہ سارا لڑائی جھگڑا فتنہ فساد ختم کر سکتی تھی مگر وہ تو مجسمہ پیکر بنی ہوئی تھی جیسے شاید عمر بھر نہ بولنے کی قسم کھا کے بیٹھی ہو۔ وہ چپ کیوں تھی کچھ بولتی کیوں نہیں تھی۔

"بولو ژالے بیٹا! آپ کیا چاہتی ہو، آپ خاموش کیوں ہو کچھ تو بولو کیوں کہ یہ جھگڑا بڑھ رہا ہے۔ رشتے ناتے خاندان ٹوٹ رہے ہیں اور انہیں صرف تم ہی بچا سکتی ہو۔" آسیہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے

تھے ان کا لب ولہجہ روہانسا سا ہو گیا تھا وہ زرمیل کا بازو پکڑے ژالے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"بولو ژالے! جو ارشد بول رہا ہے ایسا ہے کیا تم کیا چاہتی ہو؟" نجمہ کو ژالے کی چپ نے غصہ دلا دیا تھا۔ وہ کوئی فیصلہ کیوں نہیں کرتی اسی کے سامنے گزشتہ جیسے بھائی لڑ جھگڑ رہے تھے ایک دوسرے کو مارنے کے در پر تھے اور وہ خاموش تماشائی بنی کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی جیسے یہ سارے رشتے اس کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتے۔

"جی میں بھی یہی چاہتی ہوں جو ارشد بھائی چاہتے ہیں۔" سر کو جھکائے نظریں نیچے کیے وہ اعتراف کر گئی تھی ارشد کا ساتھ دے گئی تھی۔

"یو نا سینس۔" زرمیل کے غصے کی حد جواب دے گئی تھی۔ وہ جو خود پر کنٹرول کیے بیٹھا تھا اس امید پر اس یقین پر کہ ارشد چاہے کچھ بھی کہے یا کرے مگر ژالے اس کے ساتھ ہے وہ اس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گی مگر اس کا بھرم اس کا مان، یقین سب اس کے ایک جملے کی وجہ سے کسی مٹی کے ڈھیر کی طرح ٹوٹتا چلا گیا تھا۔ اسے ارشد سے زیادہ ژالے پر غصہ آیا تھا۔ وہ ژالے کی طرف غیض و غضب کی کیفیت میں آگے بڑھا تھا کہ عارفین نے بڑی مشکل سے اسے پکڑا تھا۔

جب کہ ژالے اس کے حد درجہ غصے جاہ و جلال کو دیکھ کر اندر تک کانپ کر رہ گئی اور کسی خوف زدہ چڑیا کی طرح ڈر کے ارشد کی پشت کے پیچھے چھپی تھی۔

"زرمیل....." عارفین زور سے چیخا تھا اور اسے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا جو شاید یہ مضبوط دیوار توڑ کے سب کچھ تہس نہس کرنے کے در پر تھا۔

"زرمیل! ہوش میں آؤ۔" عارفین اور آسیہ نے اسے سنبھالا ہوا تھا۔

"چھوڑو مجھے۔" زرمیل نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑایا تھا اور عارفین کو گھورنے کے بعد ارشد کو زہریلی نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے وہ تمہاری بے وقوفی میں تمہارا ساتھ دے گی تو جو تم دونوں چاہو گے وہ ہو گا۔ نہیں ارشد! ایسا قطعی ممکن نہیں ہے۔ ابھی تک میں جتنی نرمی سے پیش آ رہا تھا تم نے اتنی ہی مجھے ضد دلائی ہے۔ ژالے اب میری ضد اور انا کا مسئلہ بن گئی ہے۔ میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا بھلے ہی اب وہ میرے ساتھ نہ رہے اور اب تو مجھے اس کو اپنے ساتھ رکھنے کی کوئی خواہش بھی نہیں ہے۔ وہ زندگی بھر میرے نام پر بیٹھی رہے گی اگر کبھی اس کو مجھ سے کوئی جدا کر سکتا ہے تو وہ صرف میری موت ہو گی۔ اپنی زندگی میں تو میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ ہاں میری موت اسے ضرور الگ کر سکتی ہے مجھ سے۔" زرمیل نے نہایت غصے سے اونچی آواز میں کہا تھا کہ کچھ لوگوں کے دل بری طرح کانپ کے رہ گئے تھے۔

"تو زرمیل احمر! ژالے کو یہ بھی منظور ہے۔" ارشد نے بے حسی کی ساری حدیں پار کر دی تھیں۔ دل اس قدر پتھر ہو جائے گا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"ارشد.....!" نجمہ کانپتی ہوئی آگے بڑھیں اور ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر جڑ دیا تھا۔

"بس کرو بہت ہو گیا اب اور نہیں مجھے یقین نہیں آ رہا تم میرے بیٹے ہو کر اس قدر گر جاؤ گے۔ جانے میری تربیت میں میری پرورش میں کہاں کون سی کوتاہی سرزد ہو گئی جو تم اس طرح نکلے ہو۔" نجمہ کا لب ولہجہ

نہایت کمزور ہو گیا تھا۔

"مگر ماما!" ارشد نے گال پر ہاتھ رکھے کچھ کہنا چاہا۔

"کہا نا خاموش ہو جاؤ اگر تمہارے پاپا نے اور فہیم بھائی نے تمہارے ہاتھ میں فیصلے کا اختیار دے دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو منہ میں آئے بولے چلے جاؤ۔"

"زرمیل! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں خدا کے لیے چلو یہاں سے۔" آسیہ کا لہجہ بھی بہت کمزور اور ہارا ہوا تھا۔ آج جیسے سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ زرمیل نے نہایت شدت سے آسیہ کا لب ولہجہ نوٹ کیا تھا۔ پھر ارشد کی پشت سے جھانکتی ان دو سبز آنکھوں میں دیکھا تھا پھر رکا نہیں تھا نکلتا چلا گیا تھا۔

کیا کچھ نہ تھا ان سرمئی کانچ میں اس درجہ ہتک آمیز کاٹ دار نظریں تھیں کہ ژالے احساس توہین کی شدید لپیٹ میں آ کر خود کے لیے دعا کرنے لگی کہ زمین پھٹے یا آسمان وہ اس میں سما جائے۔

"زرمیل! میری بات سنو بیٹا۔" آسیہ تیزی سے اس کے پیچھے بھاگی تھیں وہ اس کے خطرناک ارادوں سے خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ وہ جذبات اور غصے میں آ کر کچھ کر نہ بیٹھے۔

عارفین نے جاتے جاتے ایک بھرپور شکایتی نظر ژالے کے چہرے پر ڈالی تھی پھر وہ رکا نہیں تھا۔ عارفین کی نظروں سے وہ احساس شرمندگی کے مارے زمین میں گڑ کے رہ گئی تھی۔ اس دوران ثمرن اپنے بیڈروم سے اپنے سامان کا بیگ لیے چلی آئی تھی۔

"ثمرن! تم کہاں جا رہی ہو بیٹا؟" نجمہ کی نظریں ثمرن پر بیگ سمیت پر اٹھی تو وہ ہق دق سی ہو کر رہ گئی تھیں۔

"جہاں سے آئی تھی ماما!" اس کی آنکھوں میں ابھی بھی اپنی بے بسی کے آنسو تھے۔

"ارشد نے میری پندرہ سالہ خدمت و رفاقت کا صلہ مجھے دے دیا ہے۔" بھیگا اور ہارا ہوا لب ولہجہ اسے مزید تیر بنا رہا تھا۔ وہ خود کو فقیر کی طرح لگ رہی تھی جو مزار پر کئی سالوں سے بیٹھا تھا مگر پھر بھی اس کا کشکول خالی تھا۔

ژالے خود بھی ثمرن کی طرف بڑھی تھی وہ اس کو چاہتی بھی بہت تھی کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی اسے ان کی ذات سے۔ اور ان گزرے دو سالوں میں وہ جس طرح اس کے نزدیک رہی تھیں بھلا کیسے وہ انہیں ایسی حالت میں تنہا چھوڑ سکتی تھی۔

"ثمرن بھابھی! پلیز رک جائیے مت جائیے، ارشد بھائی بہت غصے میں تھے مگر آپ اپنا نقصان مت کریں۔ میں معافی مانگتی ہوں آپ سے ارشد بھائی کے سخت رویے کی۔" ژالے نے ثمرن کے دونوں شانے تھام لیے تھے۔

"تم کیوں معافی مانگتی ہو اس میں تمہارا بھلا کیا قصور اور رہا نقصان..... ہونہہ....." اس نے مسکرا کے خود اپنا ہی مسخرا اڑایا تھا۔

"وہ تو ہو گیا ہے ارشد کو جو کہنا تھا کہہ دیا آج انہوں نے واضح کر دیا کہ ان کے دل میں اور اس گھر میں میری کیا حیثیت ہے۔"

"نہیں ثمرن! تم مجھ سے پوچھو تمہاری کیا حیثیت اور مقام ہے۔ میرے گھر میں میرے دل میں اللہ

http://readingcornerpk.blogspot.com/

جانتا ہے تم میں اور ژالے میں، میں نے کبھی کوئی فرق نہیں کیا۔

"میں جانتی ہوں ماما! مگر اس وقت میرا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔"

"ثمرن! میری خاطر رک جاؤ بیٹا۔" انہوں نے آس سے اسے دیکھا تھا۔

"پلیز ماما! مجھے مت روکیے، ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔ پلیز میں کچھ دن یہاں سے دور جانا چاہتی ہوں۔" ارشد نے جو بے عزتی کی جتنی اس کی تضحیک و تحقیر کی اس نے اسے اندر سے توڑ دیا تھا وہ ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔ وہ اگر یہاں اور حرید رکی تو اس کا دل پھٹ جانا اس کی دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ اس کا فیصلہ حتمی تھا جس سے وہ ایک انچ ہلنے کو تیار نہیں تھی۔ نجمہ تیزی سے ارشد کے پاس آئی تھیں۔

"ارشد! روکو ثمرن کو وہ جا رہی ہے۔"

"جانے دیں اسے یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے جیسے جا رہی ہے واپس بھی خود ہی آئے گی۔ نہ تو میں اسے جانے سے روکوں گا اور نہ ہی اسے لینے جاؤں گا۔" ارشد نے سرد مہری سے اس پر ایک نظر ڈالی تھی۔

"ارشد! پاگل ہوئے ہو کیا پچھتاؤ گے اگر ثمرن چلی گئی تو۔" نجمہ نے گھبرا کے اسے دیکھا تھا۔

"میں پچھتانے والوں میں سے نہیں ہوں ماما اور نہ ہی مجھے بیویوں کے فضول نخرے اٹھانے کا کوئی شوق ہے۔ جیسے اپنی مرضی سے جا رہی ہے واپس بھی اپنی مرضی سے ہی آئے گی اس سے آگے میں کچھ نہیں کہوں گا۔" اس نے ثمرن کو بری طرح نظر انداز کیا اور کھڑا ہو گیا اپنے بیڈروم میں چلتا چلا گیا تھا۔

ثمرن نے دکھ سے جاتے ہوئے ارشد کو دیکھا تھا کیسے لمحوں میں وہ اسے بے توقیر، بے مائع کر گیا تھا۔

"ثمرن بھابھی! آپ میرے روم میں چلیے۔" ژالے کو بھی بہت تکلیف پہنچی تھی ارشد کے رویے سے مگر وہ اس کا گھر بچانا چاہتی تھی۔ اپنا تو شاید بچا نہیں پائی مگر اپنے عزیز از جان بھائی کے گھر پر معمولی سی آنچ بھی نہیں آنا دینا چاہتی تھی۔

"مت روکو مجھے ژالے، اب نہیں۔" پھر وہ رکی نہیں۔

کسی کی بھی محبت کی منت کی معافی کی زنجیر نے اس کے قدم نہیں جکڑے تھے۔ ژالے روتی ہوئی اپنے بیڈروم میں جا بند ہوئی تھی۔ نجمہ اپنا دل تھام کر وہیں صوفے پر بیٹھتی چلی گئی تھیں۔ اپنی اولاد کی قسمت پر رو دیں تھیں۔ ان کے گھر کا شیرازہ بکھر رہا تھا ان کی آنکھوں کے سامنے اور وہ کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھیں۔

ارشد اپنے بیڈروم میں ہی تھا آفس جانے کا ارادہ کینسل کر دیا تھا۔ کتنے ہی گھنٹے گزر گئے تھے۔ ایک ہی رخ پر بیٹھے ہوئے آج اپنا بیڈروم بہت خالی خالی لگ رہا تھا۔ اپنے دل کی طرح۔ جانے جذبات اور غصے میں وہ کیا کچھ کہہ گیا تھا۔ انتقام کی آگ میں اتنا آگے نکل گیا کہ کچھ پتہ ہی نہ چلا کیا کھویا کیا اس آگ کی نذر ہو گیا شاید جو کچھ تھا وہ اس ان دیکھی بھڑکتی دہکتی آگ نے نگل لیا تھا۔

مگر نہیں۔

"وہ حق پر ہے اس نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا ہے اسے اسی دن کا تو انتظار تھا۔ زرمیل کو ژالے کو یہ حال میں چھوڑنا ہی ہوگا۔ اس نے جو کچھ ژالے کے ساتھ کیا وہ بھی تو ٹھیک نہیں تھا پھر ماما اور ثمرن کیوں نہیں سمجھتی ہیں۔ ثمرن اپنی مرضی سے گئی ہے اور خود ہی واپس آ جائے گی۔" وہ خود کو قطعی مور دالزام نہیں ٹھہرا رہا تھا خود کو حق بجانب سمجھ رہا تھا۔ وہ ان ساری زہریلی سوچوں کو جانے کتنے اور گھنٹے تک سوچتا حالانکہ سوچ سوچ کر

اس کی کنپٹیاں دکھ گئی تھیں۔ مگر پھر ہر سوچ اس کی فکر میں تھی۔ اسی اثناء میں اس کا ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا تھا۔

"ارشد....." ہانپتی کانپتی نجمہ ارشد کے بیڈروم میں داخل ہوئی تھیں۔ ان کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ ارشد نجمہ کو ایسی حالت میں دیکھ کر صحیح معنوں میں پریشان ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور ان کے دونوں شانے تھام لیے تھے۔

"ماما! کیا ہوا سب خیریت تو ہے آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟" بلکہ ارشد نے ان کو جلدی سے بیڈ پر ہی بٹھا دیا تھا کیوں کہ ان کی حالت ایسی ہی لگ رہی تھی جیسے وہ ابھی گر ہی نہ جائیں۔ اس نے ٹیبل پر رکھے پانی سے بھرے جگ میں سے گلاس میں پانی نکالا اور نجمہ کو پلانے لگا تھا۔

"ماما! پہلے آپ پانی پئیں۔"

"نہیں..... ارشد! مجھے پانی نہیں پینا۔" نجمہ نے بری طرح گلاس جھٹک دیا کہ چند چھینٹیں چھلک کر اس کے اوپر آئی تھیں۔

"تم اس کو دیکھو وہ زندہ تو ہے نا۔" وہ تقریباً پسینے میں شرابور ہو گئی تھیں۔

"کون زندہ ہے ماما! آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟"

"زر..... میل..... زرمیل کی..... ار..... ارشد اس کا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے..... اس کی گاڑی..... کو..... ٹرالر نے کچل ڈالا ہے۔ تم دیکھو..... وہ مر تو..... نہیں گیا.....؟" بمشکل ان کے منہ سے الفاظ ادا ہو پا رہے تھے۔ خوف سے ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

"واٹ؟" ارشد کے بھی یہ سن کر اوسان خطا ہو گئے تھے۔

"او مائی گاڈ! ماما زرمیل کہاں ہے کیسا ہے؟"

جو کچھ چند گھنٹوں پہلے ہوا تھا وہ سب اس کے ذہن کی اسکرین سے محو ہو چکا تھا۔ اس کا سارا غصہ جاہ و جلال پانی کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا اگر یاد تھا تو صرف اتنا کہ اس وقت زرمیل اسپتال میں ہے۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔

"مجھے نہیں پتہ وہ کیسا ہے مجھے اس کے پاس لے کر چلو۔ ارشد وہ بچ جائے گا نا۔ زرمیل کو کچھ ہو گا تو نہیں۔ خدا کے لیے مجھے اس کے پاس لے کر چلو۔" نجمہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے بلکہ وہ تو خوفزدگی سے برف کی طرح ٹھنڈی پڑ گئی تھیں۔ ارشد کو ان کی فکر لگ گئی خدانخواستہ انہیں کچھ نہ ہو جائے۔

"او کے ماما! مگر پلیز ریلیکس اگر آپ اس طرح پریشان ہوں گی تو میں آپ کو لے کر نہیں جاؤں گا۔ بلکہ پہلے آپ یہ پانی پئیں۔" ارشد نے زبردستی نجمہ کو پانی پلایا اور پھر جیب سے موبائل نکال کر عارفین کو ڈائل کیا تھا۔ عارفین نے اسے سب بتا دیا تھا۔

"چلیں ماما!" وہ انہیں لے کر باہر نکلا تو اسے ژالے کا خیال آیا تھا۔

"ماما! ژالے کہاں ہے؟" ارشد کے دماغ میں خطرے کا الارم بجنا شروع ہو گیا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔"

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"اوہ نو۔" وہ تیزی سے ژالے کے روم میں آیا تھا۔ ژالے سامنے ہی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں موبائل تھا وہ سمجھ گیا کہ ژالے کو بھی پتہ چل گیا ہے۔

"ژالے۔"

"ا۔۔۔۔ر۔۔۔۔شد۔۔۔۔بھا۔۔۔۔ئی۔۔۔۔ز میل۔۔۔۔" ژالے کی آتی جاتی سانسیں رک گئی تھیں اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ عقل و خرد سے بیگانہ وہ اپنے سارے ہوش و حواس کھوتی چلی گئی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اب اگر اس کی آنکھ کھلے گی تو گہری اندھیری قبر میں کھلے گی کیوں کہ جسم سے روح نکلتے ہوئے محسوس کی تھی۔

☆.....☆

اتنے گھنٹوں کی مسافت کے بعد حنین آفریدی، بی بی جان کے بتائے گئے ایڈریس پر کوئٹہ پہنچ ہی گیا تھا۔ لال اینٹوں سے بنا یہ شاندار اور عالیشان بنگلہ واقعی توجہ کا مرکز تھا۔ باہر سے بہت زبردست اور خوب صورت ترین کاریگری کی گئی تھی۔ یقیناً اندر سے اس سے زیادہ حسین ڈیکوریٹ کیا گیا ہوگا۔ حنین آفریدی نے گاڑی یہیں گھر کے باہر سائیڈ میں پارک کر دی تھی۔ گاڑی سے باہر نکل کر گاڑی لاکڈ کی اور اب دروازے کے باہر کھڑا ہو کر بیل بجانے لگا تھا۔ چوکیدار نے دروازے میں بنی چھوٹی سی کھڑکی کھول کر جھانکا تھا۔

"جی کہیے، کس سے ملنا ہے آپ کو؟" چوکیدار نے اپنے پٹھانوں والے لہجے میں سوال کیا تھا۔

"مجھے جہاں آراء بیگم سے ملنا ہے آپ ان سے کہیے حنین آفریدی کراچی سے آیا ہے۔"

"اچھا جی تم رکو ہم بولتا ہے جا کر۔" چوکیدار کھڑکی بند کر کے وہاں سے چلا گیا تھا۔

حنین آفریدی کو شدید کوفت ہونے لگی تھی۔ اتنی دیر ہو گئی تھی مگر ابھی تک کوئی اندر سے نہیں آیا تھا۔ شام کا وقت ہو چلا تھا سورج ڈھلنے لگا تھا۔ رات کے سائے اپنے پر پھیلانا شروع کر رہے تھے۔ اس نے سوچا ایک بار پھر بیل بجائے کہ اتنے میں پورا دروازہ کھل گیا تھا۔ حنین آفریدی نے دیکھا تھا بی بی جان کی عمر کی ہی کوئی خاتون تھیں اس نے جھک کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام! جیتے رہو آؤ اندر آؤ۔" جہاں آراء بیگم نے بزرگانہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا وہ حنین آفریدی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ اسے دیکھ کر انہیں اپنا مسئلہ حل ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اپنی مشکل آسان ہوتی نظر آ رہی تھی۔ حنین آفریدی، جہاں آراء بیگم کے ہمراہ اندر داخل ہوا تھا۔ اندر جا کر بہت بڑا سا لان تھا جسے دیکھ کر لگتا تھا کہ اس پر بہت محنت کی گئی ہے۔ پھر اس کی نظر اس سبزہ سے بھرے لان کے بیچ بنے خوب صورت سے وائٹ ہاؤس پر پڑی حنین آفریدی نے ستائشی نظروں سے اس خوب صورت سے گھر کو دیکھا تھا اور داد دیے بنا رہ بھی نہیں سکا تھا۔

"آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے۔" حنین آفریدی میں سب سے اچھی بات یہی تھی وہ ہر خوب صورت شے کی دل سے تعریف کرتا تھا۔

"ٹھیک کہا بیٹا! تم نے گھر واقعی بہت خوب صورت ہے مگر گھر کے اندر کے لوگوں کے دل اتنے ہی بدصورت اور چھوٹے ہیں۔" جانے کیوں ان کی زبان سے بے ساختہ یہ بات پھسلی تھی۔

مگر حنین آفریدی کے بالکل سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ کندھے اچکاتا کوریڈور سے اندر داخل ہوتا ہوا اس نے ہال نما کمرے میں آیا تھا جسے ٹی وی لاؤنج اور ڈرائنگ روم کی شکل دی گئی تھی۔ جسے بہت ہی خوب صورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ ہر شے چمک رہی تھی سفید ماربل کے فرش پر معمولی سی بھی گرد کا نشان تک نہیں تھا۔ دل لگا کر صفائی کی گئی تھی۔

"آپ کا گھر اندر سے بھی بہت صاف ستھرا ہے۔ بہت خوب صورت ڈیکوریٹ کیا گیا ہے یہ ہال، کتنا اچھی سلیری ملتی ہوگی آپ کے ملازموں کو۔"

"نہیں وہ سیلری نہیں لیتی بلکہ یہاں رہنے کی قیمت چکاتی ہے اور یہ گھر ملازموں کے سہارے نہیں صرف اس اکیلی جان کے سہارے سے چلتا ہے، وہی اس گھر کی صفائی ستھرائی سے لے کر کچن تک کو سنبھالتی ہے یہ اسی کی ذمہ داری ہے۔"

"کس کی..... آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟" وہ ان کی باتوں سے الجھ سا گیا تھا۔

"لاروش اغولان میری اکلوتی مری ہوئی بیٹی کی اکلوتی بیٹی جسے اس کی ماں پیدا کرتے ہی اس دنیا سے چلی گئی تھی۔" لاروش اغولان کے ذکر پر جہاں آراء کی ضعیف آنکھوں میں نمی سی بھرنے لگی تھی جسے حنین آفریدی نے بغور دیکھا تھا۔ تھوڑا دکھ بھی ہوا تھا مگر اس کا اثر تا دیر تک یوں نہیں رہا کہ اس کے موبائل پر سمیعہ زیدی کی کال آ رہی تھی۔ حنین آفریدی کے چہرے پر خوشی کے رنگ چھلکنے لگے تھے۔ اس نے فوراً جہاں آراء بیگم کو ایکسکیوزمی کہہ کر کال ریسیو کی تھی۔

"ہائے!"

"ہیلو سنی جانو کہاں ہو؟"

"یار ابتایا تو تھا بی بی جان کے کام سے کوئٹہ آیا ہوا ہوں۔"

"ہاں یاد ہے اب یہ بتاؤ واپسی کب تک ہوگی۔ سچی میں تو بور ہو گئی ہوں۔"

"اوہ رئیلی۔"

"آف کورس ڈارلنگ!"

"او کے میں جلد از جلد آنے کی کوشش کروں گا۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

"میں ویٹ کروں گی تمہارا اور مجھے یقین ہے تم بھی میرے بنا بور ہو رہے ہوں گے۔" حنین آفریدی کی نظر سامنے اٹھی تھی جہاں اوپر سیڑھیوں سے ایک نازک اندام سی خوب صورت سرخ و سفید رنگت والی لڑکی نیچے اتر رہی تھی۔ ٹائٹ جینز پر فٹنگ کی چھوٹی سی بے بی پنک ٹی شرٹ پہنے شولڈر کٹ بھورے بالوں کو لہراتی وہ نیچے اتر رہی تھی۔

"حنین آفریدی نے سوچا شاید یہ لاروش اغولان ہے۔ جس کا ذکر ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ سن چکا ہے۔ ترمہ گھر کے ساتھ ساتھ خود اپنے اوپر بھی خاص توجہ دیتی ہیں۔ بہت فرصت سے اپنا خیال رکھتی ہیں۔"

"بولو سنی! ایسا ہی ہے نا؟" وہاں سے سمیعہ زیدی نے وثوق سے کہا تھا۔ حنین آفریدی بری طرح چونک کر رہ گیا تھا۔

"کیا..... کیا ایسا ہی ہے ڈیئر؟"

''حسین...... '' سمعیہ زیدی بری طرح چلائی تھی کہ حسین آفریدی کو اپنا سیل فون اپنے کان سے دور کرنا پڑا تھا۔ وہ ایسے ہی تھی پورا پورا حق جتاتی تھی۔ حسین آفریدی پر اپنا معمولی سی بھی اگنورنس برداشت نہیں کر سکتی تھی اس کی۔

''آئی ایم سو سوری یار! کیا کہا ہے تم نے پلیز پھر سے کہہ دو نا پلیز ڈولی۔'' حسین آفریدی اسے منانے کے لیے اسی طرح بے جانو، ڈیئر، ڈولی وغیرہ کے پیار بھرے نک نیم سے پکارتا تو وہ خوش ہو جایا کرتی تھی۔

''یہی کہ میری کمی بہت محسوس کرو گے۔''

''کمپنی تو یہاں بھی اچھی مل جائے گی۔'' وہ اس لڑکی کے کھلے ہوشربا حسن کو دیکھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔ مگر اس کی یہ بڑبڑاہٹ سمعیہ زیدی کو بالکل سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ورنہ ابھی گھنٹے ہی گھنٹے تک اس کی کلاس ہو جاتی۔

''حسین! مجھے لگتا ہے تمہیں لمبے سفر کی تھکن ہو گئی ہے جاؤ پہلے فریش ہو کر ریسٹ کرو۔ پھر مجھے کال بیک کرنا مگر اس سے پہلے مجھے یہ تو بتا دو کہ آؤ گے کب تک؟'' سمعیہ زیدی نے پھر پوچھا گیا سوال دہرایا تھا۔

''ارے یار! اگلی لنچ ہم ساتھ کریں گے رائٹ۔''

''اوکے ڈن...... اینڈ ٹیک کیئر۔'' پھر کچھ اور تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے فون آف کر دیا تھا۔

''دادو! یہ کون ہیں؟'' اسی خوب صورت لڑکی نے جہاں آرا کے پاس آ کر حسین آفریدی کی بلوریں آنکھیں بغور دیکھی تھیں۔

''یہ حسین آفریدی ہے میری کزن کا پوتا۔ کراچی سے مجھے اور لاروش کو لینے آیا ہے۔''

''واٹ...... مگر یہ کیسے ممکن ہے۔'' وہ حسین آفریدی کی موجودگی کی پروا کیے بغیر بگڑ کے بولی تھی۔

''کیوں...... کیوں ممکن نہیں ہے۔'' جہاں آرا بیگم نے نہایت ناگوار نظروں سے اپنی پوتی کو دیکھا تھا۔

''دادو! آپ جانتی ہیں کہ کیوں ممکن نہیں ہے اور ویسے بھی آپ کا جانا تو بنتا ہے مگر لاروش...... آئی تھنک آپ کو ماں جان سے پرمیشن لینی پڑے گی۔'' اس نے نہایت سکون سے کہا تھا اور ایک ادا سے اپنے شولڈر کٹ بالوں کو ہاتھ سے جھٹکا دیا تھا۔ ''خیر یہ تو بعد کی بات ہے مگر میرا خیال ہے تم شاید کہیں جا رہی ہو؟'' انہوں نے اس کی تیاری کو دیکھا تھا۔ جہاں آرا کو ماہ رخ کی ڈریسنگ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی وہ اس کو اگر ٹوکتی روکتی تو سب سے پہلے اس کی ماں ان کی بہو لاہ بگل جاہل عورتوں کی طرح لڑنا شروع کر دیتی تھی اس لیے انہوں نے اسے کچھ کہنا بولنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

''جی دادو! ارادہ تو تھا مگر گھر میں بھی تو مہمان آئے ہوئے ہیں انہیں بھی تو کمپنی کی ضرورت ہو گی۔'' ماہ رخ نے مسکراتی نظروں سے خوب صورت سے حسین آفریدی کا چہرہ دیکھا تھا۔ اس کی ڈریسنگ سے ماہ رخ نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کسی اچھی فیملی کا ہو گا اور شاید امیر بھی اور وہ تو ویسے بھی خوب صورت و ڈیشنگ لڑکوں کی کمپنی خوب انجوائے کرتی تھی۔ اس لیے اس کے سرکل میں لڑکیوں سے زیادہ لڑکوں سے اچھی فرینڈ شپ تھی۔

''اس کی فکر کرنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے حسین ابھی آیا ہے لمبے سفر کی وجہ سے تھک بھی بہت گیا ہو گا۔ وہ اس وقت آرام کرے گا۔

(جاری ہے)

ردا کی ڈائری

کشف ضیاء کی ڈائری سے

ایک غزل

راہ وفا کی علامت ہے زندگی کا سفر
حصول منزل عرفاں و آگہی کا سفر
بہت طویل سی راہوں پر دوستی کا سفر
ملا ہے جب بھی کسی کو دوستی کا سفر
محبتوں کا دلوں میں شعور آنے لگا
دیے وفا کے جلا کر سرور آنے لگا
وفا کے باب میں غم کا کوئی شمار نہیں
دل و نظر کی شکستوں پر انحصار نہیں
تمام عمر بھی گزرے تو کوئی عار نہیں
لٹا خانہ ہستی میں اختیار نہیں
نئی کرن تو نئی صبح کی علامت ہے
اسی لیے تو یہ عہد وفا سلامت ہے
بچھڑنے والے ہزاروں ہی ہمسفر دیکھے
فضائے دہر میں چلتے وہ بام و در دیکھے
تمام شہر میں تاریک اپنے گھر دیکھے
اسی خیال میں تارے نہ رات بھر دیکھے
سفر رہتا ہے جاری حصول منزل تک
جہاں ہو ورنہ تو چھوتا ہے پاؤں ساحل تک
پھر آج شہر تمنا کی رہگزاروں سے
سوال کرتی ہے دھرتی سب شہسواروں سے
نئی سحر کے اجالے کہاں سے آئیں گے
وہ دوستی کے حوالے کہاں سے آئیں گے

افشاں علی کی ڈائری سے

جاوید اختر کی نظم

کبھی یوں بھی تو ہو
دریا کا ساحل ہو پورے چاند کی رات ہو
اور تم آؤ
پریوں کی محفل ہو کوئی تمہاری بات ہو
اور تم آؤ
کبھی یوں بھی تو ہو
یہ نرم ملائم ٹھنڈی ہوائیں
جب گھر سے تمہارے گزریں
تمہاری خوشبو چرائیں
میرے گھر لے آئیں
کبھی یوں بھی تو ہو
سونی ہر اک منزل ہو کوئی نہ میرے ساتھ ہو
اور تم آؤ
کبھی یوں بھی تو ہو
تنہائی ہو بدلیں ہوں برسات ہو
اور تم آؤ

صبا عبدالغنی کی ڈائری سے

وصی شاہ کی ایک غزل

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو
میں کہ صدیوں سے ادھورا ہوں مجھے مکمل کر دو
نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اس قدر ٹوٹ کے چاہو مجھے پاگل کر دو

READING CORNER

تم ہتھیلی کو میرے پیار کی مہندی سے رنگو
اپنی آنکھوں میں میرے نام کا کاجل کر دو
اس کے سائے میں میرے خواب دہک اٹھیں گے
میرے چہرے پہ چمکتا ہوا آنچل کر دو
دھوپ ہی دھوپ ہوں میں ٹوٹ کے برسو مجھ پر
اس قدر برسو میری روح میں جل تھل کر دو
جیسے صحراؤں میں ہر شام ہوا چلتی ہے
اس طرح مجھ میں چلو اور مجھے تھل کر دو
تم چھپا لو میرا دل اوٹ میں اپنے دل کے
اور مجھے میری نگاہوں سے بھی اوجھل کر دو
مسئلہ ہوں تو نگاہیں نہ چراؤ مجھ سے
اپنی چاہت سے توجہ سے مجھے حل کر دو
اپنے غم سے کہو ہر وقت میرے ساتھ رہے
ایک احسان کرو اس کو مسلسل کر دو
مجھ پہ چھا جاؤ کسی آگ کی صورت جاناں!
اور میری ذات کو سوکھا ہوا جنگل کر دو

دانیہ آفرین کی ڈائری سے

اقصیٰ آفریدی کی ایک خوب صورت نظم

ہم جب چھوٹے بچے تھے
کچھ یاروں کی یاریاں تھیں
کچھ مستی کچھ پنگے تھے
کچھ پکے کچے وعدے تھے
کچھ بڑا کرنے کے دعوے تھے
کھلونے جو کھیل میں ٹوٹ جاتے
تو شکایت ماما پاپا سے لگاتے تھے
لو جھگڑ کر کچھ پل میں
پھر دوستی ہو جاتے تھے
دادی نانی کی کہانیوں کے رنگوں میں
ہم کھو جاتے تھے
جب ہم پر آئی جوانی
ہو گئیں ساری شرارتیں پرانی
نہ وہ یار رہے نہ رہیں وہ یاریاں
بدل گئے موسم سارے
ہم مستی اور پنگے بھول گئے
رشتوں کی بھیڑ میں الجھ گئے
نہ کچے پکے وعدے ہیں
بس کسی عزم کے تھامے دھاگے ہیں
وہ دعوے آج بھی دعوے ہیں
ڈگری تھام کے ہاتھوں میں
ہم در در ٹھوکریں کھاتے ہیں
کھلونوں کی اوقات ہے کیا
اب ارمان توڑے جاتے ہیں
ماما پاپا نہ ساتھ رہے
دوست بھی سارے دور ہوئے
نانی دادی کی کہانیوں کے رنگ بھی
سارے اجڑ گئے
کون لائے وہ وقت پرانا
جو ہوا اب گزرا زمانہ
آج تو بس یادیں ہیں
اور آنکھوں میں برساتیں ہیں

ریما نور کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی نظم

تجھے کیا خبر میرے ہمسفر
میرا دل تیری پناہ میں ہے
وہی اک پل جب ملی نظر
نہ آرزو تیرے وصل کی
نہ جستجو تیری چاہ کی
مگر اے میرے ہمنفس
وہ خواب تھا نہ خیال تھا
وہ تیری نظر کا جمال تھا
میری چاہ ہے وہ اک پل
میری جستجو ہے وہ اک پل

☆

مریم ماہ منیر .... لاہور
نہیں آتی سمجھ مجھ کو تمہاری کسی بھی ادا کی
صبح کو دل میں رکھتے ہو، شام ٹھوکر لگاتے ہو
عجب ہو تم، اس سے عجب ہے یہ شوق آوارگی
کہ جس کو جان کہتے ہو اسی کا دل دکھاتے ہو

سیدہ امبر ہاشمی .... کراچی
کرم کا سایہ سا دست دعا یاد ہے
اپنے آنگن میں ایک پیڑ تھا یاد ہے
ایسا لگتا ہے ہر امتحان کے لیے
زندگی کو ہمارا پتا یاد ہے

ریما نور رضوان .... کراچی
تیرے سوا قرار کسی نے نہیں دیا
اتنا تو مجھے پیار کسی نے نہیں دیا
میں اپنے ساتھ بھی کوئی لمحہ گزار دوں
اتنا بھی اختیار کسی نے نہیں دیا

فرزانہ شوکت .... کراچی
یوں دیکھتے رہتے ہیں ستاروں کی طرف ہم
جب ان سے ملاقات کا وعدہ بھی نہیں ہے
دل جدا ہوں تو پھر ملاقات سے کیا حاصل
یوں تو صحرا سے سمندر بھی ملا کرتے ہیں

سحر انجم .... کراچی
تمام عمر ہر صبح کی اذان کے بعد
میں ایک امتحان سے گزرا ایک امتحان کے بعد

نگہت تو قیر .... چیچہ وطنی
میں خود زمین ہوں مگر ظرف آسمان کا ہے
کہ ٹوٹ کر بھی میرا حوصلہ چٹان کا ہے
برا نہ مان میرا حرف زہر زہر سہی
میں کیا کروں کہ یہی ذائقہ زبان کا ہے

سونیا ندیم .... لاہور
کچھ تجھ کو محبت پہ یقین تھا نہ وفا پر
کچھ دکھ مری تقدیر میں لکھا بھی بہت ہے
بینائی اندھیروں سے بھلا کیسے بچاتا
اک شخص ترے ہجر میں جاگا بھی بہت ہے

نور العین .... کراچی
محبت ہار کے جینا بہت دشوار ہوتا ہے
اسے بس اتنا کہہ دینا بھرم توڑا نہیں کرتے

عفت جبیں .... پشاور
کہانیاں ہی سہی سب مبالغے ہی سہی
اگر وہ خواب ہے تعبیر کر کے دیکھتے ہیں
اب اس کے شہر میں ٹھہریں کہ کوچ کر جائیں
فراز آؤ ستارے سفر کے دیکھتے ہیں

مسرت الطاف .... لاہور
اسے پانا تھا اس کو کھونا تھا
کبھی ہونا تھا وہ بھی ہونا تھا
کتنی دیر اور اس کو رونا تھا
وہ جو ہونا تھا وہ تو ہونا تھا

صفیہ شاہ .... اسلام آباد
اپنے ہی ہوتے ہیں جو دل پہ وار کرتے ہیں محسن
غیروں کو کیا خبر دل کس بات پر دکھتا ہے

☆

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقوال

اقوال حضرت علیؓ

☆ یہ ایام تمہاری زندگی کے صفحات ہیں انہیں نیک اعمال سے زینت بخشو۔

☆ جو پسند ہے اسے حاصل کرلو یا جو حاصل ہے اسے پسند کرلو۔

☆ معاف کرنا اور باعمل ہونا ان دو اعمال کے برابر کوئی علم نہیں۔

☆ نادانوں کی بات پر تحمل، عقل کی زکوٰۃ ہے۔

☆ صبر ایک ایسی سواری ہے جو کبھی گرنے نہیں دیتی نہ کسی کے قدموں میں نہ کسی کی نظروں میں۔

☆ کوئی تمہارا دل دکھائے تو ناراض مت ہونا کیونکہ قدرت کا قانون ہے، جس درخت کا پھل زیادہ میٹھا ہوتا ہے لوگ پتھر بھی اسی کو مارتے ہیں۔

☆ جب تک تمہارے اندر غرور اور غصہ باقی ہے تم خود کو کبھی نیک لوگوں میں شمار مت کرنا۔

☆ زندگی میں رشتے نبھانا اتنا ہی مشکل کام ہے جتنا کہ ہاتھ میں لیے ہوئے پانی کو بچانا۔

روحی فیصل۔ کراچی

اس ماہ کی مزاحیہ نظم

اُف مہنگائی

سیاستدانوں نے چلایا ایسا اپنا دماغ
سب کو نچنی کا ناچ نچایا اس مہنگائی نے
کبھی لیلیٰ کی محبت نے اڑائے تھے ہوش
آج ہوش ٹھکانے لگائے اس مہنگائی نے
کچھ تو غربت نے میرا چین و سکون کیا غارت
اور فکرِ معاش کی بھی ٹینشن دی اس مہنگائی نے
دودھ والے نے شانہ پکڑ کر مانگی باقی رقم
عزت ہی گنوائی اس مہنگائی نے
مردانہ کپڑے بھی گھر میں سی رہی ہیں عورتیں
یہ دن بھی دیکھا دیئے اس مہنگائی نے
فاری مرغی کے اڈے جو سستے تھے کبھی
یہ کھانا بھی چھڑوا دیا اس مہنگائی نے
آٹے کے لیے در بدر پھرتے ہیں سبھی
کیا جوہر کمال دکھائے اس مہنگائی نے
اک اک چیز کے لیے پریشان پھرتے ہیں سب
پھر بھی مزاج نہیں ملتے ہیں اس مہنگائی کے
بیوی بچوں کی نظروں میں گرایا ہے اس مہنگائی نے
اتنا بے بس و لاچار بنایا اس مہنگائی نے
پانچ چھ ہزار میں نہیں ہوتا ہے گھر کا گزارہ
یہ ڈائیلاگ بیویوں کو سکھائے اس مہنگائی نے
رات دن زیادہ پیسوں کے چکر میں
طبیعت ناساز میں بھی اور ہائم لگوائے اس مہنگائی نے
پہلے کا دور اچھا تھا نہ ہائے ہائے نہ واویلا تھا
ملک بھر میں کہرام مچایا اس مہنگائی نے
سیاستدان تو خوش ہورہے ہیں اپنی کامیابی پر
عوام کا برا حال کیا اس مہنگائی نے
اس قوم کا نہ جانے کیا بنے گا؟
جس کو تنگ کردیا مہنگائی نے

جیسے معصوم بچے ستائیں کسی پاگل کو تو
ایسے دن رات ستایا میری عوام کو مہنگائی نے

ریما نور رضوان۔ کراچی

اس ماہ کا قطعہ

مقتول کی تو خیر کے قاتل بھی حق پہ ہے
تہذیب آج کل یہاں باطل بھی حق پہ ہے
ڈوبے جو کوئی بیچ میں ساحل سے کیا گلہ
انصاف کی کہیں تو یہ ساحل بھی حق پہ ہے

راؤ تہذیب حسین تہذیب۔ رحیم یار خان

اس ماہ کی معلومات

آڑو معدہ و جگر کو طاقت دیتا ہے۔ کیلشیم اور وٹامنز سے بھرپور یہ پھل سیب کا متبادل ثابت ہوتا ہے۔ ذیابیطس، بلڈ پریشر اور قبض کی کیفیات میں آڑو انتہائی مفید ہے۔ پپیتے، خربوزے اور انگور کے ساتھ بطور چاٹ استعمال سے بھوک بڑھتی ہے۔ آل پاکستان اطباء ایسوسی ایشن کے مرکزی صدر نے طاقت و توانائی کی بحالی کے لیے آڑو کو مفید ترین پھل قرار دیا ہے۔ انہوں نے معدہ و جگر کی قوت کو بحال کرنے میں آڑو کو اہم بتایا۔ کیلشیم وٹامنز سے بھرپور اس پھل کو سیب کا متبادل بتاتے ہوئے ذیابیطس، بلڈ پریشر اور قبض کی کیفیات میں مفید اور مجرب اور دیگر افراد کے لیے توانائی کا اہم ذریعہ بتایا۔ بزرگ افراد کے لیے آڑو، کیلے، خربوزے، پپیتے اور انگور سے مشترکہ کر کے بطور فروٹ چاٹ استعمال کی ہدایت کی جاتی ہے۔ زیادہ پکا ہوا آڑو زیادہ فرحت و طاقت بخش بتاتے ہوئے اسے بعد غذا استعمال کا مشورہ دیا۔ انہوں نے آڑو کو پیاس کو تسکین بخشنے اور بھوک بڑھانے کے لیے شاندار پھل قرار دیا اور گرمی کی شدت میں آڑو کو قدرت کا انعام بتایا۔

ریما نور رضوان۔ کراچی

اس ماہ کی قابل غور باتیں

☆ باوفا دوست، باوفا امانت اور باوفا شفقت مل جائے تو ان سے فائدہ اٹھاؤ۔

☆ بہت مبارک ہے وہ محبت جو بچی پر خلوص اور تمام تر مفادات سے بالاتر ہو۔

☆ کسی کام میں اپنی طاقت سے زیادہ زحمت نہ اٹھاؤ اور اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرو۔

☆ غلطی خواہ کسی کی بھی ہو، اسے معاف کردو کیونکہ معاف کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے۔

☆ اچھی ہے وہ شاعری جو دل کی آواز ہو۔

☆ سمندر کی گہرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے لیکن دل کی گہرائی کا نہیں۔

☆ راز کی قیمت خاموشی کے سوا کچھ نہیں۔

☆ اونچی چٹان پر بیٹھنے سے کوا باز نہیں بن جاتا۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ کا خزانہ

اللہ کی نافرمانی کرنے سے انسان ہمیشہ پریشان ہی رہتا ہے۔ چاہے بادشاہ کیوں نہ بن جائے۔

اور

اللہ کو راضی کرنے سے انسان ہمیشہ سکون ہی میں رہتا ہے چاہے فقیر ہی کیوں نہ بن جائے۔"

مصباح مسکان رؤف اور امینہ رؤف۔ جہلم

اس ماہ کچھ خاص

زندگی

جب کوئی من دکھائے تو جی چاہتا ہے کہ پوری دنیا سے لاتعلق ہو جائیں اور وہاں جا بسیں جہاں کوئی بھی شناسا نہ ہو صرف خوب صورت پھول، پرندے اور قدرتی مناظر ہوں مگر یہ کب ہو سکا ہے؟ اور جب حد سے زیادہ نفرتیں ملیں تو جی چاہا کہ اپنے آپ کو اذیتیں دوں اور پھر دنیا سے پوچھوں کہ ہمارا کیا قصور ہے؟ بے وفائی کی انتہا پر دل چاہا کہ کاش واپس

READING SECTION
http://readingsection.blogspot.com/

بچپن میں لوٹ جاؤں اسی لاشعور کی دنیا میں جہاں بے وفائی، نفرتیں اور گہرے زخم نہ سہنا پڑیں جہاں دلوں میں منافقتیں اور کدورتیں جنم نہ لیں اگر یہ جو معلوم ہوں تو بندہ بچپن کی حدود کو کبھی نہ پھلانگے مگر حقیقت یہی ہے کہ جو انسان چاہتا ہے وہ ہو نہیں پاتا کیونکہ شاید یہی زندگی ہے۔

عابد محمود۔ ملکہ ہانس

اس ماہ کی سچائی

کسی نے سچ ہی کہا ہے
اداسی کا کوئی گھر نہیں ہوتا
یہ تو محبت کرنے والوں کے درمیان
جدائی کی مانند حائل ہو جاتی ہے
یا اپنے مکین خود بناتی ہے۔

شاعر: سعدیہ عابد

اس ماہ کا طلن

برف گرتی رہے آگ جلتی رہے
آگ جلتی رہے رات ڈھلتی رہے
رات بھر ہم یوں ہی رقص کرتے رہے
نیند تنہا کھڑی ہاتھ ملتی رہے
برف کے ہاتھ پیانو بجاتے رہے
جام چھلکتے رہے مے اچھلتی رہے

ناصر کاظمی

اس ماہ کا راز آگہی

اگر کوئی احمق تم سے یہ کہے کہ روح بھی جسم کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے تو اس کی جہالت پر ترس کھاؤ اور اسے بتاؤ کہ پھول پتی پتی ہو کے ختم ہو جاتا ہے لیکن بیج ہمیشہ باقی رہتا ہے اور ہماری نظروں میں جاوداں زندگی کے اسرار منکشف کرتا ہے۔

خلیل جبران

اس ماہ کا اقتباس

قلب اور زندگی کا راز

زندگی کا اصل راز یہ ہے کہ دنیا کو قلب سے نکالو کو ہاتھ میں بقدر ضرورت موجود ہے۔ دنیا کا ہاتھ میں ہو مضر نہیں دل میں ہونا مضر ہے۔ قلب تو بس حق تعالیٰ کے رہنے کی جگہ ہے۔ قلب کو صاف رکھنا چاہیے۔ نا معلوم کس وقت نور حق اور رحمت الٰہی جلوہ گر ہو جائے اس کا خاص اہتمام رکھو کہ قلب فضولیات سے خالی رہے۔ جس طرح فقیر اپنے برتن خالی رکھتا ہے کہ نہ معلوم کس وقت کس سخی کی نظر عنایت ہو جائے۔ ایسے قلب کو خالی رکھو نا معلوم کس وقت رحمت کی نظر ہو جائے۔

قدرت اللہ شہاب کی تصنیف "شہاب نامہ" سے اقتباس

اس ماہ اقوال

☆ تمام حیلے بیکار ہو جائیں تو پھر تلوار سے کام لینا جائز ہے۔
☆ محنت اور عزم مندی کے آگے کچھ بھی ناممکن نہیں۔
☆ عادت کی اگر مزاحمت نہ کی جائے تو یہ جلد ہی ضرورت بن جاتی ہے۔
☆ عظیم خیالات پر جب عمل کیا جاتا ہے تو وہ عظیم کارنامے بن جاتے ہیں۔
☆ یادیں محبت کرنے والوں سے زیادہ وفادار ہوتی ہیں کیونکہ محبت کرنے والے تو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں پر یاد ہمیشہ ساتھ رہتی ہے۔
☆ محبت سب سے کرو، لیکن اس سے اور بھی زیادہ کرو جس کے دل میں تمہارے لیے تم سے زیادہ محبت ہے۔
☆ جب آپ کو محسوس ہو کہ آپ کی طبیعت کو ذکر خدا سے محبت ہو گئی ہے تو سمجھو کہ اللہ آپ کو پسند کرنے لگا ہے۔
☆ حسد کرنے والے کے لیے یہی سزا کافی ہے کہ جب تم خوش ہوتے ہو تو وہ اداس ہو جاتا ہے۔
☆ دل اگر سیاہ ہو تو چمکتی آنکھیں بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔

نوشین مدثر..... لاہور

☆.....

READINGCORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

نورین ملک

خوشبو

جمعہ کے دن کی فضیلت، احادیث کی روشنی میں

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر دن کے آفتاب نے اس پر طلوع کیا جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی میں جنت میں داخل کیے گئے اور اسی میں جنت سے اترنے کا حکم ہوا اور قیامت جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔ (مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کسی مسلمان کو جمعہ کے دن مغفرت کیے بغیر نہ چھوڑے گا۔ (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں وفات پائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے فتنہ قبر سے بچائے گا۔ (احمد ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمک دار دن ہے۔ (بیہقی)

حضرت سعد بن معاذؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عید الاضحیٰ و عید الفطر سے بڑا ہے۔ اس میں پانچ خصلتیں ہیں۔ 1۔ اللہ نے حضرت آدمؑ کو اسی دن پیدا کیا۔ 2۔ اسی دن زمین پر اتارا۔ 3۔ اسی دن وفات دی۔ 4۔ اس دن ایک ساعت ایسی ہے کہ بندہ اس وقت جس چیز کا سوال کرے وہ اسے دے گا۔ جب تک حرام کا سوال نہ کرے۔ 5۔ اور اسی دن قیامت قائم ہوگی کوئی مقرب فرشتہ آسمان و زمین ہوا پہاڑ و دریا ایسا نہیں کہ جمعہ کے دن سے نہ ڈرتا ہو۔ (ابن ماجہ)

روشنی فیصل۔ کراچی

اسلام میں بیٹی کی اہمیت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
عورت کے لیے یہ بہت مبارک ہے کہ اس کی پہلی اولاد لڑکی ہو۔
جس شخص کی بیٹیاں ہوں اس کو برا مت سمجھو اس لیے کہ میں بھی بیٹی کا باپ ہوں۔
جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ اے لڑکی! تو زمین میں اتر میں تیرے باپ کی مدد کروں گا۔

دعا

نصیب سے زیادہ قیمتی دعا ہوتی ہے کیونکہ جب زندگی میں سب کچھ بدل جائے جب انسان کے پاس دعا ہی بچتی ہے جو نصیب بدل دیتی ہے۔
(مصباح مسکان، روؤف، اینڈ روؤف۔ جہلم)

وادی عشق

پیارے اور ہر دل عزیز قارئین! جب کبھی آپ میں سے کسی کا بھی وادی عشق کی سیر کو جانے کا اتفاق ہو تو ایسے میں وہاں کا نقشہ ازبر کر لیجیے۔ نقشہ کچھ یوں

ہے کہ وادیٔ عشق کے مشرق میں محبت کا شہر آباد ہے۔ مغرب میں چاہت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن ہے۔ جس کے ساحل پر تشنگان عشق کی کثرت پائی جاتی ہے۔ ہر طرف پھیلی فضا کے پھولوں کی خوشبو۔ وہاں کا مشہور پھل خلوص کا پھل، مشہور پھول وفا کا پھول ہے۔ مسکراہٹ وہاں کی مکین کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ وہاں کا مشہور مشروب جام عشق ہے لیکن آس پاس کہیں کہیں نفرت کی کانٹے دار جھاڑیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان سے بچنا آپ ہی کے اختیار میں بہتر ہے۔ جنوب میں بے اعتنائی کے پہاڑوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس کے نشیب میں بے رخی کا ایک بہت گھنا جنگل ہے جہاں پر چلتی بے وفائی کی ہوا بھی وادیٔ عشق کے محبت، چاہت اور الفت کے علاقوں میں داخل ہو کر وہاں پر بسنے والوں کو اپنی لپیٹ میں لینا چاہتی ہے۔ ساتھ ہی کبھی بے وفائی کی ہواؤں کے ساتھ ہجر کے بادل بھی برس پڑتے ہیں۔

افشاں علی۔ کراچی

صبح وطن

ہر ایک صبح وطن صبح بخیر ہو یارب
میرے وطن میرے لوگوں کی خیر ہو یارب
کھلیں وہ پھول چمن میں کہ دیکھ کر جن کو
نہ دل بھرے نہ طبیعت ہی سیر ہو یارب

سباس گل۔ رحیم یار خان

رانگ نمبر!

"ہیلو...... کیسی ہو تم؟" بڑی چہکتی ہوئی آواز آئی۔

"کتنی دیر لگا دی تم نے میں کب سے بیٹھی تمہارے فون کا انتظار کر رہی تھی۔"

"ہاں بس ذرا امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے کھانا بناتے ہوئے ذرا دیر ہو گئی۔"

"ویسے تم کیا کر رہی تھیں۔" بات کو پلٹا گیا۔

"میں...... میں تو شاہ رخ خان کی نئی فلم "ہیپی نیو ایئر" جو آج ہی ریلیز ہوئی ہے وہ دیکھ رہی تھی۔"

"اوہ! اچھا فلم ریلیز ہو گئی میں آج ہی اس کی سی ڈی منگواتی ہوں۔ پتہ ہے میرے ماموں جان نے آج ہی مجھے نیا سی ڈی پلیئر بھیجا ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔"

"اچھا اور کیا حال ہے تمہارا؟" جمائی لیتے ہوئے پوچھا گیا۔

"میں بہت تھک گئی ہوں آج تو۔"

"کیوں کیا کیا تھا؟"

"بس ذرا امی کے ساتھ بازار گئی تھی پوری گرمیوں کی شاپنگ کر لی ہے۔"

"اچھا سنو! جس کام کے لیے میں نے فون کیا تھا وہ تو بھول ہی گئی اگر یاسمین سے بات ہو تو اسے کہنا وہ اپنی اورنج جارجٹ کی قمیص بھیج دے، مجھے بھی ویسی ہی بنوانی ہے۔"

"کون یاسمین؟ کون سی قمیص؟"

"کیا مطلب، کون یاسمین؟ وہ جو ایف اے میں ہمارے ساتھ پڑھتی تھی۔"

"لیکن عظمیٰ ہم تو میٹرک کے بعد اسکول گئے ہی نہیں اور کون سی کیسی یاسمین؟"

"ارے بھئی کون عظمیٰ؟ میں تو سنیا ہوں اور کیا تم فرزانہ نہیں ہو؟"

"فرزانہ...... ؟ نہیں تو...... میں تو مصباح ہوں۔"

"کیا یہ 760269 نہیں ہے؟"

"نہیں یہ نمبر نہیں ہے؟"

"سوری رانگ نمبر...... !!"

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

بچپن

کیوں نہ اس گزرے ہوئے پل کو ہی دیکھ لیں

جس میں زندگی چمکتے جھلملاتے ستارے کی مانند مگر پر فریب سی تھی۔ خواہشات اور آرزوئیں تو اس وقت بھی بہت تھیں مگر ان کے پورا ہونے اور نہ ہونے کا احساس اتنا زیادہ شدت آمیز نہ تھا نہ دیرپا۔ مسکراہٹیں تو آج بھی مل ہی جاتی ہیں مگر وہ لمحات تو تھے ہی مسکراہٹوں کے جو مسکراہٹ ملتی دل تک اثر کرتی جو بات ملتی سچ لگتی۔ اس وقت دوریوں کا احساس فاصلوں کی بنیاد پر کیا جاتا رہا اور جب نزدیکیاں ملتیں تو بھی دوریاں برقرار رہتیں۔ حرارت اس قدر نہ تھی کہ حالات کی برف سے پگھل کر دبکے ہوئے احساسات نمودار ہو کر دل کی آنکھ کے سامنے آسکتے۔

اچھا تھا کہ اس وقت تنہائیوں سے آگاہی نہ تھی کہ تنہا ہو کر بھی خود کو تنہا نہ سمجھتے تھے سوچیں صرف محدود تھیں مگر ان کا انجام غیر محدود کسی سے جدا ہو کر ملن کی خواہش کم کم ہی تھی۔ آنسو آنکھوں ہی سے چھلکتے تھے مگر دل تک رسائی کبھی بھی نہ تھی اور اگر کبھی بھی تو دماغ سے بالاتر ہو کر جا پہنچیں عارضی تھیں اور دکھ پل بھر کے لیے ہی ہوتے۔ اب کہ بالعکس روشنیاں زیادہ مسرت آمیز تھیں اور اندھیروں سے خوف محسوس ہوتا۔ اب کے بجائے کچھ اور نہیں تو زندگی کا ایک ہی روپ تھا جس میں زمانے نے رنگ بھر دیے اور وقت کے ساتھ ساتھ مختلف رنگوں میں ڈھلتا گیا۔

غرض کے وہ پل بھی گزر گیا اور جو کچھ اب ہے آنے والے پل میں وہ بھی نہیں رہے گا۔

آمنہ عدنان۔ چوک اعظم لیہ

انمول موتی

☆ ہر خواہش کے نصیب میں تکمیل کہاں کچھ آرزوئیں اختیار سے باہر ہوتی ہیں نہ کوئی انت ہوتا ہے نہ حد کہ انسان گھوم پھر کر تھک ہار کر بیٹھ سکتا ہے لیکن تمناؤں کے سرے ہاتھ نہیں آتے۔

☆ محبتیں مارتی نہیں انسان کو زندہ رہنے پر اکساتی ہیں۔ زندگی بخشتی ہیں ان کے کھو جانے کا ڈر تو روگ بن کر جان کے ساتھ چمٹا رہتا ہے۔

☆ کچھ لوگ کتنے اچھے ہوتے ہیں انہیں خبر ہوتی ہے کہ ان کی جھولی میں کوئی صرف کانٹے ڈال کر جا رہا ہے پھر بھی کچھ نہیں کہتے یا شاید جنہیں چاہا جائے ان سے شکوہ کیا ہی نہیں جاتا۔

عابد محمود۔ ملکہ ہانس

موسم

موسم جانے کیوں دل کی ہستی سے بہت جڑے ہوتے ہیں۔ گہرے مراسم ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان جس لے پر دل دھڑکتا ہے۔ موسم بھی ویسے ہی پلٹا کھاتے ہیں۔ کبھی بہار اور کبھی پت جھڑ...... اور کبھی!!

عروج موسم، زوال موسم
عجب ہیں زندگی میں بے شمار موسم
ہر سو جو پھیلی ہو رشتوں کی مہک
کیا خوب ہوتے ہیں وہ بہار موسم
طویل مسافتوں کے بعد جو آتی ہے منزل
کرتے ہیں جی بھر کر سرشار موسم
گھروں سے پنچھی جب اڑ جاتے ہیں
تو لوٹ آنے کا کرتے ہیں انتظار موسم
یادوں کی نگری میں جھانکا تو کر گئیں آنکھیں نم
سحر کرتے ہیں اکثر یونہی بے اختیار موسم

سحر مبین۔ فیصل آباد

فرق

عام اور خاص دوست میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ عام دوست آپ کی صرف تعریف کرتا ہے لیکن خاص دوست آپ کی تعریف کے ساتھ ساتھ آپ پر تنقید بھی کرتا ہے۔

سعدیہ عابد۔ کراچی

☆......

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

ذرا پھر سے کہنا

غزل

میری تشنہ نگاہوں کا خیال کیجیے
ہمیں اپنے دامن میں جگہ دیجیے
یارب مجھ کو ایسی عاجزی عطا کیجیے
مجھ کو سچا مسلمان بنا دیجیے
خوف خدا ہو دل میں ایسا میرے
کہ آنکھوں سے جاری آنسو کیجیے
رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتی رہوں
میرے مولا اس قابل مجھے بنا دیجیے
خواہش ہے کروں ضرورت مندوں کی مدد
میرے مالک مجھے اتنی توفیق عطا کیجیے
کروں عبادت دل کی گہرائیوں سے
پروردگار مجھے کسی عابد سے ملوا دیجیے
کب قبولیت کا شرف پائیں گی دعائیں میری
صرف ایک اشارہ اب تو کر دیجیے
میرے دل کو مدینہ بنا دیجیے
یارب ہمیں اپنے در پہ بلا لیجیے
میرے دل میں الفت محمدی جگا دیجیے
میرے دل کو ایسی روشنی عطا کیجیے
پھر سے ہم پہ رحم کیجیے
اپنی رحمت کی نظریں کرم کیجیے

افسانہ آفتاب کاوش

سلام امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ

دیکھو کتنی رنگین ہے کہانی حسینؓ کی
خون میں نہائی ہوئی پوری جوانی حسینؓ کی
علی کی پیاری، نبی کی دلاری
کیا حسینؓ گود پائی تو نے نبی قرۃ العین کی
موج در موج پورے عالم اسلام
بھی بھیجتے ہیں تجھ پر سلام
پھیلا دی جو تو نے خوشبو دین حسینؓ کی
مال وتن و نسل بھی کیے تجھ پر نثار
جواں پسر کے لاشے بکھرے پڑے تھے کو بکو
اللہ رے اللہ پھر بھی آئی نہ صدا
زینبؓ کے بین کی
جیسے زرد پتوں کے بعد
آتی ہے سبز پتوں کی بہار
ویسے ہی اسلام زندہ ہوتا ہے
ہر کربلا کے بعد
کوں بکوں پھیل گئی تعلیم ایثار
علیؓ کے نور العین اور حسنینؓ کی

کہکشاں آراء

شہدائے کربلا کے نام

کربلا کا منظر

مجھے بھولتا ہی نہیں کبھی کربلا کا منظر
حرام لگتا ہے اب تو خوشیوں کا منظر

رب جانتا ہے کرب شہادت حسینؓ کا
لہو سے جبیں تھی رنگی اشکوں کا منظر
اس دن یزید بن معاویہ نے ڈھائی تھی قیامت
رات ڈھل گئی آنکھ نے دیکھا نہیں سحر خیزیوں کا منظر
حاصل نہ تھی ایک بھی بوند علیؓ کے لعل کو
سمندر تھا تشنہ لب پیاسی ماؤں کی رداؤں کا منظر
ایک دیا بھی نہ بجھا سب ہی بجھ گئے چراغ
خاندان تھا ہو گیا تباہ آہوں کا منظر

سعدیہ عابد

نظم

سنو جاناں!
مرنے سے ذرا پہلے اک مری خواہش ہے
میری قبر پر چلے آنا
دو آنسو بہانے کو
مگر پھر میں سوچتی ہوں
ان آنسوؤں کا کیا فائدہ
جنہیں میں صاف نہ کر سکوں
جن سے تمہیں تکلیف ہو
تو پھر تم اک کام کرنا
میری قبر پر نہ آنا مگر
مجھے یاد ضرور کرنا
کہ جب تم مجھے یاد کرو گے تو تجھے یہ احساس ہو گا
کہ
میری محبت یک طرفہ نہ تھی
سنو جاناں!
مجھے یاد ضرور کرنا
بس
مرنے سے ذرا پہلے اک میری خواہش ہے!

ثناء کنول اللہ دتہ

تم

سنو!
تمہاری سانولی رنگت، دلکش نقوش اور
سیاہ بالوں کو دیکھ کر
ہم
اکثر خود سے سوال کرتے ہیں
کہ
ہماری آنکھیں ہی خوب دیکھتی ہیں
یا
تم ہو ہی لاجواب......

سحر مبین

نظم

جب میری موت کی خبر پہنچے تم تک
تو بس اتنا کرنا
میرا نام فقط ایک بار اپنے لبوں سے ادا کرنا
تم میری جدائی کا فقط چند لمحے افسوس کرنا
اپنی جھیل سی آنکھوں سے میرے نام کا اک آنسو گرانا
جو میری تڑپتی بلکتی محبت کو سیراب کرے گا
جب روانہ ہو میری ڈولی شہر خاموشاں کی طرف
بس چند قدم اسے اپنے کندھے کا سہارا دینا
کہ تمہارے وجود کی خوشبو کو
میں اپنے اندر جذب کر سکوں
لحد میں اتاریں جب لوگ مجھے
تو اپنے لمس سے مہکتی مٹی کو
مجھ پر ایک آخری احسان کی صورت ڈال دینا
اور اگر کبھی تمہیں کسی موڑ پر
یاد میری آ جائے
تو بس آنکھیں بند کر کے مجھے یاد کرنا
میں چاندنی کرنوں میں تمہیں نظر آؤں گی
پھولوں پر گرے اوس کے قطروں میں ملوں گی

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

کبھی خود سے بغاوت کر کے چپکے سے میرے شہر آنا
تمہارے قدموں سے مٹی کی صورت لپٹ کر
انہیں چوموں گی
پل دو پل
جو میری مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھاؤ گے میری قبر پہ
تو بارش بن کر
تمہاری ہتھیلیوں پر گر کے جذب ہو جاؤں گی
تمہیں نہ کبھی ستاؤں گی نہ کبھی رلاؤں گی
بن کر ایک انجان لمحہ
تمہاری زندگی کے سپنوں میں کہیں گم ہو جاؤں گی
چند پل جو بھیگیں گی تمہاری پلکیں آنسوؤں سے
اس پل میں تمہاری آنکھوں سے
ہمیشہ کے لیے آنسو بن کر بہ جاؤں گی

رابعہ افضال خان

غزل

ادا سے چوک جاتے ہیں حیا سے چوک جاتے ہیں
کچھ اچھے لوگ بھی اکثر نگاہ سے چوک جاتے ہیں
ہمارے راستے میں گو رکاوٹ تو نہیں کوئی
ہم ایسے خوف کے مارے ہوا سے چوک جاتے ہیں
ہم جن کے واسطے اپنی دعائیں بچت رکھتے ہیں
وہی اک دن ہماری ہر دعا سے چوک جاتے ہیں
یقین اللہ پر جن کو صدق دل سے ہوتا ہے
وہ ہر مشکل ہر بری بلا سے چوک جاتے ہیں
کہیں کیا ایسے لوگوں کو جو صرف باتیں بناتے ہیں
پڑے جو وقت تو اپنی زباں سے چوک جاتے ہیں
محبت عاشقی اور دوستی سب کھیل ہے اب تو
وفا کا آسرا دے کر وفا سے چوک جاتے ہیں
نہیں مرتے جو لوگوں کے دلوں میں گھر بناتے ہیں
گئے ایسے نیک دل انسان قضا سے چوک جاتے ہیں

سباس گل

میری رہگزار تمنا میں

میرے رہگزار تمنا میں
روز کچھ خواب بنتے ہیں
روز کچھ خواب ٹوٹتے ہیں
کچھ احساس جنم لیتے ہیں
کچھ خواہشیں دم توڑتی ہیں
کبھی پنچھی خوشی سے گنگناتے ہیں
کبھی بہاریں اداسیاں بکھیرتی ہیں
میرے شکستہ دل میں
تمنائیں انگڑائی لیتی ہیں
میری ویران آنکھوں میں
آنسو لوٹ سے آتے ہیں
میرے چاروں سو ہر لمحہ
بے درد موجوں کا سمندر
ٹھاٹھیں مارتا ہے
میرے رہگزار تمنا میں
روز اک خواہش مچلتی ہے
کہ کبھی دنیا کی بھیڑ سے نکل کر
تم کتاب محبت جو لکھنے بیٹھو
تو ایک باب عشق جاناں
میرے نام بھی لکھنا
کہ
جان نہ سہی مگر
ہم نے بھی عشق میں
اپنا آپ گنوایا ہے

ثناء ناز

نظم

غلط جو راہیں ہیں وہ غلط
انہیں Use کرنا نہ کبھی مت
سوائے ناکامی کے ہے، فقط

انساں آخر میں رہ جاتا ہے خالی ہاتھ
جو ہیں دربدر ہوں ناامید
جہنم ہے غلط لوگوں کا گھر
ہیں کفر غلط راہیں نہ چل ان پر
دور نہیں روز محشر نہیں دور قیامت

نور الصباء

قسمت

جو ہو قسمت میں
بہتر وہ رب کریں
آپ جہاں بھی رہیں
سدا خوش رہیں
ہوتا ہے ہر انسان کے
اندر ایک معصوم بچہ
جب وہ خوش ہوتا
ہے تو کھلکھلاتا ہے
جب وہ دکھی ہوتا
ہے تو اداس نظر آتا
جب کوئی بھی بہلاتا
ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے
آپ کو نہ نظر لگے
کسی بھی دشمن کی
جو ہو اندیشہ کسی برائی کا
اور ابھی نظر لگنے کا
خدا آپ کے گرد اپنی حفاظت کا
عبادت بھرا پاکیزہ ہالہ کر دیں
کبھی بھی نہ ہو دل
اداس و غمگین
آپ کی زندگی گزرے
خوش و مطمئن
فلک پر بے حتی
بوندوں کی مانند
معصوم چہرے پہ سدا
مسکراہٹ کھلکھلاتی رہیں
آپ کے جیون میں سدا
خوشیوں کی برسات رہیں
رب آپ کی زندگی کو
مصیبتوں آفتوں بلاؤں سے
ہمیشہ دور رکھیں
جو ہیں تمام میرے دل کی
نیک دعائیں آپ کے لیے
رب العزت اپنی بارگاہ الٰہی
میں ان دعاؤں کو قبول فرمائیں
خدا آپ کو ہمیشہ اپنی
حفظ و امان کے سپرد رکھیں
جو ہو قسمت میں
بہتر وہ رب کریں
آپ جہاں بھی رہیں
سدا خوش رہیے (آمین)

مدیحہ اعجاز حسین

غزل

محبت میں آنسو ہو گیا کوئی
لہروں کی طرح بکھر گیا کوئی
اشارہ دیجیے ابھی ہیں یہ آنکھیں کھلی
بدن کے پنجرے سے اڑ گیا کوئی
محبت کے ساتھ کچھ یوں معاملہ رہا
بازی ہوئی کسی کی اور جیت گیا کوئی
اس کے لیے تو فقط ایک تھپڑ تھا
مگر اندر تک ٹوٹ گیا کوئی
پلکیں اٹھا کے دیکھا جو مجھے اس نے
خنجر بھی نہیں چلا اور قتل ہو گیا کوئی

READING CORNER
http://readingscornerpk.blogspot.com/

اس کے چہرے پہ لکھی تھی داستانِ غم عامر
لگتا تھا ساتھ اس کے گزرا ہے حادثہ کوئی

عامر عزیز

نظم

اس درد کا علاج کیا ہے
یہ درد جو دل کو لگا ہوا ہے
جو ہو سکے تو کوئی راہ نکالو
جو ہو سکے تو کوئی علاج کر دو
بہت دنوں سے ستا رہا ہے
یہ درد جو دل کو لگا ہوا ہے
مجھے رلائے ہی جا رہا ہے
تمہاری بے وفائی پر اس دل کو
اس درد سے آشنائی ہوئی ہے
چلے بھی آؤ اداس دل ہے
محبتوں کی جدائی میں
بہت دنوں سے نڈھال دل ہے

مریم ماہ منیر

غزل

مر چکا ہو ضمیر ہی جن کا
ان کے جینے کا فائدہ کیسا؟
جو ازل سے تمہارے دشمن ہیں
ان سے رکھتے ہو رابطہ کیسا؟
کام آئے نہ وسعت میں
اس سے رشتہ خلوص کا کیسا؟
دوریوں کو بھی دور کرنا ہے
قربتوں میں ہے فاصلہ کیا
ختم ہوتا ہے یہ تباہی پر
چن لیا ہے یہ راستہ کیسا؟
ہر قدم پر دیئے فریب اس نے
اور ہوتا ہے بے وفا کیسا؟
جس کے سینے میں دل ہو پتھر کا
اس کو کہنا ہے دلربا کیسا؟

فرزانہ شوکت

لوٹ آؤ

سنو زندگی سسکتی جا رہی ہے
وقت بھی ساتھ چھوڑتا جا رہا ہے
لمحے بھی اختتام پر ہیں
سانسیں دشوار ہو رہی ہیں
روح کوچ کرنے کو ہے
مگر آنکھیں اب تک سراپا انتظار ہیں
لوٹ آؤ نا
لوٹ آؤ اس سے پہلے کہ آنکھیں پتھرا جائیں
سانسیں ساتھ چھوڑ دیں اور
دائمی وصل ہو جائے

دانیہ آفرین

غزل

شدت سے جسے چاہا اس نے بھلا دیا
خوب میری وفاؤں کا یہ صلہ دیا
تیری نظروں کے پھول مہکتے رہے ہیں سدا
جب سے تو نے مسکرانا ہمیں سکھا دیا
رحم کوئی بھی نہیں کرتا زمانے میں
شکستہ دل کو فطرت کا نمونہ بنا دیا
رشتے بدل جاتے ہیں ہوا کی طرح
ہم کیسے آس لگائیں تو نے یہ بتا دیا
رات تھی تاریک ہمسفر کوئی بھی نہیں
اے دل خوش ہو جا تو نے دغا دیا
آسیب یہ کیسا ہے پھر کسی نظروں میں جاوید
طوفان رات میں کسی نے دیپ جلا دیا

محمد اسلم جاوید

غزل

کتنے دلکش تیرے انداز ہوئے جاتے ہیں
اور نیناں بھی دغا باز ہوئے جاتے ہیں
آپ جتنے بھی ستم مجھ پر کیا کرتے ہو
وہ میرے واسطے اعزاز ہوئے جاتے ہیں
اب تو لازم ہے کوئی اور مسیحا ڈھونڈوں
میرے حاسد تیرے ہمراز ہوئے جاتے ہیں
کسی مخلص کسی مفلسی کا نہیں نام یہاں
اور جو ظالم ہیں وہ ممتاز ہوئے جاتے ہیں
تم نے کب کس کو منایا انہیں معلوم نہیں
یہ تو خوش فہم ہیں ناراض ہوئے جاتے ہیں

سید بشارت شاہ

محبت اب نہیں کرنا

میری برستی ہوئی
آنکھیں
میری رکتی ہوئی
سانسیں
مجھے
اکثر یہ کہتی ہیں
اپنے
انجام سے ڈرنا
محبت
اب نہیں کرنا

جہانزیب آفتاب

تم بن

دل توڑ کے جانے والے
کبھی سوچا ہوتا
کہ تم بن کوئی کتنا
اداس ہے
تم بن وقت کے
بکھر گیا ہے
رات رت جگوں کی نذر
ہو جایا کرتی ہے
اس کی شفاف آنکھیں
پرنم رہا کرتی ہیں
تمہارے سوا سے کچھ بھی
نہیں بھاتا ہے
پل پل اذیت میں
اس کا وجود رہتا ہے
کاش تم سمجھ پاتے
تم بن کوئی ہنسنا بھی
بھول چکا ہے
بہت تنہا رہ گیا ہے

رضوانہ آفتاب

اے وطن

پھول الفت کے لب پر کھلے ہیں وطن
جب سے تیرے ترانے پڑھے ہیں وطن
کہہ رہی ہے فضا تو سلامت رہے
برگ و گل اور چمن گا رہے ہیں وطن
یہ مجاہد مرے ہیں محافظ ترے
خون تیرے لیے دے رہے ہیں وطن
تیری عظمت کو جائیں وہی جن کے خون
ریت میں جذب ہو رہے ہیں وطن
خشک سالی کے موسم میں خوں دے کے ہم
کشتِ ویراں کو یوں سینچتے ہیں وطن
حسن معنی کی کیا ہے ضرورت مجھے
میر کے الفاظ خود بولتے ہیں وطن

عمران فائق

☆

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

سندیسے

افشاں علی.................کراچی

بریانی کی طرح مصالحہ دار، پلاؤ کی طرح بھاپ اڑاتا، تکے کی طرح چٹ پٹا، باربی کیو ساس کی طرح کھٹا میٹھا اور بروسٹ و روسٹ کی طرح اسپائسی و مزیدار سا سلام قبول ہو۔

بقول غالب

حیران ہوں کہ کیا سحر سازی کروں
جو سخن پروازی کروں

بدلتے موسم کی رت جہاں موسم سرما کی نوید دے رہی ہے وہیں محرم الحرام کی دبی دبی سسکیاں بھی کانوں میں گونج رہی ہیں۔ عیدالاضحیٰ بھی عیدالفطر کی طرح دبے قدموں رخصت ہو چلی۔ ماہ و سال یوں ہی آگے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ گردش رواں دواں ہے اور ہم اس تبدیلی و تغیر کے گرداب میں ہی پھنسے ہوئے ہیں۔ ہاں مگر اس نفسا نفسی کے دور میں ردا کا ساتھ ٹھنڈی میٹھی چھاؤں سا ہے۔ عیدالاضحیٰ سے صرف ایک دن پہلے ردا نے آ کر عیدالاضحیٰ کا مزہ دو بالا کر دیا۔ گوشت و چھری سے کھیلتے کھیلتے جب جب اور جتنا فارغ ٹائم ملا ہم تھے اور ہمارا عیدالاضحیٰ کا شمارہ۔ عیدالاضحیٰ کے ان تین دنوں میں ہی ہم نے ردا کو پورا اوڑھ لیا۔ (اجی! مطلب پڑھ لیا) ماڈل کا فیس، پیارا ہیئر اسٹائل اور خوب صورت سے فیروزی رنگ کے سوٹ میں نک سک سی تیاری لیے رانیہ دل کو خوش کر گئی۔ پر اثر "گوشۂ آگہی" دل کو لگا خاص کر یہ پڑھ کر کہ شجر و شاخ پھول پتے و پودے آپ کو بے حد عزیز ہیں میرے ذہن میں آپ کی وہ تصویر ابھر آئی جس میں آپ اپنے گھر کے لان میں پودوں و گملوں کے درمیان موجود تھیں اور یہ یادگار تصویر اب تک مجھے ازبر ہے۔ "ردائے جنت" میں قربانی جیسے اہم فریضے کے متعلق اسلامی احکامات کار آمد تھے۔

سب سلسلے وار ناول نے اپنی اپنی جگہ بھرپور انصاف کیا پھر چاہے وہ شازیہ مصطفیٰ جی کے قلم سے نکلے انتہائی خوب صورت الفاظوں پر مبنی گھریلو تحریر ہو یا نائلہ طارق جی کی شرارت بھری لڑائیاں اور چٹپٹے ڈائیلاگ و کردار لیے "جو عشق پر نبھا وہ عشق ہی جانے" ناول ہو یا پھر اپنے نام کی طرح نازک و پیاری قمروش شہک کی پیار چھلکاتی دلوں کو چھوتی سدا بہاری "تیرے پیار کی خوشبو" مہکاتی تحریر ہو۔ یہ سب تو اپنی جگہ اچھے ہیں ہی پر ٹاپ آف ردا وہ نام صالحہ محمود جن کے سادہ و خوب صورت اور انوکھے اور کلاسیکل ٹچ لیے ناول پڑھنے والوں کو سحر میں جکڑے رکھتے ہیں۔ آپ کے انتہائی گھریلو زبان بولتے انگوکل کردار ذہنوں میں قرۃ العین حیدر کی کہانیاں یاد دلا دیتے ہیں۔ حیا بخاری جانا پہچانا نام ان کا مکمل ناول بھی اچھا تھا۔ روشانے کا "پرستان کی سیر" کرواتا ناول دوسری قسط کے ساتھ زبردست رہا۔ وہیں رابعہ افضال کے ناول کی شروعات کی تو آگے جا کر باقی آئندہ ماہ کے الفاظ منہ چڑا رہے تھے۔ اب باری آ جائے افسانوں کی جو کہ اس بار ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ بلاشبہ سب ہی نے بہت اچھا لکھا۔ گزشتہ سالوں سے معاشرتی، اخلاقی، مذہبی اقدار سے روشناس کرواتی تحریروں نے ردا کے معیار کو ایک اعلیٰ مقام دے دیا ہے۔ اس بار کسی ایک کی تعریف کر کے باقی نام کو پشت پردہ ڈال دینا زیادتی ہو گی۔ اس لیے عیدالاضحیٰ نمبر کے اس ردا کو سب ہی نئی رائٹرز نے خوب صورتی سے سجایا۔ پر عدا حسنین نے جس دل سوزی و دردمندی کے ساتھ آنسوؤں کی زبان میں ارض پاک پر مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے ظلم و جبر کو اپنے قلم کی نوک پر رکھا قابل تعریف ہے۔

صالحہ آپا، اسماء سحر گل، قمروش شہک، نائلہ طارق، شازیہ مصطفیٰ، سعدیہ عابد، ریما نور، انجم خان ان سب دمکتے ہوئے ستاروں نے تو ردا کے صفحوں کو جگمگایا ہی پر ساتھ ہی رائٹرز کی ایک نئی کھیپ بھی چلی آئی جو آتے ہی متاثر کر گئی اور دلوں پر چھا گئی۔ ان میں روشانے عبدالقیوم، افسانہ آفتاب، سیدہ فرزانہ، مصباح مسکان، عدا حسنین، ثناء کنول اللہ دتہ، ایمان علی، روحی فیصل، عائشہ ذوالفقار، انجم نذیر، فریدہ فرید، فرح ناز رفیق، اور قابل احترام جو ذہن میں نہیں آ رہے ان کے لیے معذرت)۔ آہم پیاری افشاں علی (اپنے منہ میاں مٹھو ہاہاہا) اور اب کچھ وہ نام جو ہر بار ردا کے کسی نہ کسی سلسلے میں شامل رہ کر ردا کو رونق بخشتے ہیں۔ صبا سحر، ایس ایم امتیاز، دھنک ناز، عانیہ نیازی، صبا عبدالغنی، ریما نور، نور بانو، فرزانہ شوکت، دانیہ آفرین، نور الصباء، امبرین حیدر، سیدہ امبر ہاشمی وغیرہ۔

ہر ردا کے شمارے میں مختصر مگر پر اثر تاثر لیے کسی نہ کسی موضوع کو اجاگر کرتے افسانے گویا شمارے کی جان ہوتے ہیں۔ مستقل سلسلے بھی بہت خوب و اعلیٰ ہوتے ہیں۔ جنہیں پیاری سی نورین ملک بہت خوب صورتی سے ترتیب وار سجاتی ہیں۔ گلدستے میں پھولوں کی نفاست سے کی گئی ترتیب بھی معنی رکھتی ہے۔ اکتوبر کے عیدالاضحیٰ نمبر کے دل میں مجھے بہت جگہ اپنا عکس نمایاں نظر آیا۔ سب سے پہلے صالحہ آپا آپ کا شکریہ جو آپ ہر بار میرے سندیسے کو ردا میں جگہ عنایت کرتی ہیں۔ ساتھ ہی اس بار آپ نے میری سسٹر آسیہ علی کو بھی آپ نے شامل محفل رکھا۔ بہت بہت شکریہ۔

ڈیئر فریدہ فرید، مہرین کنول، عانیہ نیازی، نور بانو، دھنک ناز، صبا سحر، آسیہ علی، نگہت آرا آپ سب کا تہہ دل سے شکریہ جو آپ نے میرے افسانے "دھن کا گورکھ دھندہ" میرے طرز تحریر کو پسند کیا آپ سب کا یہ خلوص و محبتیں تا عمر میرے دل کے بہت قریب تر ہیں۔ رہی بات میرے انداز و طرز تحریر تو بس اتنا ہی کہوں گی۔

ہم تو بڑی عبارت آرائیں کرنے لگے
نثر میں خود نمایاں کرنے لگے (اہم آہم)

آپی اس بار "گوشۂ چشم" بھی شامل رہا۔ پڑھ کر از حد خوشی ہوئی آپ کے لکھے ہر الفاظ پھر چاہے وہ میرے لیے ہوں یا باقی کے لیے بہت معنی رکھتے ہیں۔ آخر میں آپ سب کا بہت شکریہ۔ ردا کے نام "تیری کامیاب اور اس پھول سی راہ پر ذرا بھی آنچ نہ آئے۔ بس یہی دعا ہے میری اپنے پروردگار سے" آمین!

زاہدہ ہاشمی زلفی.................کراچی

سویٹ صالحہ آپی اور سویٹ نورین ملک کے ساتھ ساتھ معزز ردا اسٹاف و قارئین کو زاہدہ ہاشمی کا دعاؤں سے بھرا سلام قبول ہو۔ غم دوراں، غم جاناں مصروف تو بہت رکھتے ہیں مگر ردا سے جڑا اٹوٹ رشتہ وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے۔ زندگی موت سے لڑتے لڑتے پھر لوٹ آئے ہم زندگی کی

READING CORNER

طرف اور میرے پیاروں کی دعائیں ہی ہیں کہ میں آج آپ سب میں موجود ہوں۔ آپی جان! طبیعت کی ناسازی کی بنا پر کئی ماہ سے میں ردا کا حصہ نہ بن سکی مگر ردا ہر ماہ پڑھتی ضرور تھی اور ردا کی تمام خوب صورت تحاریر مجھے صحت کی طرف لے آئیں۔ میری یاد آپ سب کو آئی یا نہیں مگر مجھے ہر ماہ ردا پڑھتے ہوئے آپ سب کی بہت یاد آئی۔ صالحہ آپی اور نورین ملک جی کے بھرپور اور مخلص انداز میں اپریشیٹ کرنا نیو رائٹرز کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور دن بہ دن ردا کی تحاریر میں نکھار آتا جارہا ہے۔ خدا کرے بہت روشن اور بلند ہو ردا کا مقدر کا ستارہ، آمین۔ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا کہ بہت ضرورت ہے مجھے دعاؤں کی۔ سندیسے میں میرا سندیسہ ضرور شامل کیجیے گا۔ مجھے خوشی ہوگی آپی جی میری طرف سے تمام ردا اسٹاف کو ردا قارئین کو صالحہ آپی کو نورین آپی کو بہت بہت ایڈوانس اسلامی مہینے کی مبارک ہو۔

سویٹ! ازابیلہ باجی ہوسکے تو ہیلتھ چینل ڈاکٹر ناظر سے رابطہ کریں طبی نبوی میں آپ کی بیماری کا علاج ہے یقیناً خدا آپ کو صحت کاملہ عطا کرے گا۔ آپ رسالہ نہ خریدیں ادارہ آپ کو ہر ماہ میگزین بھیجا کرے گا لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ ہر ماہ سندیسہ لکھا کریں۔

فوح ناز رفیق .... کراچی

تمام قارئین اور رائٹرز کو پیار بھرا اسلام السلام علیکم! سب کی محبتوں کا شکریہ جنہیں میرے افسانے پسند آتے ہیں جنہیں نہیں بھی آتے یقین کریں یہ بات آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہے کہ کوئی ایک تھا جس کے خط میں ابھی بھی میرا نام نہیں آیا۔ بہرحال جو نام لے کر مینشن کرتے ہیں خاص کر رانیہ نیازی، افشاں علی اور میں جن کے نام بھول رہی ہوں ناراض نہیں ہوجایئے گا میں آپ سب کی محبتوں کی مقروض ہوں ویسے آج کل ردا میں دوستیوں کے موسم کی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ بھئی میرا نام تو نہیں لیا کسی نے مگر پھر بھی میں کسی کی دشمن نہیں ہوں سب کی دوست ہوں اب سیریسلی نئے لکھنے والوں سے ایک بات کہنا ہے میں بھی آپ کی طرح طفلِ مکتب ہوں نئے موضوعات پر قلم اٹھانے کی کوشش کرتی ہوں مگر خیال رکھیں رشتوں کے تقدس پامال نہ ہوں۔ آج کل ٹی وی ڈرامہ اور کہانیوں میں جس قدر رشتوں کی پامالی دکھائی جارہی ہے وہ باعث تشویش ہے۔ یہ دنیا ہے یہاں سب کچھ ہوتا ہوگا کیا ضروری ہے اس قدر کھلے عام اظہار کرکے ان لوگوں کے ذہنوں کو بھی آلودہ کیا جائے جن کے خیال وگمان میں یہ بات نہیں ہے۔ خدارا! بہت نازک رشتے ہیں لکھنے سے پہلے سوچ لیں صرف نیگیٹو نہیں پوزیٹو پہلو بھی دکھا سکتے ہیں کوشش کریں جو نئی پڑھنے والی ینگ لڑکیاں ہیں کچھ تعداد لڑکوں کی بھی ہے انہیں رشتوں کا پیار احترام کے ساتھ ذہن نشین کرایا جائے۔ بہن، بہنوئی، دوست، بھابی بھائی بہت قابل عزت قابل احترام رشتے ہیں۔ خط طویل ہوگیا ہے مگر یہ میرا فرض ہے کہ قلم سے کسی کی صحیح کرسکوں تو ضرور کروں کسی ایک کے لیے نہیں سب سے گزارش ہے پلیز پلیز غور کریں افسانوں کہانیوں پر تبصرہ نہیں کرسکتی کیوں کہ ہمیشہ سب اچھے ہوتے ہیں۔ خیال رکھیں سب اپنا دعاؤں کی طلب گار۔

رابعہ افضال خان .... کراچی

بہت ساری دعاؤں، محبتوں اور عقیدت خلوص دل سے ردا کی بزم میں رابعہ افضال خان کا سلام شاملِ محفل ہے۔ سرورق پر موجود رانیہ خان سوفٹ لک میک اپ اور سمپل سے ہیئر اسٹائل کے ساتھ کچھ کھوئی کھوئی سی بہت کیوٹ لگی پھر ہم نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ آگے کی طرف سفر کے چلے اور اپنا نام دیکھ کر دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔

"گوشۂ آگہی" نے ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی دل کو چھولیا پھر "ردائے جنت" کی طرف بڑھے اور پڑھ کر بہت مزہ آیا آگے بڑھے تو شازیہ مصطفی کو موجود پایا۔ "تھم سے ماتھوں میں تھم تو" کو شہریار اور حسنٰی کی لڑائی بہت دلچسپ لگی۔ نائلہ طارق "جو عشق میں بچی وہ عشق ہی جانے" ہمیشہ کی طرح زبردست رہا۔ بس ذرا خرمن کے مزاج درست کردیں بے چارے ایبک کو اتنا ستادیا۔ افسانے سارے اچھے تھے۔ "ردا کی ڈائری" سے پروین شاکر کی نظم زبردست تھی۔ "ذرا پھر سے کہنا" میں اپنا نام دیکھ کر دل میں بہت سارے لڈو پھوٹ پڑے۔ پھر ہم ردا کی شہزادیاں کی طرف بڑھے اور سدرہ شاہ، اقصیٰ کنول، رانیہ مشتاق تینوں سے تعارف بہت اچھا لگا۔ "سندیسے" میں افشاں علی نے بہت تفصیلی تبصرہ کیا اور بہت زبردست رہا۔ ثریا اقبال نے زبردست عید کے پکوانوں سے کچن کو سجایا۔ آپی! ایک مرتبہ پھر آپ کا شکریہ ادا کروں گی کہ آپ میری تحریروں کو ردا کی محفل میں سجا کر پیش کرتی ہیں آپ کے لیے بہت ساری دعائیں۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر مہینے ردا میں شامل ہوں مگر مجبوری ہے جاب کی وجہ سے ٹائم کی کمی کی وجہ سے ایسا نہیں کرپاتی لیکن پھر بھی کوشش کرتی ہوں کہ آپ سے ردا کی رائٹرز سے قارئین سے میرے تعلق کا سلسلہ جڑا رہے۔ ردا کے لیے ڈھیر ساری دعائیں اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی لیکن انشاء اللہ دوبارہ جلد حاضرِ محفل ہوں گی خدا حافظ۔

سعدیہ عابد .... کراچی

قارئین! ردا اور مصنفین بہنوں کو سعدیہ عابد کا پرخلوص سلام! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گی۔ عیدالاضحیٰ کیسی گزری؟ ردا 14 اکتوبر کو ملا۔ آپ سب بہنوں کا شکریہ جنہوں نے میرا ناول "بندگی" پڑھا اور اپنی قیمتی آراء سے آگاہ کیا۔ شازیہ اور نادیہ کے سلسلے وار ناول بڑی خوب صورتی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اللہ آپ دونوں کو یونہی کامیابی عطا کرتا رہے، آمین۔ رابعہ افضال اور حیا بخاری کے ناول پسند آئے۔ رابعہ آپ نے کافی اچھے انداز میں ہر کردار کو لکھا اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ، آمین۔ تمام افسانوں میں ندا حسنین کا افسانہ "قربانی" سب سے زیادہ پسند آیا۔ ایقان، ایمان، بحرش نے بھی بہت اچھا لکھا۔ آپ تمام رائٹرز ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ ردا کے باقی سلسلے بھی اچھے تھے۔ "ردا کی ڈائری" میں نور بانو کا انتخاب زبردست تھا کیوں کہ امجد اسلام میرے پسندیدہ شاعروں میں سے ہیں۔ مستقل سلسلے "خوشبو" بالکل خوشبو ہی ثابت ہوا۔ ذہن ودل تازہ ہوگئے۔ "ذرا پھر سے کہنا" میں مریم ماہ منیر، دانیہ آفرین، ایس ایم انیا احمد اور مدیحہ اعجاز کے کلام نے بہت متاثر کیا۔ سدرہ شاہ، اقصیٰ کنول اور رانیہ مشتاق کے بارے میں جان کر بے حد اچھا لگا اور ماہ ستمبر کے ردا میں ریحانہ نور آپ کے بارے میں پڑھنا کافی دلچسپ ثابت ہوا تھا۔ اللہ آپ کو خوشیاں عطا فرمائے (آمین)۔ "دوستوں کے نام پیغام" ہمیشہ کی طرح زبردست تھا مگر دوستوں کوئی ہمیں بھی تو کبھی یاد کرے (ہاہاہا)۔ اس دفعہ تو کچن کارنر بھی توجہ سے پڑھا (کہ بہن کی شادی کے بعد ماہدولت ہی کچن سنبھال رہی ہیں اس لیے اب گھرداری سے متعلق چیزیں پڑھ لیتی ہوں) ماہ اکتوبر کا ردا ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ آخر میں صالحہ آپی کا شکریہ کہ آپ نے مجھے ردا میں لکھنے کا موقع فراہم کیا۔ اب اپنی سعدیہ عابد کو اجازت دیں۔ زندگی بخیر انشاء اللہ "سندیسے" میں پھر ملاقات ہوگی جب تک کے لیے اللہ حافظ۔

ندا حسنین .... کراچی

سب سے پہلے عزت واحترام بھرا اسلام صالحہ آپا

اور نورین ملک کے نام اور پیار بھرا آداب ردا کی تمام قارئین اور رائٹرز کے نام۔ سب سے پہلے تو میں صالحہ آپا کا پورے خلوص و اپنائیت کے ساتھ شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ انہوں نے میری تحریروں کو اپنے اس خوب صورت اور دلچسپ کہانیوں سے مزین ڈائجسٹ "ردا" میں جگہ دی اور مجھے موقع دیا اپنے جذبات و احساسات کو بذریعہ قلم لفظوں میں ڈھال کر آپ تک پہنچانے کا۔ ردا کے باذوق و باادب قارئین جن کے سندیسوں میں ردا اور اس کے رائٹرز کے لیے پیار چھپا ہوتا ہے میں ان سب کا اور بالخصوص افشاں علی، مہرین کنول، عائشہ نیازی اور نور بانو کا تہہ دل سے شکریہ ادا کروں گی جنہوں نے نا صرف میری تحریر "صدقہ جاریہ" کو سراہا بلکہ اپنی قیمتی رائے سے بھی آگاہ کیا۔ بلاشبہ آپ کی حوصلہ افزائی اور قیمتی رائے میرے لیے بے حد اہم ہے۔ امید کرتی ہوں ماہ اکتوبر میں شامل میرا افسانہ "قربانی" بھی آپ سب کو بے حد پسند آئے گا۔ اب بات کروں گی ماہ اکتوبر میں شامل ناولوں اور افسانوں کی۔ شازیہ مصطفیٰ جتنا بڑا نام ماشاءاللہ ویسا ہی کام۔ ان کا سلسلے وار ناول "تجھ سے مانگوں تجھ کو" بہت خوب جارہا ہے۔ قمروش شہک کا ناول بھی دلچسپ انداز میں رواں دواں ہے۔ ایمان علی کی قربانی نے ایک بہترین سبق پیش کیا۔ واقعی ایک ماں کے لیے بچوں کی خوشی سے بڑھ کر کوئی شے نہیں۔ سحرش فاطمہ نے ایک بے حد اہم موضوع کو نہایت خوب صورتی سے قلم بند کرکے "میرا حجاب میرا مان" کی صورت میں پیش کیا۔ کہانی کا سب سے متاثر کن حصہ میری نظر میں سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا حوالہ لگا۔ بے شک یہ ایک بہترین کاوش تھی مصنفہ کی جانب سے کیوں کہ اکتوبر کا شمارہ عیدالاضحیٰ اسپیشل تھا سو جہاں شاہ ناز نے "حقیقی خوشی" میں ہمیں فلسطینی بہن بھائیوں کی یاد دلائی وہیں شاہدہ علی نے اپنے افسانے "اختیار" میں قربانی سے متعلق ایک نہایت ہی اہم نکتے کی جانب توجہ دلائی۔ غرض کہ ہر رائٹر نے گویا اپنے قلم کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ایمان علی کے افسانے نے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔ محترمہ نے بے حد دلچسپ انداز میں سسرال کا نقشہ کھینچا بہت پیاری سی رائٹر دانیہ آفرین سے گزارش کہ جلد ہی ہمیں اپنی دلچسپ سی کہانی سے روشناس کرائیں۔ آخر میں ردا کے لیے پرخلوص دعا کہ اللہ اسے مزید کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔ تمام قاری بہنوں کی حوصلہ افزائی کا ایک بار پھر شکریہ اور لکھاری بہنوں کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

سحرش فاطمہ .... کراچی

السلام علیکم صالحہ آپی! امید کرتی ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گی سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی میری کہانی کو چھاپنے کے لیے۔ اس امید کے ساتھ کہ آگے بھی میں ردا ڈائجسٹ سے جڑی رہوں۔ عید اسپیشل نمبر بہت اچھا رہا۔ سب ہی کہانیاں زبردست تھیں۔ ندا حسنین کا "قربانی" ایک پیغام تھا امت مسلمہ کے لیے تو دوسری طرف آنسو بھی لے آیا۔ ندا اچھی لکھاری ہیں مزید یہ کہ لکھتی رہیں آپ۔ جہاں کچھ افسانوں نے رلایا اور اچھا سبق دیا جیسے شاہ ناز کا افسانہ تو وہیں دوسری جانب ایک نٹ کھٹ سا افسانہ پڑھنے کو ملا اور وہ تھا "آفرین آفرین" ایمان علی آپ کی پچھلی کہانیاں پڑھیں ہیں یہ سب سے منفرد اور مزے دار رہا۔ دانیہ آفرین کی نظم بڑی بہت اچھی لکھی ہے۔ چلیں آپی میں اگلی دفعہ پھر حاضر ہوں گی اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔

گیتی آراء .... کراچی

پیاری باجی السلام علیکم! سب سے پہلے تو آپ کو اور نورین کے ساتھ ساتھ ردا کے تمام قارئین کو عید کی

دلی مبارک باد۔ اللہ آپ سب کو ایسی سیکڑوں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے، آمین۔ اب بات ہو جائے ماہ اکتوبر کے ردا کی تو سب سے پہلے "گوشہ آگہی" سے نگاہیں آشنا ہوئیں تو پتا چلا کہ ہماری پیاری آپی کی چھوٹی بہن کو حج کی سعادت نصیب ہوئی اس کے لیے آپ کو اور انجم کو دلی مبارک باد۔ اللہ سب مسلمانوں کو اور ہماری آپی کو بھی جلد سے جلد حج کی سعادت نصیب کرے، آمین۔ اور آپ کی یہ بات تو میں آنکھ بند کرکے مانتی ہوں کہ ہماری آپی میں تعصب کی آگ قطعی نہیں ہے اور گروہ بندی فرقہ بندی جیسی کوئی غلط شے ہماری آپی کو چھو کر بھی نہیں گزری۔ ہر کسی سے مساوی سلوک روا رکھنا ہر کسی کا خیال رکھنا۔ "ردائے جنت" میں قربانی سے متعلق دینی معلومات پڑھ کر والدہ مرحومہ کی یاد آگئی جو ہمیں بچپن سے قربانی سے متعلق اس طرح کی دینی معلومات فراہم کیا کرتی تھیں اور اب باری تھی افسانوں کی تو سب سے پہلے مریم ماہ منیر کا "ہمیں انکار ہے" بقرعید کے لحاظ سے ایک ہلکا پھلکا مزاح کے رنگ میں ڈوبی ایک دلچسپ تحریر تھی۔ "قربانی" میں ایمان علی کی بات دل میں گھر کر گئی۔ واقعی خدا بہت بے نیاز ہے۔ وہ بوٹیاں اور خون نہیں دیکھتا وہ تو صرف دل میں چھپے خلوص اور نیت کو دیکھتا ہے۔ ندا حسنین نے "قربانی" میں کشمیری مجاہدین پر ہونے والے ظلم و بربریت کی تصویر کھینچ کر مسکراتے ہنستے چہروں کے دلوں کو دکھ سے چھلنی تو کردیا لیکن ساتھ ہی قربانی اور ایثار کی ایک اعلیٰ تصویر اور مثال بھی دکھا دی۔ شاہدہ علی نے "اختیار" میں بڑی خوب صورتی سے قربانی کا اصل مقصد اور طریقہ سمجھایا۔ شاہ ناز کی "حقیقی خوشی" قربانی ایثار کی ایک اچھی مثال تھی۔ سحرش فاطمہ کی "میرا حجاب میرا ایمان" ایک اچھی سبق آموز تحریر تھی۔ کاش اسی طرح ہماری تحریریں اس سوئی ہوئی قوم کی غیرت جگا دیں۔ ایمان علی کی "آفرین آفرین" اس ماہ کا سب سے دلچسپ اور لفظ بہ لفظ مزاح کے رنگ میں بھیگے کھاتا مزیدار افسانہ اور تحریر تھی جو کہ چیخ چیخ کر اعلان کررہی تھی کہ رائٹر میں ایک اچھا مزاح نگار بننے اور کہلانے کے جراثیم موجود ہیں۔ کرن نورین کا "ڈگڈگی" ایک منفرد اور اچھوتی تحریر رہی۔ "ردا کی ڈائری میں" پروین شاکر کی نظم، عائشہ نیازی کا انتخاب اور امجد اسلام امجد کی نظم بہترین انتخاب تھے۔ "اس ماہ میں" "لمحہ فکریہ" چلو کسی کے گھر چلتے ہیں، سنہرے موتی، نفرت، اس ماہ دلچسپ معلومات، اس ماہ کا فلسفہ، نماز خاص کر نماز اور سائنس انکشافات، بہترین مضامین تھے۔ "خوشبو" میں احادیث مبارکہ، سچ تو یہ ہے، کبھی کبھی، کرنیں محبت، دل دل پاکستان، طلبہ کی نفسیات، محبت، ہم سفر کے رنگ، ختم قربانی غرض یہ کہ تقریباً سبھی مضمون خاکے بہترین رہے ہمیشہ کی طرح۔ "ذرا پھر سے کہنا" میں حافظہ سون شاہ، صائمہ قریشی، دانیہ آفرین، سید ساجد محمد اسلم نے خوب لکھا۔ "ردا کی شہزادیاں" میں سدرہ شاہ، اقصیٰ کنول اور رانیہ مشتاق سے ملاقات دلچسپ رہی۔ "سندیسے" میں افشاں علی کی دوستوں میں اپنا نام بھی دیکھ کر خوشی ہوئی تھینک یو سو مچ۔ "دوستوں کے نام پیغام" یہ نیا سلسلہ پسند آیا۔ ایک اور سلسلہ "گوشہ چشم" تو بے حد پسند آیا ہماری پیاری آپی کے خلوص بھرے پیار بھرے الفاظ واہ مزہ آگیا۔ تھینک یو آپی! کچن میں مٹن حلیم سے لے کر بقرعید کے حوالے سے ہر لاجواب پکوان اس ماہ میں شامل رہے شکریہ۔ "سنگھار" بھی اس ماہ ہمیشہ کی طرح زبردست رہا۔ اب اجازت، آخر میں ہماری دلی دعا ہے ہمارا اور آپ کا یہ رسالہ ڈھیروں ترقی پائے، آمین۔

☆☆☆

READING CORNER

دوستوں کے نام پیغام

ان ہستیوں کے نام جو میرا سب کچھ ہیں

السلام علیکم! سب سے پہلے میری پیاری صالحہ آپی کیسی ہیں آپ امید ہے کہ ٹھیک ہوں گی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔ آج اگر میں خود کو رائٹر کہتی ہوں تو صرف آپ کی وجہ سے آپ اگر میری حوصلہ افزائی نہ کرتیں تو شاید آج میں رائٹر نہ ہوتی۔ میری ہر دعا آپ کے نام سچ میں پیاری نورین آپی میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی تحریروں کی وجہ سے میں نے آپ کو بے حد تنگ کیا۔ میں بھی کیا کرتی میں اپنی ہر تحریر کے بارے میں بہت حساس ہوں آپ تو جانتی ہیں نا کہ رائٹر کے لیے اس کی تحریر کس قدر اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ رات رات بھر بیٹھ کر ناول لکھوا سے پوسٹ کرو ہر ہر کردار کے جملے سوچو پھر جب پتہ چلے کہ وہ گم ہوگئی ہیں تو پریشانی تو بنتی ہے۔ پیاری حمیرا عروش کہاں گم ہو یار پلیز کم بیک قسم سے تمہارے بغیر ردا ادھورا سا لگتا ہے۔ افسانہ آفتاب، جہانہ آفتاب کہاں گم ہو تم دونوں جلدی کہانی کے ساتھ انٹری دو۔ صبا عبدالغنی یار تھینک یو سو مچ کہ تم نے میری برتھ ڈے پر مجھے اپنی دوستی کے پھول پیش کیے۔ مجھے یہ پھول قبول ہیں۔ بٹ سوری لیٹ جواب دے رہی ہوں۔ میرے لیے دعا کرنا۔ افشاں علی میری دوست کیسی ہو جب میں تمہارے خط میں اپنا نام پڑھتی ہوں تو سچ یار دل خوش ہو جاتا ہے۔ میں آپ کی پکی دوست ہوں سچ میں اور ہاں مجھے ہر پل یاد کرتی رہنا کہ جب تم مجھے یاد کرو گی تو مجھے یہ احساس ہو گا کہ میں بھی کسی کے لیے خاص ہوں۔ عائشہ ذوالفقار میری عاشقی اب تم ہی ہو پڑھ کر میں بھی کہتی ہوں میری عاشقی اب تم سب ہو مجھ سے دوستی کرو گی۔ اچھا جن جن کا نام رہ گیا ہے آئم سو سوری میں بہت کچھ لکھنا چاہتی تھی پر لکھ نہیں سکی پلیز آپ سب میرے لیے دعا ضرور کرنا اور میری سسٹر حنا کے لیے ضرور ضرور او کے۔ اللہ حافظ۔

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

دانیہ آفرین، ندا حسنین کے نام

آپ دونوں سے پہلے میری دوستی ندا سے ہوئی۔ آپ نہ صرف اچھا لکھتی ہیں بلکہ دوسروں کی حوصلہ افزائی بھی کرتی ہیں۔ اسی طرح دانیہ میں آپ کی بھی مشکور ہوں۔ آپ دونوں کے لیے دعا گو ہوں کہ کامیابی آپ دونوں کے قدم چومے اسی طرح لکھتی رہیں اور اس سے بھی اچھا لکھیں۔ لیکن بھلا نہ دیجیے گا (ہاہاہا جی جی جیسے کو تیسا) اب بولو..... خبردار جواب کہا کہ میں نے بھلا دینا ہے)۔ اللہ کے حفظ و امان میں رہو، صدا، آمین۔

سحرش فاطمہ۔ کراچی

امی جی، ابو جی اور پوری فیملی کے نام

شادی کے بعد گھر والوں کی کمی اور یاد کتنی شدت سے ستاتی ہے، شادی کے بعد ہر لڑکی کو جب اس اسٹیج پر آنا پڑتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ آسان بات نہیں

اپنی فیملی کو چھوڑ کر آنا اور اپنا گھر بسانا۔

پھر میری کمی ہوگی، گلشن کی بہاروں میں
رنگین نظاروں میں
جب تم مجھے ڈھونڈو گے آنکھوں میں نمی ہوگی
محسوس تمہیں ہر دم پھر میری کمی ہوگی
ساون کی گھٹاؤں کا جب شور سنو گے تم
بکھرے ہوئے ماضی کے اوراق چھوؤ گے تم
ماحول کے چہرے پر جب دھول جمی ہوگی
محسوس تمہیں ہر دم پھر میری کمی ہوگی

ریما نور۔ کراچی

عزیز برادر عبدالناصر قریشی کے نام

دل و جان سے عزیز برادر محترم عبدالناصر قریشی آپ کا نام ذہن میں آتے ہی ایک مشفق، پرخلوص اور نرم دل شخصیت ذہن پر چھا جاتی ہے۔ پیارے بھائی آپ کی خدمتوں، پیار اور قربانیوں کے سامنے میرے الفاظ بہت حقیر ہیں۔ امی، ابو کے بعد جس طرح آپ نے چھوٹے بہن بھائیوں کو سہارا دیا اس کی مثال بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ آپ جیسے بڑے بھائی قسمت والوں کو ملتے ہیں۔ آپ کے لیے ہر لمحہ میری زبان دعا گو رہتی ہے کہ اللہ پاک آپ کو صحت والی لمبی عمر عطا فرمائے، آمین۔ نومی اور عبداللہ، اسد علی، اذہان زید اور اعتل رانی کے سر پر آپ کا سایہ سلامت رہے، آمین۔ پیارے نومی عبداللہ، اسد، اذہان، پھوپھو کی جان آپ سب کے پرخلوص پیار کی میں تہ دل سے مشکور ہوں اور اعتل رانی تو میری پیاری گڑیا ہے۔ اللہ تم سب کو بہت خوش رکھے اور نہایت ہی قابل احترام بھابی ثمرین، اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کو صحت عطا فرمائے اور آپ کے دم سے یہ آنگن سدا مہکتا رہے۔

زاہدہ ہاشمی۔ کراچی

امی ابو کے نام

پیارے امی اور ابو! ردا کے ذریعے آپ کو یہ پیغام دینا چاہتی ہوں کہ آپ اللہ کی طرف سے میرے لیے قیمتی اور نایاب تحفہ ہیں۔ امی آپ کے پیروں کے نیچے میری جنت ہے اور ابو آپ میری جنت کی کنجی ہیں۔ آپ دونوں کی گود میں سر رکھتی ہوں، بھلے خوشی میں یا کسی پریشانی میں۔ ایک سکون سا احساس ہوتا ہے میری زندگی کی کائنات میں دو انمول ہیرے آپ ہیں۔ میری اسٹڈیز ہو یا کوئی تحریر، آپ دونوں مجھے ہر کام میں سراہتے ہیں۔ میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ آئی لو یو سو مچ۔ اور میری دونوں بڑے بھائی اکبر بھائی اور عمر بھائی، نومبر میں آپ کو سالگرہ مبارک ہو اور سائرہ میری چھوٹی سی پیاری بہن جنوری میں تمہیں تمہاری سالگرہ مبارک ہو۔ میری دعا ہے نیا سال میرے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر آئے۔ آپ سب کی میری بھتیجوں سمیت اللہ لمبی عمر عطا فرمائے، آمین۔

مہرین رسول۔ کراچی

پیاری رخشندہ فاطمہ کے نام
سارا راجکماری کی نظم

شگفتہ شاداب بے حد آداب پھولوں کی مہک
آبشاروں کا ترنم
شباب کا امنگ کلیوں کا تبسم
فضاؤں میں رچی خوشبو رچی
خوش کن سحر انگیز شگوفوں
دل آویز نغموں میں
بھرپور گنگناتی ریشمی پروں میں
حسین یادوں کے جل تھل موسم بھی
پرکشش عید آئی ہے
اس دھنک رنگ موقع پر
آپ کو میری طرف سے
عید مبارک ہو۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.com

مٹن مصالحہ

اجزاء:

بکرے کا گوشت	:	آدھا کلو
نمک	:	حسب ذائقہ
پسا ہوا لہسن	:	ایک کھانے کا چمچ
ادرک	:	دو انچ کا ٹکڑا
پپیتا پسا ہوا	:	دو کھانے کے چمچ
پیاز	:	تین عدد درمیانی
لال مرچ پسی ہوئی	:	ایک کھانے کا چمچ
پسا ہوا دھنیا	:	ایک کھانے کا چمچ
بھنا ہوا سفید زیرہ	:	ایک کھانے کا چمچ
کٹی ہوئی کالی مرچ	:	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ	:	آدھا چائے کا چمچ
دہی	:	ایک پیالی
ٹماٹر	:	دو عدد
مارجرین یا مکھن	:	دو کھانے کے چمچ
آئل	:	دو کھانے کے چمچ

ترکیب: گوشت کو صاف دھو کر چھلنی میں رکھ کر خشک کرلیں۔ پیاز اور ٹماٹر کو موٹا کاٹ کر رکھ لیں، ادرک کو باریک کاٹ لیں اور زیرے کو موٹا کوٹ کر رکھ لیں۔ ایک بڑے پیالے میں دہی ڈال کر اس میں پیاز، لہسن، لال مرچ، دھنیا، ہلدی اور پپیتا ڈال کر اچھی طرح ملائیں۔ گوشت کو اس مصالحے کے مکسچر سے میرینیٹ کر کے آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پھر اس گوشت کو پین میں ڈال کر درمیانی آنچ پر پکنے رکھیں اور پانچ سے سات منٹ پکانے کے بعد آنچ ہلکی کر دیں۔ جب گوشت کا اپنا پانی خشک ہونے آجائے تو اسے وقفے وقفے سے بھونتی جائیں۔ دوسری طرف ایک علیحدہ فرائنگ پین میں آئل اور مارجرین یا مکھن ڈال کر ایک سے دو منٹ گرم کریں۔ اس میں ادرک ڈال کر ایک سے دو منٹ فرائی کریں، پھر ٹماٹر ڈال کر اتنی دیر بھونیں کہ ٹماٹر گل جائے۔ اس مصالحے کو گوشت میں ڈال کر ساتھ ہی نمک اور گرم مصالحہ شامل کر دیں اور اتنی دیر بھونیں کہ تیل علیحدہ ہو جائے۔ بھنا ہوا کٹا ہوا زیرہ اور کالی مرچ چھڑک کر ہلکی آنچ پر چار سے پانچ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ گرم گرم ڈش میں نکال کر باریک کٹا ہوا ہرا دھنیا چھڑک دیں اور گھر کی بنی ہوئی چپاتی کے ساتھ لطف اٹھائیں۔

بیف ہزاروی

اجزاء

گائے کا گوشت	:	آدھا کلو
نمک	:	حسب ذائقہ
ادرک لہسن پسا ہوا	:	دو کھانے کے چمچ
جائفل	:	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
جاوتری	:	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
سفید مرچ پسی ہوئی	:	آدھا چائے کا چمچ
انڈا	:	ایک عدد

ہری مرچیں	:	چار سے چھ عدد
ہرا دھنیا	:	آدھی گٹھی
چیڈر چیز	:	آدھی پیالی
فریش کریم	:	آدھی پیالی
مارجرین یا مکھن	:	ایک کھانے کا چمچ
آئل	:	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب: اس ڈش کو بنانے کے لیے بہتر ہے کہ انڈر کٹ گوشت استعمال کریں تاکہ آسانی سے گل جائے، اس کی ایک سائز کی بوٹیاں کاٹ لیں اور دھو کر اچھی طرح خشک کر لیں۔ گوشت کی بوٹیوں کو ادرک لہسن اور نمک لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ کریم کو صاف ستھرے خشک پیالے میں ڈال کر دس سے پندرہ منٹ کے لیے ٹھنڈا کرنے فریج میں رکھیں۔ ہرا دھنیا اور ہری مرچوں کو پیس لیں، جائفل جاوتری کو باریک پیس کر رکھ لیں۔ انڈے کو ابال کر میش کر لیں اور چیڈر چیز کو کش کر کے رکھ لیں۔ کریم کو ہلکا سا پھینٹیں اور اس میں جائفل جاوتری، سفید مرچ، پسا ہوا ہرا مصالحہ، انڈا اور چیز ڈال کر ملا لیں۔ مرینیٹ کی ہوئی بوٹیوں کو اس مکسچر میں ڈال کر ملا لیں اور سیخوں پر لگا لیں۔ چاہیں تو ان بوٹیوں کو کوکوں پر سینک لیں یا 180c پر بیس سے پچیس منٹ پہلے گرم کیے ہوئے اوون میں تیس سے چالیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ مارجرین یا مکھن میں کوکنگ آئل ملا کر رکھ لیں اور سینکتے ہوئے درمیان میں اسے برش کی مدد سے بوٹیوں پر لگا لیں۔ ان مختلف اور مزیدار بوٹیوں کو گرم گرم پراٹھوں کے ساتھ پیش کریں۔

مغلئی قیمہ

اجزاء:

قیمہ	:	آدھا کلو
ادرک لہسن پسا ہوا	:	ایک کھانے کا چمچ
نمک	:	حسب ذائقہ
پیاز	:	تین عدد درمیانی
لال مرچ پسی ہوئی	:	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا ناریل	:	چار کھانے کے چمچ
بادام	:	آدھی پیالی
گرم مصالحہ پسا ہوا	:	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچیں	:	چھ سے آٹھ عدد
آئل	:	حسب ضرورت

ترکیب: قیمہ دھو کر چھلنی میں رکھ کر خشک کر لیں۔ پیاز کو باریک کاٹ لیں، بادام کو ابال کر چھیل کر پیس لیں۔ ہری مرچیں باریک کاٹ کر رکھ لیں۔ کڑاہی میں آئل کو درمیانی آنچ پر تین سے چار منٹ گرم کریں اور پیاز کو سنہری فرائی کر کے نکال لیں۔ قیمے کو پیالے میں ڈال کر اس میں ادرک لہسن، نمک، لال مرچ، ناریل، بادام، گرم مصالحہ، ہری مرچیں اور تلی ہوئی پیاز ڈال کر اچھی طرح ملا لیں اور دو گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ فرائنگ پین میں تین سے چار کھانے کے چمچ آئل کو درمیانی آنچ پر دو سے تین منٹ گرم کریں اور میرینیٹ کیے ہوئے قیمے کو اس میں ڈال کر ڈھک دیں۔ درمیانی آنچ پر پکاتے ہوئے جب اس کا پانی خشک ہونے پر آجائے تو آنچ تیز کرتے ہوئے اتنا فرائی کریں کہ تیل علیحدہ ہو جائے۔ گرم گرم قیمے کو ڈش میں نکال کر حسب پسند پراٹھوں یا نان کے ساتھ پیش کریں۔

کنگ پاؤ چکن

اجزاء:

چکن بریسٹ	:	دو عدد (چھوٹے ٹکڑے)
انڈا (سفیدی)	:	دو عدد
شملہ مرچ (سرخ)	:	ایک عدد (لمبے سلائس)
سیلری (کیوبز)	:	آدھا کپ
ہری پیاز (چوپڑ)	:	ایک کھانے کا چمچ
پی نٹ (روسٹڈ)	:	ایک کھانے کا چمچ

READING SECTION
http://readingsection.blogspot.com/

نمک : حسب ذائقہ
کالی مرچ پاؤڈر : حسب ذائقہ
کینولا آئل : حسب ضرورت

سوس کے لیے:
لیموں کا رس : ایک کھانے کا چمچ
چلی پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
چینی : آدھا کھانے کا چمچ
سویا سوس : دو کھانے کے چمچ
سرکہ : دو کھانے کے چمچ
ٹماٹو پیسٹ : پون کپ

ترکیب: چکن پر نمک، کالی مرچ پاؤڈر اور انڈے کی سفیدی لگا کر بیس منٹ کے رکھ دیں۔ پین میں آئل گرم کر کے چکن سنہرا فرائی کریں۔ چکن تقریباً گل جائے تو سبزیاں شامل کر کے پکائیں۔ سبزیاں نرم ہو جائیں تو پائن ایپل شامل کر دیں۔ سوس کے تمام اجزاء مکس کر کے چکن میں شامل کریں۔ اچھی طرح مکس ہو جائے تو چولہے سے اتار لیں۔ روٹی یا چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

تندوری چکن کباب

اجزاء:
بون لیس چکن (کیوبز) : آدھا کلو
پیاز : ایک عدد (کیوبز)
بے بی ٹماٹو : دو کپ
ہری شملہ مرچ (کیوبز) : ایک کپ
ادرک لہسن پیسٹ : ایک چائے کا چمچ
دہی : ایک کھانے کا چمچ
تکا مصالحہ : دو کھانے کے چمچ
لیمن جوس : دو کھانے کے چمچ
وڈن اسکیورز : حسب ضرورت

ترکیب: چکن میں دہی، ادرک لہسن پیسٹ، تکا مصالحہ اور لیمن جوس مکس کر کے میری نیٹ کر لیں۔ وڈن اسکیورز میں چکن، ٹماٹر، شملہ مرچ اور پیاز کے کیوبز پرو لیں۔ اب گرل کر لیں۔ گرم سرو کریں۔

گولا کباب

اجزاء:
قیمہ : آدھا کلو
کچا پپیتا : دو انچ کا ٹکڑا
لونگ : چھ عدد
جاوتری : دو ٹکڑے
خشخاش : چار کھانے کے چمچے
بھنا چنا پسا ہوا : چار چمچے
ہرا دھنیا : تھوڑا سا
ادرک : ایک انچ کا ٹکڑا
پیاز : ایک عدد (آمیٹ کی طرح باریک کاٹ لیں)

ترکیب: قیمہ میں نمک اور پپیتا پیس کر ملا لیں اور تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ پھر اس میں باقی تمام مصالحے پیس کر اور ہرا دھنیا، پودینہ اور باریک کٹی ہوئی پیاز ملا دیں۔ یاد رہے قیمہ مصالحہ پیستے ہوئے زیادہ پانی نہ ڈالیں۔ سب ملانے کے بعد دو گھنٹے تک رکھ دیں۔ پھر گول ٹکیاں بنا کر گھی میں فرائی کر لیں۔ بہت ہلکی آنچ پر ایک وقت میں چار سے زیادہ نہ ڈالیں۔ اسی طرح تمام گولا کباب تل لیں۔

مکس فروٹ ڈیلائیٹ

اجزاء:
سیب : ایک عدد (چھیل کر کاٹ لیں)
کیلا : دو عدد (سلائز کاٹ لیں)
کریم : پون کپ (پھینٹ لیں)
جام شیریں : تین کھانے کے چمچ
پائن ایپل : تین چار رنگز

ترکیب: سرونگ ڈش میں ایک طرف کیلے اور دوسری طرف سیب رکھ کر درمیان میں پائن ایپل رکھیں۔ ان کے اوپر کریم ڈال کر ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔ اب جام شیریں سے سجا کر ٹھنڈا ٹھنڈا سرو کریں۔

☆

سنگھار

شہلا مشائق

جلد کی ساخت کے اعتبار سے میک اپ

میک اپ ہمیشہ جلد کی ساخت اور چہرے کی رنگت کو مدنظر رکھ کر کرنا چاہیے۔ آپ جلد کی ساخت کے اعتبار سے میک اپ کریں گی تو میک اپ درست ہو سکے گا۔ جلد کی ساخت کئی طرح کی ہوتی ہے۔ مثلاً چکنی جلد، خشک جلد، نارمل جلد، حساس جلد اور اسی طرح چہرے کی رنگت بھی کئی طرح کی ہوتی ہے۔ گندمی رنگت، سرخی مائل رنگت، سیاہ رنگت، زرد رنگت، زیتونی رنگت۔ ان میں سے خشک، چکنی اور نارمل جلد پر ایک ہی طرح کا میک اپ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح چہرے کی رنگت کے اعتبار سے اشیاء استعمال کرنی چاہئیں۔ چاہے آپ کی رنگت سفید ہو یا گندمی اگر آپ سفید رنگت کی مالک ہیں تو آپ کو ہلکا میک اپ بھی کرنا چاہیے اور تیز میک اپ بھی۔ دونوں طرح کا میک اپ آپ کی سفید رنگت پر نکھار پیدا کرے گا اور اگر گندمی رنگت کی مالک ہیں تو آپ کو نیچرل کلر کا میک اپ کرنا چاہیے اور ہلکے رنگ کے لباس پہننے چاہئیں۔ مثلاً اورنج، ہلکا پیلا، گلابی، ہلکا نیلا، ہلکا گلابی وغیرہ۔ میک اپ کرتے وقت اپنی گردن کو بھی خاص طور پر مدنظر رکھیں۔ میک اپ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ چہرے اور گردن دونوں کی رنگت ایک جیسی ہو۔ میک اپ زیادہ گہرا نہیں کرنا چاہیے۔ ورنہ مصنوعی معلوم ہو گا اور آپ بالکل ماڈل نظر آنے لگیں گی۔ ذیل میں ہم مختلف جلدوں پر میک اپ کرنے کے طریقے درج کر رہے ہیں۔

1۔ خشک جلد: اگر آپ کی جلد خشک ہے تو سب سے پہلے آپ بغیر چکناہٹ والی فاؤنڈیشن یا کریم چہرے پر لگائیں۔ خشک جلد کے لیے موئسچرائزر یا موئسچرائزنگ لوشن استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لوشن جلد کو نمی اور روغن فراہم کرتا ہے۔

2۔ چکنی جلد: چکنی جلد کے لیے جو فاؤنڈیشن استعمال کیا جائے اس میں بنیادی عنصر پانی ہونا چاہیے۔ ایسی جلد والی خواتین کو واٹر بیسڈ لوشن استعمال کرنا چاہیے۔ یہ چہرے کے لیے بہترین ایسٹرینجنٹ ہے۔ روغنی جلد والی خواتین کو اسکن ٹانک کا استعمال ہرگز نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے بجائے ہلکی ہلکی سپھیسٹیڈ کلینزر سے جلد صاف کر کے واٹر بیسڈ لوشن لگانا بہتر ہوتا ہے۔

3۔ نارمل جلد: یہ جلد کی سب سے بہترین ساخت ہے۔ جن خواتین کی جلد نارمل ہو انہیں چکنی اور پانی کی آمیزش والی فاؤنڈیشن لگانی چاہیے کیوں کہ یہ اس جلد کے لیے بہت مفید ہوتی ہے۔

4 حساس جلد: حساس جلد سے مراد ایسی جلد ہے جو بہت ہی نازک ہوتی ہے ایسی جلد کو پریشان کن جلد بھی کہا جاتا ہے۔ جن خواتین کی جلد حساس ہو انہیں چاہیے کہ وہ بغیر چکناہٹ والی فاؤنڈیشن استعمال کریں کیوں کہ ان کی جلد کے مسامات ویسے ہی زیادہ چکناہٹ خارج کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ ادویات پر مشتمل فاؤنڈیشن استعمال کریں جو ان کے لیے مفید ہے۔

5۔ سیاہ رنگت: جن خواتین کی رنگت سیاہ ہوتی ہے انہیں ہلکے نارنجی یا گلابی شیڈ کی فاؤنڈیشن استعمال کرنی چاہیے۔ اس سے ان کے چہرے پر صحت مند تازگی کا تاثر نظر آنے لگتا ہے۔ بعض خواتین جن کی رنگت سیاہ ہوتی ہے وہ اپنی سیاہ رنگت کو چھپانے کے لیے بہت ہی بھاری قسم کا میک اپ کرلیتی ہیں جو مناسب نہیں ہوتا ہمیشہ ہلکے پھلکے میک اَپ سے ہی چہرے پر وقار اور دلکشی پیدا ہوتی ہے۔

6۔ گندمی رنگت: سفید رنگت پر چاہے ہلکا میک اپ کیا جائے چاہے بھاری اور تیز میک اَپ سفید رنگت پر دونوں طرح کا میک اَپ جچتا ہے۔ لیکن گندمی رنگت کے سلسلے میں ایسا نہیں ہے۔ گندمی رنگت رکھنے والی خواتین کو بہت سی احتیاط اور سلیقہ سے کام لینا چاہیے۔ ورنہ ان کا چہرہ بدنما اور رنگ سیاہ نظر آنے لگے گا۔ گندمی رنگت والی خواتین کو ایلیز تھ آرڈن کی فیدر رلائٹ فاؤنڈیشن کا روز ایشل شیڈ استعمال کرنا چاہیے۔ میک اَپ کے ماہرین نے اس فاؤنڈیشن کو بہت مفید قرار دیا ہے اور اس سے چہرے پر نکھار پیدا ہوتا ہے۔

7۔ زرد رنگت: زرد رنگت یا پیلاہٹ مائل رنگت رکھنے والی خواتین کو گلابی اور ہلکے اورنج شیڈ کے امتزاج والی فاؤنڈیشن استعمال کرنی چاہیے۔ کیوں کہ اس شیڈ کے فاؤنڈیشن لگانے کے بعد ان کے جسم کی جلد کا رنگ چہرے کے رنگ سے زیادہ متضاد نہیں لگے گا۔ اس کے علاوہ دوسرا شیڈ پیلاہٹ مائل براؤن اور گلابی کا بھی لیا جاسکتا ہے۔ ان دونوں رنگوں کی فاؤنڈیشن کے استعمال سے چہرے پر قدرتی تازگی اور گلابی پن کا احساس پیدا ہوگا اور یوں چہرے کی دلکشی میں بہت زیادہ اضافہ پیدا ہوجائے گا۔

8۔ سرخی مائل: رنگت رکھنے والی خواتین کے چہرے پر چھوٹے چھوٹے سرخ دھبے بھی نظر آتے ہیں۔ خصوصاً ناک کی نوک، ٹھوڑی، پیشانی اور رخساروں پر سرخ نشانات قدرے واضح ہوتے ہیں۔ سرخی مائل رنگت رکھنے والی خواتین کو چاہیے کہ وہ پیلاہٹ مائل رنگ کی فاؤنڈیشن استعمال کریں۔ کیوں کہ اس شیڈ کی فاؤنڈیشن چہرے کی سرخی کو بھی چھپائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ چہرہ قدرتی سرخی سے بھی محروم نہیں رہے گا لیکن فاؤنڈیشن سے پہلے پرائمر ضرور لگالینا چاہیے۔

میک اپ کرنے کا طریقہ

میک اَپ کرنے کے لیے سب سے پہلے چہرے کی تھریڈنگ کریں گے۔ تھریڈنگ کرنے کے بعد چہرے کا مساج کریں۔ اس کے بغیر آپ خوب صورت نہیں لگیں گے۔

3۔ Neck پر فاؤنڈیشن ایک ہی لیول میں لگایا جاتا ہے۔ ورنہ زیادہ بام ہونے کی وجہ سے دھبے نظر آئیں گے۔ گردن پر سامنے کی طرف لگانے کے بعد فاؤنڈیشن گردن کے پیچھے اور کندھوں پر بھی اچھی طرح لگائیں۔ Neck سے اوپر کان پر بھی فاؤنڈیشن لگائیں اور کان کے پیچھے بھی تاکہ تمام حصے ایک جیسے نظر آئیں۔

4۔ اب فاؤنڈیشن گالوں پر لگائیں۔ گالوں پر لگاتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ ہاتھوں کو نیچے سے اوپر کی طرف لے جایا جائے۔ ایک گال پر لگانے کے بعد اسی طرح دوسرے گال پر بھی لگائیں۔

5۔ Cheecks پر لگانے کے بعد Chin پر لگائیں۔

6۔ اس کے بعد ناک پر لگائیں۔ ناک پر لگاتے وقت اس بات کا خیال رکھیں مساج ہمیشہ کولڈ کریم کا کرنا چاہیے۔ مساج اور ہاٹ ٹول Hot Towel کرنے کے بعد چہرے کو ٹشو پیپر سے اچھی طرح صاف کریں۔ اس کے بعد چہرے پر برف ملیں۔ دس منٹ تک برف ملنے کے بعد چہرے کو پانی سے دھولیں اور پھر تولیے سے چہرے کو پونچھ لیں۔ چہرے کو اچھی طرح صاف کریں۔

☆